توحید

آخری عشرہ مجالس

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج۔ لکھنؤ

سلسلۂ آثار علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادیؒ

توحید

آخری عشرۂ مجالس

علاّمہ سیّد ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج، لکھنؤ۔۱۸، یو۔ پی (انڈیا)

فون: 0522-2615115 ——— فیکس: 0522-2628923

نام کتاب:............................ توحید

تالیف:.............. علامہ السید ذیشان حیدر جوادی (اعلی اللہ مقامہ)

کتابت:............................ ج۔ احمد

پہلا ایڈیشن:.................... جنوری ۲۰۰۴ء

دوسرا ایڈیشن:.................. اکتوبر ۲۰۰۸ء

تعداد:............................ ایک ہزار

مطبوعہ:.................. یونائیٹڈ بلاک پرنٹرس، لکھنؤ

ناشر:.................. تنظیم المکاتب، لکھنؤ (انڈیا)

قیمت:..................

75 روپے

عرضِ تنظیم

علامہ جوادی طاب ثراہ کی زندگی کے آخری عشرۂ مجالس کا مجموعہ ادارہ پیش کرنے کی سعادت
حاصل کر رہا ہے۔ عام طور سے مجالس میں افادیت کے بجائے برکت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے او
ضروری مسائل و معلومات قوم تک نہیں پہنچ پاتے مگر علامہ طاب ثراہ نے اس راہ میں نئے اسلوب ایجا
کئے اور ان موضوعات کو بھی اپنے بیان کی زینت قرار دیا جن کا تذکرہ عموماً مجالس کو خشک بنانے والا ہوتا ہے

توحید جیسے خشک اور خالص عقلی و فکری موضوع پر مکمل عشرہ کی مثال موجودہ طرز ذاکری میں
نہیں ملتی۔ اس عشرہ میں توحید کو موضوع قرار دے کر حصول معرفت الٰہی کی آسان راہ دکھائی ہے اس
کہ توحید پروردگار ہی عقائد کی اساس اور بنیاد ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۷۸ء میں ابوظہبی کی سرزمین پر پہلا عشرہ بھی توحید سے متعلق تھ
اور زندگی کے آخری عشرہ کا موضوع بھی توحید تھا۔

عشرہ کے لئے منتخب آیت کے بجائے آخری مجلس کے لئے آپ نے انا للہ . . . . ک
سرنامۂ کلام بنایا اور روز عاشور مجلس کے بعد نماز ظہرین اور سلسلۂ ماتم کے خاتمہ کے ساتھ آپ کی
زندگی کا اختتام ہوا۔ عقیدۂ توحید کی تبلیغ کے بعد فرشِ عزا سے مولا کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

توحید سے تبلیغ کا آغاز اور توحید پر تبلیغ کے اختتام کے ذریعہ عملاً یہ ثابت کر دیا کہ ہم اللہ کے
لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔ رب کریم ہماری اس کوشش کو قبول
فرمائے اور افراد قوم توحید کے صحیح مفہوم سے ان مجالس کے ذریعہ روشناس ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

فقط والسّلام
سیّد صفی حیدر
سکریٹری تنظیم المکاتب

فہرست

مجلس ۱

تشریح و تفسیر آیت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُکُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ (صلوات)

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارا جیسا ایک انسان ہوں، لیکن میری طرف مسلسل یہ وحی آتی رہتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے لہٰذا جو بھی اس پروردگار کی ملاقات کی اُمّید رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

چودہ سو بیس ۱۴۲۰ ہجری کی یہ آخری مجلس جس کے بعد کل سے نئے سال کی مجالس کا آغاز ہوگا۔

آج سے بائیس ۲۲ سال پہلے اسی عزاخانہ میں، میں نے توحید پروردگار سے

متعلق اپنے معروضات پیش کئے تھے اور آج پھر زمانہ کے نقاضوں کے مطابق ضرورت محسوس کی گئی کہ مسئلہ توحید کی مزید وضاحت کی جائے اس لئے کہ آج دنیا میں جتنے ہنگامے اٹھائے جارہے ہیں سب کی بنیاد ایک عقیدۂ توحید پروردگار کو بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اُمّتِ اسلامیہ پر یہ بات واضح ہوجائے کہ توحید پروردگار کا اسلامی تصوّر کیا ہے؟ اور اگر مالک نے اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کی وحدانیت اور یکتائی کا اقرار کریں تو اس اقرارِ وحدانیتِ پروردگار میں کتنی گنجائش پائی جاتی ہے اور وہ کون سی منزل آتی ہے جہاں اقرارِ توحید انسان کو زندگی کے بے شمار اعمال سے روک دیتا ہے؟

صلوات

موضوع کی تفصیلات آئندہ مجالس میں آپ کے سامنے پیش کی جائیں گی۔ آج فقط آیۂ کریمہ کے الفاظ کی تشریح اور وضاحت مقصود ہے، تاکہ آئندہ بیانات کو سمجھنے میں محترم سامعین کو آسانی ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ پروردگار عالم نے اس آیۂ کریمہ میں اسلام کے تمام بنیادی عقاید کا تذکرہ کردیا ہے" پیغمبرؐ! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تم جیسا ایک بشر، ایک انسان ہوں کہ جس کی طرف وحی نازل ہوتی ہے" یہ نزولِ وحی عقیدۂ نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ مضمون وحی یہ ہے "اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" تمہارا خدا فقط ایک خدا ہے دوسرا کوئی خدا نہیں ہے" یہ اسلام کے عقیدۂ توحید کی وضاحت ہے۔ "جو اپنے مالک سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ عمل نیک کرے اور عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے" یہ عقیدۂ قیامت کی طرف اشارہ ہے اور ملاقات پروردگار کے لئے نیک

عمل کرے، بُرے اعمال کے ساتھ کوئی اللہ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ یہ اسلام کے عقیدۂ عدالت کی طرف اشارہ ہے — اور ان سارے پیغامات کی حیات ہے جس کا دار و مدار عقیدۂ امامت پر ہے۔

یہ اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کی طرف خود پروردگار عالم نے اشارہ کیا یا اگر میں واضح لفظوں میں کہنا چاہوں تو پروردگار نے پہلے یہ اعلان کرایا کہ "پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ایک بشر ہوں، جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے"۔ اس کے بعد مضمونِ وحی بتایا کہ وحی کا مضمون یہ ہے کہ تمھارا خدا صرف ایک ہے دوسرا کوئی خدا نہیں ہے۔ مضمون وحی بعد میں، اعلان وحی پہلے ہے۔ تاکہ کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ عقیدۂ توحید کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کی کوئی اوقات ہی نہ رہ جائے، بلکہ خدا نے پہلے عظمتِ پیغمبرؐ کا اعلان کیا ہے اس کے بعد نبیؐ کی زبان سے اپنی توحید کا اعلان کرایا ہے۔

صلوات

اور اگر عربی قواعد کے اعتبار سے آیت کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بار بار ایک حصر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" بس میں تم جیسا ایک بشر ہوں لیکن وہ بشر جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ایک "بس" تو یہاں استعمال ہوا اس کے بعد پھر اعلان ہوا "اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ" بس تمہارا خدا ایک ہے دوسرا کوئی نہیں۔ آخر میں لفظ تو ایسا نہیں آیا ہے لیکن۔ پھر اعلان ہوا اگر کوئی مالک سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو اسے نیک عمل کرنا ہوگا اور خبردار اپنے عمل میں غیر خدا کو شریک نہ بنائے، یہ تیسرا حصر ہے یعنی عظمت پیغمبرؐ کو پہچاننے کے لئے بھی

ایک حصر کو پہچاننا ہوگا۔ توحید خدا کو پہچاننے کے لئے بھی ایک حصر کو پہچاننا ہوگا۔ اور قیامت میں انسان کے اعمال کی قیمت کو پہچاننے کے لئے بھی ایک حصر کو پہچاننا ہوگا یہ ایک لہجۂ قرآنی ہے۔ جب کسی عظمت کو بیان کیا جائے تو بغیر حصر کے مسئلہ واضح نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے خدا نے اپنی وحدانیت کا اعلان کیا تو پھر حصر کہا۔ نبیؐ کی نبوت کا اعلان کیا اسی حصر کے ساتھ۔ قیامت کا اعلان کیا، عبادت کے اخلاص کا اعلان کیا اسی حصر کے ساتھ۔ جب یہ لہجہ اسلام کو راس آگیا تو آل محمدؐ کی طہارت کا اعلان کیا تو اسی حصر کے ساتھ، اور علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تو اسی انداز کے ساتھ۔

صلوات

تیسرا مسئلہ جو آیت کے الفاظ میں پایا جاتا ہے، جو ذرا دقیق بھی ہے مگر قابلِ توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ پروردگار عالم نے کہا کہ پیغمبرؐ "قُلْ" آپ کہہ دیجئے "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" میں تم جیسا ایک انسان ہوں۔ تو اگر آپ ہم جیسے ایک انسان ہیں اور یہی آپ کو اعلان کرنا ہے، تو اس میں خدا کے کہلوانے کا کیا کام؟ یعنی اگر کوئی آپ سے پوچھے آپ سے یا آپ کا تعلق مخلوقات میں کس قسم سے ہے۔ ایک انسان سے اگر پوچھا جائے کہ مخلوقات میں آپ کا درجہ کہاں ہے؟ آپ کو حجر کہا جائے؟ شجر کہا جائے؟ جانور کہا جائے؟ انسان کہا جائے؟ آپ کہیں ٹھہر جائیے، پہلے وحی آجائے تو بتاؤں گا۔ اگر آپ اپنے کسی مرتبہ کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو ہوسکتا ہے اس کے لئے اجازت درکار ہو۔ لیکن جہاں تک بشریت کا تعلق ہے ہر آدمی دیکھ ہی رہا ہے کہ آپ انسان ہیں، اس کے لئے کسی وحی کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر پروردگار عالم نے پیغمبرؐ سے بشریت کا بھی اعلان کروایا تو کہا "قُلْ" آپ کہئے۔

یعنی اگر پیغمبرؐ اپنی نبوت کا اعلان کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے بغیر اذنِ خدا کے کوئی نبی نہیں ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ اپنی کسی عظمت کا اعلان کریں تو کہا جائے گا خدا کمال نہ دے گا تو بندہ کمال کہاں سے لائے گا۔ لیکن بشر ہونے کے اعلان کے لئے وحی خدا کی کیا ضرورت ہے؟ کہ خدا کہلوائے تو پیغمبرؐ کہیں" آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ایک انسان ہوں"۔" آپ کہہ دیجئے" کا کوئی کام نہیں تھا۔ کوئی پیغمبر سے یونہی پوچھتا تو پیغمبرؐ کیا کہتے؟ نہ اپنے کو جن کہہ سکتے ہیں نہ اپنے کو ملک کہہ سکتے ہیں۔ آخر کہیں گے تو بشر ہی تو کہیں گے! مگر خدا نے یہاں بھی ایک حرف "قُلْ" رکھا تا کہ اندازہ ہو جائے کہ تمہاری اور اس کی بشریت میں اتنا فرق ہے کہ تم جو چاہو وہ کام اپنی مرضی سے کر سکتے ہو، یہ تو اپنی مرضی سے اپنے کو بشر بھی نہیں کہہ سکتا جب ہم کہلوائیں گے تو اپنی بشریت کا اعلان کرے گا۔ اگر یہ تم جیسی بشریت ہوتی تو اس کے اعلان کے لئے حرف "قُلْ" کا کوئی کام نہیں تھا۔ ایک بشریت میں کوئی بات پائی جاتی ہے کہ جو بغیر رابطۂ پروردگار کے نہیں پیدا ہو سکتی۔

اور اسی لئے اگر آپ عربی گرامر کے اعتبار سے لفظ پر غور کریں گے تو بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ کی طرف سے پیغمبرؐ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ آپ اعلان کر دیجئے خدا ایک ہے۔ آپ میری توحید کا اعلان کر دیجئے اللہ کا حکم ہے۔ پیغمبرؐ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اعلان کریں۔

صلوات

مگر الفاظ کیا ہیں" اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ"، میں تم جیسا ایک بشر ہوں "یُوْحیٰ اِلَیَّ"، میری طرف مسلسل وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ وحدانیتِ خدا کا

اعلان کرنے کے لئے کیا ایک مرتبہ وحی خدا کافی نہیں ہے؟ پروردگار کہے گا پیغمبرؐ!
آپ میری وحدانیت کا اعلان کریں۔ اب پیغمبر کی ذمہ داری ہے کہ زندگی بھر اسی سبق
کو دُہراتے رہیں، چاہے مکہ کی گلیوں میں رہیں چاہے مدینہ کے اجتماعات میں رہیں اسی سبق
کو دُہراتے رہیں تمہارا خدا ایک ہے، اس کے علاوہ تمہارا کوئی خدا نہیں ہے مگر یُوحیٰ اِلَیَّ
میری طرف برابر وحی نازل ہوتی ہے (عرب ملک میں رہنے کے بعد عربی کے اتنے گرامر و
قواعد سے آپ بھی آشنا ہیں) مجھ پر برابر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ اس
"برابر وحی" کا کیا کام ہے؟۔ ارے ہمیں بچپنے میں بتا دیا گیا تھا "اللہ ایک ہے" وہ
آج تک یاد ہے۔ ماں نے بچے کو گود میں بٹھا کے کہہ دیا بیٹا کہو اللہ ایک! بیٹا
سَتّر سال کا ہو گیا اسی سبق کو دُہرا رہا ہے ــــــــــ ایسا تو نہیں ہوتا
ہے کہ روزانہ ماں پھر سے کہے "کہو اللہ ایک ہے"۔ اگلے سال پھر یاد دلائے اللہ ایک،
دس سال کے بعد پھر یاد دلائے اللہ ایک۔ بار بار یہ بات نہیں دُہرائی جاتی ہے تو
ہمارے گھر کے بچے ایک مرتبہ سُن لیں تو زندگی بھر یاد رکھیں۔ اور پیغمبرؐ سے کہلوایا جائے
یُوحیٰ اِلَیَّ برابر مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ خدا ایک ہے۔ برابر نزولِ وحی کے معنی
کیا ہیں؟ یہ مسلسل وحی نازل ہوتی ہے اس کے معنی کیا ہیں؟ یقیناً اس میں کوئی بات
تو پائی جاتی ہوگی؟ اگر پیغمبر اور خدا کا تنہا رشتہ اور رابطہ ہوتا تو کہا جاتا "اُوحیَ اِلَیَّ"
میری طرف وحی نازل کی گئی ہے کہ خدا ایک ہے۔ مگر مسئلہ یہ نہیں کہ وحی نازل کی گئی
ہے۔ برابر وحی نازل ہو رہی ہے۔

ــــــــ صلوات ــــــــ

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی بشریت کو خدا نے ایسا بنایا ہے۔ ہماری انسانیت

کو مالک نے ایسا بنایا ہے کہ ہماری انسانیت میں انسانیت کے تقاضے شامل ہوتے
ہیں۔ کبھی بر محل ہنسے کبھی بے محل۔ کبھی موقع پر روئے کبھی بے موقع۔ کبھی جہاں
بیٹھنا چاہیئے وہیں اٹھے کبھی جہاں بیٹھنا چاہیئے وہاں کھڑے ہو گئے ــــ یعنی بشریت
کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک کام مرضی خدا کے مطابق، دوسرا کام اپنی مرضی کے مطابق۔
وہاں حکم خدا تو یہاں اپنی خواہش چل رہی ہے۔ لیکن بس کے اوپر خداوند عالم کی طرف
سے مسلسل یہ فیضان ہو رہا ہے، مسلسل یہ الہام ہو رہا ہے کہ میرے حبیب تمہارا خدا
ایک ہے۔ انھیں سمجھاتے رہو خدا ایک ہے۔ مسلسل نزولِ وحی کا مطلب یہ ہے کہ
پیغمبرؐ کی پوری حیات پر وحیِ پروردگار کی نگرانی ہے۔ پیغمبرؐ کی پوری زندگی پر وحیِ پروردگار
کا پہرہ ہے۔ اگر وحیِ خدا کے پہرے سے زندگی ہٹ جائے تو کبھی مالک کی مرضی کے
مطابق ہو گی تو کبھی اپنی خواہش کے مطابق ہو گی ــــ لیکن کسی کی حیات پر اگر مسلسل
وحیِ پروردگار کا پہرہ رہے گا تو زندگی کی ایک سانس بھی مرضیٔ پروردگار کے خلاف
نہیں رہ سکتی ہے۔ یہ جاگے گا تو مرضیٔ خدا سے جاگے گا، سوئے گا تو مرضیٔ خدا سے سوئے گا،
بولے گا تو رضائے الٰہی سے بولے گا، خاموش ہو جائے گا تو خدا چاہے گا تو خاموش ہو گا۔
رزم و بزم جو کچھ بھی ہے سب مرضیٔ خدا کے مطابق ہے۔ یہ تو مرضیٔ خدا کا اتنا پابند ہے کہ
ہر اقدام رضائے خدا کے مطابق ہے اس کو اتنا اعتماد اپنے مالک پر ہے۔ اپنی ہستی کو
قربان کر دیا رضائے خدا کے لئے۔ اگر تم نے اِسے ایسا نہ مانا تو تمہارا اعتماد رضائے خدا
پر نہیں ہے۔ (صلوات)

یہ مسلسل پروردگار کی طرف سے پیغمبرِ اسلامؐ کے لئے ایک الہام الٰہی ہے اور
یہی بشریتِ پیغمبرؐ کی خصوصیت ہے جو دنیا کے دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔

جب تک پروردگار کی طرف سے کوئی منصب دار نہیں ہوتا ہے کسی کے لئے کوئی ایسا وقت نہیں آتا ہے کہ جہاں انسان یہ دعویٰ کر سکے کہ میرے پروردگار کیطرف سے کوئی وحی نازل ہو رہی ہے۔ یہ پیغمبرِ اسلامؐ کی بشریت کا امتیاز ہے جو میرے موضوع میں شامل نہیں ہے۔ وحی کیا ہے؟ "أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ" پیغمبر کے پاس جو پیغام آیا ہے اور جس پیغام کو حضورؐ لوگوں تک پہونچائیں گے وہ پیغام یہ ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ پروردگار عالم نے نبی کو حکم دے دیا "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ"، پیغمبرؐ آپ یہ کہئے، یہ اعلان کیجئے کہ خدا ایک ہے۔ یہ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ (یہ میں نے اُس عشرہ میں عرض کیا تھا اس کے دُہرانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے) پیغمبرؐ آپ کہئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ کا حکم تھا پیغمبرؐ نے اعلان شروع کر دیا۔ جب تک حضورؐ منزلِ تبلیغ میں رہے ۲۳ سال تک مسلسل پیغامِ الٰہی کو دُہراتے رہے اس لئے کہ پروردگار نے کہا تھا کہ آپ کہہ دیجئے کہ خدا ایک ہے۔ حالانکہ وجودِ پروردگار، توحیدِ پروردگار یہ انسان کا فطری مسئلہ ہے۔ اللہ نے انسان کی فطرت میں وجودِ خدا کا عقیدہ رکھا ہے۔ انسان اگر منزلِ شعور پر آجائے تو توحیدِ پروردگار کو پہچان سکتا ہے۔ مگر اُدھر سے حکم ہوتا ہے آپ کہئے کہ خدا ایک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا آغاز ہے حرف "قُلْ"۔ کاش اس نکتہ کو آپ محسوس کر لیں پہلے دن جب اللہ نے اپنی توحید کا اعلان کرایا تو کہا قُلْ کہئے هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ پیغام بھی آپ کا نہیں ہے۔ یہ بات آپ کی فکر کا نتیجہ نہیں ہے کہ وہ کہے میری فکر یہ کہتی ہے، میرا خیال یہ کہتا ہے۔ خدا نے کہلوایا نبی نے کہا۔ تو جب اسلام

کی تعلیمات کا آغاز ہوا تو اسلام کا پہلا عقیدہ توحید ہے۔ مجھے دسؔ دن تک یہی گذارش کرنی ہے کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے، بقیہ جتنے عقائد ہیں اور جتنے اعمال ہیں سب اسی توحید کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ اگر کوئی عمل، کوئی عقیدہ، توحید سے ہٹ جائے۔ تو نہ اسلام ہے نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے۔ اسلام کا بنیادی عقیدہ ایک ہے۔ اس لئے کہ واقعًا کائنات کا خالق ایک ہے، بقیہ جو بھی ہیں چھوٹے بڑے سب خدا کی مخلوق ہیں۔ کوئی خدا نہیں ہے۔ نہ کوئی پیغمبر نہ کوئی امام، نہ کوئی ولی نہ کوئی سلطان نہ کوئی بادشاہ، نہ کوئی چھوٹا نہ کوئی بڑا، کوئی خدا جیسا نہیں ہے۔ خدا، ایک خدا ہے، باقی سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔

مسئلہ توحید پروردگار یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور خدا نے کہا میرے حبیب اب کام شروع کیجئے۔ تو جب اسلام پیش کرنے کا وقت آیا تو پہلی تعلیم اسلام کی یہ ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ آپ کہئے وہ اللہ احد ہے، وہ اللہ ایک ہے۔ تو آغاز تبلیغ اسلام ہوا حرف "قُلْ" سے۔ اسی لئے حضورؐ جب میدان میں آئے تو اسی نکتہ کو دُہرا دیا۔ اللہ نے پیغمبرؐ سے کہا کہ آپ کہئے کہ خدا ایک ہے۔ پیغمبرؐ جب مکہ کی گلیوں میں نکل کے آئے تو پیغمبرؐ نے امت سے کہا "قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"، تم لوگ کہو کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پڑی ہے اسی لفظ قُلْ پر۔ پیغمبر کی تبلیغات کی بنیاد ہے یہی حرف قُلْ۔ خدا نے کہا کہو نبی نے کہہ دیا۔ اب جو جو خدا کہتا رہے گا نبی کہتے رہیں گے۔ خدا جانتا ہے اول د آخر میں کتنا گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ جب کار رسالت شروع کیا تو آغاز ہوا

حرف قُل سے، اور جب کارِ تبلیغ مکمل ہو گیا اور اجرت لینے کا وقت آیا جب بھی نبی نے اپنی طرف سے کوئی دخل نہیں دیا۔ جس نے مجھے اس کام پر لگایا ہے وہی میری اجرت بھی طے کرے گا۔ تو جب خدا نے نبی کو کام پر مامور کیا تو کہا قُل کہئے کہ خدا ایک ہے۔ یہ پیغامات کا سلسلہ تھا جب کام مکمل ہو گیا تو کہا آپ کچھ نہ بولئے گا میں ہی کہلواؤں گا قُل لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی۔

صلوات

اگر یہ لوگ اجرت دینا چاہتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی۔ سوائے اقرباء کی محبّت کے مجھے کوئی اور اجر نہیں چاہیئے، مجھے کوئی اُجرت کوئی مزدوری نہیں چاہیئے، تم کون دینے والے میں کون لینے والا۔ میں تو پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں، اس نے جو کام میرے حوالے کیا ہے میں اسی پیغام کو پہونچا رہا ہوں۔ تو جب کام اس نے لیا ہے تو اجرت بھی وہی دے گا۔ اگر میں نے تمھارے کہنے سے کام کیا ہوتا تو تم طے کرتے کہ اجرت کیا ہے یا میں بتاتا کہ اجرت کیا ہے۔ لیکن مسئلہ نہ تمھارا ہے نہ مسئلہ میرا ہے۔ آپ ایک استاد کو بلائیے اپنے بچے کو پڑھانے کے لئے۔ آپ نے بلایا ہے یا آپ یہ کہیں گے کہ میں یہ دونگا یا وہ یہ کہے مجھے اتنا لینا ہے، اس لئے کہ معاملہ آپ دونوں کے درمیان ہے۔ کیونکہ اگر معاملہ دو بندوں کے درمیان طے ہوتا ہے تو یہ کام کرنے والا طے کرے گا کہ میری اجرت کیا ہے، یا کام لینے والا طے کرے گا مجھے کیا اجرت دینا ہے۔ مگر پیغمبر کے کام کا تعلق بندوں سے تو ہے نہیں۔ کون تھا عربستان میں جو آکے حضور سے کہتا ذرا ہمیں دین تو پڑھا دیجئے۔ انھیں تو دین کی خبر بھی نہیں تھی، انھیں تو احساس بھی نہیں تھا

کہ دین بھی کوئی شے ہے؟ وہ تو جاہلیت میں ڈوبے ہوئے، کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے، شراب کے نشے میں گم ہوئے انھیں کیا معلوم کہ دین کیا ہے۔ یہ تو اللہ نے پیغمبر سے کہا کہ آپ پیغام پہونچائیے۔ تو جب خدا نے کام لیا ہے تو اجرت کون طے کرے گا؟ جو کام لینے والا ہے وہی تو طے کرے گا؟ لہٰذا پروردگار ہی کہتا ہے کہ پیغمبر آپ کہئے کہ کوئی اجرت نہیں سوائے محبت اہلبیتؑ کے، اور مصلحت پروردگار یہ کہ آپ کہہ دیجئے یعنی میں نے طے کیا ہے تاکہ کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہونے پائے کہ یہ بندوں کے درمیان کا معاملہ تھا۔ یعنی جب لوگ آکے کہتے ہیں آپ نے بڑی محنت کی ہے بتائیے آپ کو کیا دے دیا جائے؟ دولت چاہیئے، عورت چاہیئے، حکومت چاہیئے، جو چاہیئے وہ ہم دے دیں۔ اگر پیغمبر ایک لفظ بھی کہہ دیں کہ کیا چاہیئے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ سودا دو بندوں کے درمیان ہوا ہے، وہ کام کرنے والے یہ کام لینے والے آپس میں طے کرلیں گے اور یہ کفر کی آخری چیز ہوتی۔ کہ کافروں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ معاملہ تو ہمارے اور ان کے درمیان کا تھا ہم نے کام لیا ہم نے اجرت دے دی ان کا احسان ختم ہوگیا۔ پروردگار نے کہا تمہارا معاملہ پیغمبر سے نہیں ہے، ہمارا معاملہ پیغمبر سے ہے۔

صلوات

یہی وجہ ہے کہ سارے انبیاء یہی کہتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ میری اجرت اللہ کے ذمہ ہے، تم سے کیا تعلق ہے؟ نہ تم نے کام لیا نہ میں نے تمہارے واسطے کیا۔ جس کے لئے کیا ذمہ دار وہ ہے۔ تو جب سبھی یہ کہہ رہے کہ ذمہ دار وہ ہے تو پیغمبر کا خدا بھی تو وہی خدا ہے اجرت دینے والا وہ ہے۔

گر مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ نبی کو جانا ہے، دین کو رہنا ہے۔ آپ عمل کریں گے پروردگار آپ کو جنّت دے دیگا۔ نبی خدمت کرے گا خدا اسے اونچا درجہ دے دیگا۔ اگر ہم دو رکعت نماز پڑھ کر یہ امید رکھتے ہیں کہ پروردگار جنت دے گا، چار روزے رکھ کے امید رکھتے ہیں کہ خدا جنّت دے گا تو ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے کیا چاہتا ہے؟ جنّت ہی تو چاہتا ہے۔ چاہے نہ چاہتا ہو مگر کم سے کم سب کہتے تو یہی ہیں۔ اگر ہمارے آپ کے سامنے معاملہ رکھ دیا جائے کہ زندگی بھر آپ نے جتنی نمازیں پڑھی ہیں آپ کو جنّت میں ایک کمرہ چاہیئے یا دنیا میں ایک بلڈنگ چاہیئے، چاہے دل کی آواز کچھ بھی ہو۔ مگر ہر آدمی کہے گا یہی کہ یہ بلڈنگ تو یہیں رہ جائے گی مگر ہم آگے بڑھ جائیں گے۔ اس دس منزلہ بلڈنگ سے بہتر یہ ہے کہ وہاں ایک کمرہ مل جائے۔ تو جو کچھ انسان عمل کرتا ہے بالآخر اس کو خیال تو یہی رہتا ہے کہ ہماری عاقبت کا کیا ہوگا؟ تو ہر آدمی وہاں چاہتا ہے لہٰذا جب ہم جیسے ناقص افراد نالائق لوگ عمل کرنے کے بعد سوچتے ہیں یہ دنیا لے کے کیا کریں گے۔ یہاں کیا کام آئے گی دنیا، یہ رہ جائے گی ہم چلے جائیں گے، یہ فکر ہے کہ وہاں مل جائے۔ انبیاء کرام نے یہی کہا ہمارا کام تھا تبلیغ کرنا۔ تم کو دین پڑھا دیا۔ اگر تم کچھ دوگے یہیں تو دوگے۔ اگر تم سے کوئی اجرت لی جائے گی تو یہیں تو اجرت دوگے پیسے دوگے وہ رکھے رہ جائیں گے میں چلا جاؤں گا۔ کوئی مکان دوگے وہ یہیں رہ جائے گا میں چلا جاؤں گا۔ کوئی عورت آئے گی وہ یہیں رہ جائے گی میں چلا جاؤں گا۔ تو دنیا والے جو دیں گے وہ سب یہیں تو کام آئے گا۔ وہاں کا اختیار تو کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے تو تم سے لے کر کیا کریں؟ تو جب تمھاری کوئی اُجرت کام آنے والی نہیں ہے تو کیوں نہ اپنے پروردگار سے لیں

کہ یہاں زحمت برداشت کی وہاں جا کے آرام کریں۔ تو سارے انبیاء نے جو اعلان
کیا وہ وہی اعلان ہے جو ہر انسان کی عقل میں آتا ہے، جو ہر مسلمان کے دل کی آرزو
ہے کہ محنت کریں یہاں اور اُجرت ملے وہاں۔ جو ہماری آرزو جو آپ کی آرزو ہے
وہی انبیاء کرام کا اعلان تھا۔ تو لوگ اگر حضور سے کہنے کے لئے آئیں کہ جو کہئے وہ
آپ کو دے دیا جائے تو حضور یہی فرما دیتے مجھے کچھ نہیں چاہیئے میرے پروردگار
کے پاس کیا کمی ہے۔ نہ خدا کے پاس دولت کی کمی ہے اور نہ اقتدار کی کمی ہے۔ نہ
خدا کے پاس جنت و کوثر کی کمی ہے تم کیا دے سکتے ہو۔ جس کا کام کیا ہے میں اس سے
جا کے لے لوں گا۔

مگر پروردگار نے کہا میرے حبیب یہ کہئے! اور تو کچھ نہیں چاہیئے، مگر
اہلبیتؑ کی محبت چاہیئے مگر اہلبیتؑ کی مودّت چاہیئے تو یہی کیوں چاہیئے۔ جب کچھ نہیں
چاہیئے سب وہیں ملے گا تو آپ کو سب سے بہتر وہیں مل جائے گا۔ مگر یہاں کیوں
چاہیئے اس کا راز کیا ہے؟ راز فقط یہ ہے کہ ہر جانے والے کو اپنی عاقبت کی فکر
ہے۔ مگر دنیا کا مسئلہ محفوظ ہے۔ یہ ایک عجیب رُخ ہے اس پر توجہ فرمائیں عام طور
سے اس کا تذکرہ نہیں ہوتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایک نبی جا رہا ہے اب اس کے
سامنے دو مسئلے ہیں۔ جو ہم نے محنت کی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اور جو ہم نے نظام پیش
کیا ہے اس کا کیا ہوگا؟ یہ مسئلہ انبیاء کا ہے ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ فقط یہ
ہے کہ دو رکعت نماز پڑھی اس کا کیا ہوگا، یعنی کیا ملے گا؟ ماہ رمضان میں روزے
رکھے یعنی کیا ملے گا؟ باقی روزہ تو رہے گا ہم رہیں چاہے نہ رہیں۔ ہم نہ رہیں گے
آپ رکھیں گے۔ وہ نہ رہے تو وہ نماز پڑھیں گے۔ یہ سلسلہ تو چلتا رہے گا۔ اس لئے

کہ نہ میں کوئی نماز لے کے آیا ہوں نہ میں کوئی روزہ لے کے آیا ہوں۔ میں تو آئی ہوئی نماز کو پڑھ رہا ہوں۔ آتے ہوئے روزے کو رکھ رہا ہوں۔ میں تو کچھ لے کے آیا نہیں مگر نبی تو پیغام لے کے آتا ہے تو نبی کے سامنے دو مسئلے ہیں۔ جو میں قانون لے کے آیا اس قانون کا حشر کیا ہوگا؟ اور جو میں نے محنت کی ہے اس کا اجر کیا ہوگا؟ تو مسئلے ہیں ڈو، قانون کا حشر اور محنت کا اجر۔ تو چونکہ سارے انبیار کی نگاہ میں قانون کا حشر تو معلوم تھا اس لئے کہ یہ گئے تو وہ موجود ہیں۔ وہ گئے تو یہ موجود ہیں۔ آدمؑ گئے تو نوحؑ تو آنے والے ہیں، نوحؑ جا رہے ہیں تو ابراہیمؑ آنے والے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ جائیں گے تو موسیٰؑ تو آہی رہے ہیں۔ موسیٰؑ گئے تو عیسیٰؑ تو آہی رہے ہیں۔ تھوڑے سے وقفے میں ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ تو جب تک سلسلۂ انبیار برقرار ہے، قانون کا حشر خطرہ میں نہیں ہے۔ مسئلہ خالی محنت کے اجر کا ہے، لہٰذا کہا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم خدا کے یہاں جا کے لے لیں گے۔ مگر جس کو خدا نے آخری پیغمبرؐ بنایا ہے، اس کا مسئلہ محنت کے اجر کا نہیں ہے اس کا مسئلہ قانون کے حشر کا ہے۔ میں تو چلا جاؤں گا لیکن قانون قیامت تک رہے گا۔ یہ باقی کیسے رہے گا؟ کہا پیغمبرؐ تم یہ نہ کہنا کہ وہاں جا کے جنّت و کوثر لے لیں گے۔ یہاں کہو کہ اہلبیتؑ سے محبّت کرو تا کہ قانون تو محفوظ رہ جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون خدا اگر محفوظ رہے گا، تو محبّتِ آلِ محمدؐ کی چھاؤں میں ہی محفوظ رہے گا۔ (صلوات)

یہ پیغمبرِ اسلامؐ کی محنتوں اور ریاضتوں کا معاوضہ نہیں ہے۔ یہ پیغمبرِ اسلامؐ کے نظام اور قانون کی بقار کا وسیلہ ہے۔ اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی اقربار سے مودّت رکھو۔ اقربار سے محبّت کرو اس لئے کہ میرا دین انھیں کے درمیان محفوظ ہے۔ میرا

اسلام انھیں کے درمیان محفوظ ہے۔ اگر ان سے وابستہ رہے تو میرے دین سے وابستہ رہو گے۔ اگر ان سے وابستہ رہے تو میرا دین برقرار رہے گا، اگر انھیں چھوڑ دیا تو دین ہی فنا ہو جائے گا۔ توجہ کی آپ نے آیۂ مودۃ تنہا عظمتِ اہلبیتؑ کا اعلان نہیں ہے، آیۂ مودۃ تنہا پیغمبرِ اسلامؐ کی اجرت کا اعلان نہیں ہے، بلکہ درحقیقت اسلام کی بقاء کا اعلان ہے، کہ اسلام باقی رہے گا اہلبیتؑ کی مودۃ اور محبّت کی چھاؤں میں۔ تو مجھے کہنے میں کچھ تکلّف نہیں ہے قرآن مجید کے اس اعلان کی روشنی میں کہ جہاں جہاں محبّتِ اہلبیتؑ ہے سمجھو وہاں قانونِ پیغمبرؐ محفوظ ہے، اور جن لوگوں نے آلِ محمدؐ سے رشتہ توڑ لیا ان کے پاس اپنا نظام تو ہو سکتا ہے نظامِ پروردگار نہیں ہو سکتا ہے۔

صلوات

اسی لئے میں نے کسی موقع پر عرض کیا تھا کہ اگر آپ تاریخ مذاہب پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مذہب اپنی حقیقی شکل میں اگر محفوظ رہ گیا ہے تو فقط آلِ محمدؐ کے کردار میں۔ اور یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے عقیدہ یا عقیدت کا نتیجہ ہے بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اگر آپ سارے مذاہب کا جائزہ لیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مذہب اپنی واقعی شکل میں اگر محفوظ رہ گیا تو فقط آلِ محمدؐ کے درمیان۔ جس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے، سرکار دو عالمؐ سے پہلے جتنے مذاہب آئے، جتنی شریعتیں آئیں کوئی ایک شریعت بھی محفوظ نہ رہ گئی اور نہ رہنے کی ضرورت تھی۔ جب زمانہ ہی محدود ہے تو اس کے باقی رکھنے کا کام ہی کیا ہے لیکن اگر کوئی اثر باقی رہ گیا تو اثر بھی واقعی باقی نہ رہ گیا چلیے صحیفۂ ابراہیمؑ ہم کو نہیں ملتا کہاں ہے؟ شریعت جناب نوحؑ کے آثار نہیں ملتے وہ کہاں ہیں؟

پہلی شریعت خدا نے جناب نوحؑ کو دی اس کا کوئی اثر کہیں نہیں ملتا۔ دوسری شریعت جناب ابراہیمؑ کے حوالے کی، خالی قرآن میں صحفِ ابراہیمؑ کا نام ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو صحیفے دیئے مگر کوئی صحیفہ نئی پرانی شکل میں کہیں ہے؟ نہیں ہے۔ اگر کوئی شئی باقی رہ گئی ہے تو یا شریعت جناب موسیٰؑ کے اثرات ہیں یا شریعت جناب عیسیٰؑ کے اثرات ہیں، یعنی توریت رہ گئی یا انجیل رہ گئی۔ اس کے علاوہ تو صحیفوں کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ غور کیا آپ نے تو جتنی پرانی شریعتیں تھیں، جتنے قوانین تھے ان میں سے کچھ اگر رہ گیا ہے تو یا توریت موسیٰؑ یا انجیل عیسیٰؑ، اور یہ یہودی بھی جانتے ہیں عیسائی بھی جانتے ہیں کہ یہ توریت وہ نہیں ہے جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ یہ انجیل وہ نہیں ہے جو عیسیٰؑ لائے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی شریعتیں آئیں، اتنے قوانین آئے کوئی ایک بھی باقی نہ رہ گیا۔ اور یہ ان کی کمزوری نہیں ہے بلکہ پروردگار اگر انھیں باقی رکھنا چاہتا تو باقی رہتے، کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسے مٹا دیتا مگر خدا رکھنا نہیں چاہتا ہے۔ رکھنا ہوتا تو بدلتا کیوں؟ جب شریعت کو تبدیل کر دینا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پرانے قانون کو نہیں رکھنا ہے۔ جب نہیں رکھنا ہے تو بچانے کا کوئی کام بھی نہیں ہے تو اتنے قوانین کا حشر تو معلوم ہو گیا۔ یا آثار ہی نہ رہ گئے یا اگر رہ گئے تو ایسے جو خالص نہیں ہیں (توجہ کریں)۔

صلوات

ایک پیغمبرؐ کی شریعت تھی مگر پیغمبرِ اسلامؐ کی شریعت دو حصّوں میں بیان ہوئی۔ کچھ قرآن مجید کے ذریعہ، کچھ پیغمبرؐ کی سنّت و سیرت کے ذریعہ۔ تو قرآن مجید قرآن خدا تھا، پروردگار نے کہا "اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ" ہم اس کی حفاظت کریں گے

وہاں تک تو کسی کا ہاتھ پہونچا نہیں (توجہ کریں) وہاں تک تو کسی کا ہاتھ پہونچا نہیں۔ وہ تو نازل ہوا خدا بچانے والا ہے۔ مسئلہ تھا سیرت پیغمبرؐ کا، یہی وہ جگہ تھی جہاں لوگوں کے ہاتھ پہونچنے لگے۔ جب تک سرکارؐ زندہ رہے اپنے کردار کو خود پیش کرتے رہے۔ کس میں ہمّت تھی جو کہتا غلط ہے۔ کس میں ہمّت تھی جو کہتا آپ جو کہیں وہ قانون نہیں، میں جو کہوں وہ قانون ہے۔ لہٰذا لوگوں نے وقت کا انتظار کیا حضورؐ کے جانے کے بعد اب روایتیں بننے لگیں۔ ہر روایت سیرتِ پیغمبرؐ ہوگئی، ہر حدیث سنّتِ پیغمبرؐ ہوگئی، یعنی جیسے پُرانی کتابیں بدلی گئی تھیں ویسے ہی نئی سیرت تیار کی گئی۔ یعنی اب سیرت پیغمبرؐ میں امت کی خود ساختہ سیرت کا اضافہ ہوگیا۔ معلوم ہوا یہاں بھی یہ حصّہ خالص نہ رہ گیا۔ کاش میری بات واضح ہو جائے۔ راویوں نے حصّۂ سُنّتِ پیغمبرؐ کو بھی خالص نہ رہنے دیا، اور جتنا خالص بچ گیا، جتنا خالص محفوظ رہ گیا جب اس کو سمجھنے کے لئے علماء میدان میں آئے انھوں نے دیکھا کہ یہ سیرت ناکافی ہے اُمّت کی ضرورت زیادہ ہے اور پیغمبرؐ کی سیرت چھوٹی پڑ رہی ہے تو انھوں نے اپنے قیاس کو شامل کیا۔ انھوں نے اپنے استحسان کو شامل کیا اور بالآخر جو شریعت آج بن کے ہمارے سامنے آئی وہ ویسے ہی مخلوط تھی جیسے پہلے والی تھی۔ (توجہ کریں)، فرق یہ ہے کہ کل توریت کی آیتوں میں اضافہ ہوا، انجیل کے فقرات میں اضافہ ہوا آج قرآن کے فقرات میں اضافہ نہیں ہوا، پیغمبرؐ کے کلمات میں اضافہ نہیں ہوا۔ مگر نبی کے نام سے کلمات بنے اور جب بنانے کے بعد بھی کم پڑ گئے تو اپنی فکروں کو شریعت کا جزء بنایا گیا۔ یہ ہمارا خیال یہ بھی شریعت، یہ ان کی فکر یہ بھی شریعت۔ اب تو اندازہ ہوگیا کہ پوری دنیا میں

کسی ایک جگہ بھی خدا کا خالص قانون نہ ملا۔ کاش میری بات ضائع نہ ہو کوئی ایک جگہ ایسی نہ ملی کہ جہاں پیش کرنے والا یہ کہتا یہ خدائی قانون ہے۔ نہ میری فکر نہ میرا خیال نہ میرا قیاس نہ میری پسند یہ خدائی قانون ہے۔ ایک تنہا آلِ محمدؐ کا گھرانا تھا جس نے ہمیشہ یہ اعلان کیا کہ دینِ خدا میں ہمارا کوئی حصّہ نہیں ہے، ہم نے وہ کہا جو ہمارے والد نے کہا۔ انھوں نے وہ کہا جو ان کے پدر بزرگوار نے کہا۔ انھوں نے وہ کہا جو جد بزرگوار نے کہا۔ انھوں نے وہ کہا جو علیؑ نے کہا۔ علیؑ نے وہ کہا جو نبیؐ نے کہا۔ نبیؐ نے وہ کہا جو جبرئیل لوحِ محفوظ سے لائے تھے۔ اگر آپ اس تاریخی تجزیے پر نگاہ رکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ قانونِ الٰہی اگر محفوظ رہ گیا تو تنہا آلِ محمدؐ کے کردار میں۔ اس نکتے کو کوئی سمجھ لے تب اسے اندازہ ہوگا کہ اتنی بڑی پیغمبرؐ کی محنت اس کی اجرت مودّتِ اہلبیتؑ کیوں بنایا گیا؟ اس لیے کہ محنتِ پیغمبرؐ یہ ہے کہ قانونِ خدا باقی رہ جائے۔ اور قانونِ خدا اگر رہے گا تو وہ محبّتِ اہلبیتؑ کے حصار میں ہی رہے گا۔ (صلوات)

تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ پہلے ہی مرحلہ پر روزِ اوّل پروردگارِ عالم نے یہ اعلان کر دیا "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پیغمبرؐ آپ کہئے کہ اللہ ایک ہے تاکہ عالمِ انسانیت کو یہ احساس پیدا ہو کہ یہ نبیؐ کے گھر کا بنایا ہوا کوئی عقیدہ نہیں ہے، یہ کوئی کہلوا رہا ہے جو پیغمبر کہہ رہے ہیں۔ اور جب حضورؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو پھر اعلان ہوا "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ" میں بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے۔ قُلْ آپ کہئے، یعنی رسالت بھی اس نے کہلوایا تو نبیؐ نے کہا (توجہ کریں) توحیدِ پروردگار کا اعلان خدا نے کرایا تو نبیؐ نے اعلان کیا۔ رسالتِ پیغمبرؐ کا اعلان خدا نے کرایا تو پیغمبرؐ نے اعلان کیا۔ مذہب میں کوئی شے پیغمبرؐ کے اپنے ہاتھوں کی بنائی

ہوئی نہیں ہے۔ جو خدا کہہ رہا ہے پیغمبرؐ اس کا اعلان کر رہے ہیں۔ تو ہر جگہ اگر یہ سمجھ میں آجاتا ہے، ہر مقام پر اگر یہ نکتہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ پیغام پیش کرنے والا کوئی اور ہے اور جو صاحبِ پیغام ہے وہ کوئی اور ہے۔ وہ پیغام دیتا ہے، پیغمبر اسلام اس پیغام کو لوگوں تک پہونچا دیتے ہیں۔ اگر ہر جگہ حرف قُلْ سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے تو اس نکتہ کو بھی انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ مودّت آلِ محمدؐ کا مسئلہ پیغمبرؐ سے متعلق نہیں ہے، کہ کسی نے سوچا کہ جاتے جاتے یہ بھی سوچا کہ میں چلا جاؤں تو لوگ میری اولاد سے محبّت کریں۔ ارے جس نے پیغمبرؐ کو مان لیا اپنی عاقبت بنائی ہے پیغمبرؐ کو کیا دیا؟ جس نے خدا کو مان لیا اس نے اپنی عاقبت بنائی ہے خدا کو کیا دیا ہے؟۔ تو جب ماننے والوں سے خدا کو کچھ نہیں ملا، ماننے والوں سے پیغمبرؐ کو کچھ نہیں ملا تو لوگ اگر اہلبیتؑ سے محبّت کرلیں گے تو اہلبیتؑ کو کیا ملے گا؟ مسئلہ اہلبیتؑ کے فائدے کا نہیں ہے۔ تم نے خدا کو مانا تو تمھارا فائدہ تھا، تم نے مجھے مانا تو تمھارا فائدہ ہے، تم اہلبیتؑ سے محبّت کروگے اہلبیتؑ کا فائدہ نہیں ہے، فائدہ تمھارا ہے۔ جس کو عام زبان میں یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے وحدانیت خدا کو مان لیا تو کم از کم اتنا فائدہ تو ہوا کہ شرک سے بچ گئے۔ یہ نکتہ آپ سُنتے ہی رہتے ہیں خدا کو مان لیا، وحدانیت پر ایمان لے آئے اتنا فائدہ تو ہوا کہ مشرک ہونے سے بچ گئے۔ جب نبیؐ کا کلمہ پڑھ لیا تو اتنا فائدہ تو ہوا کہ کافر ہونے سے بچ گئے۔ اگر کوئی اور فائدہ نہ مانو تو اتنا تو مانو کہ کافر ہونے سے محفوظ رہ گئے۔ اہلبیتؑ کو اگر مان لوگے تو اہلبیتؑ کو کچھ ملنے والا نہیں ہے مگر تمھیں کم از کم اتنا فائدہ تو ہوگا کہ منافق ہونے سے بچ جاؤگے۔ (صلوات)

تو میں الفاظ آیت کے ذیل میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ، میرے حبیب! آپ کہیئے کہ

میں بھی ایک انسان ہوں۔ مگر ایسا انسان کہ جس کی طرف پروردگار کی طرف سے مسلسل وحی آتی ہے کہ، تمھارا خدا بس ایک خدا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ جو اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہے۔ یقین کی بات نہیں ہے اگر امید بھی رکھتے ہو فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا تو کہہ دو پیغمبرؐ کہ نیک عمل کریں۔ یعنی اگر واقعاً مرنے کے بعد خدا کی بارگاہ میں جانا ہے اور خدا سے ملاقات کرنا ہے تو ملاقاتِ پروردگار بدعملی کے ساتھ نہیں ہوسکتی، بدکرداری کے ساتھ نہیں ہوسکتی فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا لوگوں کو چاہیئے کہ نیک عمل کریں۔

ـــــ صلوات ـــــ

"وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا" اور خبردار، پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائیں۔ (میں بات کو آخری منزل تک لاتے ہوئے اس لفظ کی وضاحت بھی کردوں باقی موضوع کے بارے میں کل سے اپنے معروضات انشاءاللہ آپ کے سامنے پیش کروں گا) اور عبادتِ پروردگار میں کسی کو شریک نہ بنائیں۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کو، جو سورۂ کہف کی آخری آیت ہے، اس آیت کریمہ کے نزول کے ذیل میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی خدمت میں ایک شخص آیا جو کہ مسلمان ہے، اور خالی مسلمان نہیں حضورؐ کی بارگاہ میں آیا تو صحابیٔ پیغمبرؐ بھی ہے، اُس نے کہا یا رسول اللہؐ! میں نیک کام تو کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور اچھے اعمال جو آپ نے بتائے ہیں وہ اعمال انجام دیتا ہوں۔ مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ میرے عمل کی تعریف کر دیتے ہیں تو مجھے عمل میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ اچھا ہوا کہ چودہ صدی پہلے ایک آدمی

پیدا ہو گیا تھا، ورنہ ہمارے حالات کی ترجمانی کرنے والا کوئی پیدا ہی نہ ہوتا۔ اُس نے تو کھل کر اپنے عمل کی حیثیت سرکار کے سامنے پیش کر دی۔ پیغمبرؐ کے سامنے نہ پیش کرے گا تو کہاں جائے گا۔ سرکارؐ سے اگر اپنے عمل کی تصدیق نہ کرائے گا تو کون عمل کی تصدیق کرنے والا ہے؟ ہم میں اور آپ میں تو اتنا کہنے کی ہمّت بھی نہیں ہے۔ غور کیا آپ نے؟ اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ بتائیے جب سارا مجمع واہ واہ کر رہا ہو اور سارا مجمع چُپ بیٹھا ہو تو دونوں بیانات میں آپ فرق محسوس کرتے ہیں تو میں کیا کہوں گا؟ کچھ کہوں یا نہ کہوں جواب سب کو معلوم ہے۔ اسی کو کہتے ہیں انسانی فطرت۔ انسانی فطرت کی کمزوری یہ ہے کہ سب واہ واہ کرنے لگے۔ آدمی کو معلوم ہوتا ہے میں نے کوئی اونچی بات کہی ہے اور اگر چُپ ہو گئے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں مگر وہ مزہ نہیں آتا بات کہنے میں جو مزہ اس وقت آتا ہے۔ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے۔ وہی جو ہم سب کا حال ہے بلا استثنا اور اگر کوئی اپنے کو اس سے الگ کہتا ہے تو یہ بھی غلط کہتا ہے واقعاً غلط کہتا ہے سب میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے۔ اُس نے صاف صاف آکر سرکار دو عالمؐ سے کہہ دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ پروردگار کی نگاہ میں ایسے عمل کی کوئی حیثیت ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو کوئی اور راستہ اختیار کیا جائے۔ اور خدا کو یہ پسند ہے تو کیا کہنا بندے بھی پسند کریں خدا بھی پسند کر لے۔ دوہرا فائدہ ہو جائے۔

تو حضور فرمائیے کہ جب میرے اعمال کا ذکر کیا جاتا ہے لوگ کہتے ہیں فلاں آدمی ماشاء اللہ بہترین قرآن پڑھتا ہے، فلاں آدمی بہترین نماز پڑھتا ہے بہترین روزہ رکھتا ہے تو یہ اندر سے اچھا لگتا ہے۔ فرمائیے میرے عمل میں کوئی کمزوری

تو نہیں پیدا ہوگئی ۔ میرے عمل میں کوئی عیب تو نہیں پیدا ہوگیا۔ اُدھر سے وحی پروردگار آئی، میرے حبیب! آپ یہ پیغام پہونچادیجئے کہ اگر مجھے منھ دکھلانے کا ارادہ ہو، اگر قیامت میں میری بارگاہ میں آنے کا خیال ہو تو وہ نیک عمل کرنا جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہونے پائے۔ اگر بندوں کی تعریف کا خیال بھی پیدا ہوگیا تو میں ایسے عمل کے ساتھ کسی بندے سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لئے ہمارے یہاں روایات میں ریاکاری کو شرک کہا گیا ہے۔ اگر کوئی آدمی لوگوں کو خوش کرنے کے لئے، لوگوں کو دکھلانے کے لئے عمل انجام دے تو یہ بظاہر مسلمان ہوگا لیکن واقعاً مشرک ہوگا۔

اور میں نے آج ہی مطالعہ کے دوران ایک حدیث دیکھی، واقعہ یہ ہے کہ معصوم سے بہتر اللہ کی مرضی کی ترجمانی کون کرسکتا ہے اور اللہ سے بہتر اپنے بندوں کو کون سمجھا سکتا ہے۔ نہ میرے پاس وہ لہجہ ہے نہ آپ کے پاس وہ زبان ہے، جیسے پروردگار عالم اپنے بندوں کو سمجھا سکتا ہے اور جیسے معصومینؑ اس کی رضا کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بس اسی آخری فقرہ پر نگاہ رکھئے گا۔ جب پروردگار عالم نے ان بندوں کے بارے میں ذکر کیا جو اپنے اعمال میں ریاکاری سے کام لیتے ہیں، یعنی عمل کرتے ہیں وہ جو خدا نے کہا۔ مگر خیال بندوں کا بھی رہتا ہے، یہ بھی تعریف کریں یہ بھی خوش ہوجائیں انھیں بھی معلوم ہوجائے میں کچھ کرتا ہوں یعنی لوگوں کا خیال بھی درمیان میں آگیا۔ گویا معاملہ ہوگیا مشترک، جس کو ہماری عام زبان میں کہا جاتا ہے.

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنّت نہ گئی

اگر دونوں کام ہوجائیں کہ خدا بھی خوش ہوجائے اور بندے بھی خوش ہوجائیں اور نتیجہ میں ہم بھی خوش ہوجائیں۔ اگر ایسا ہوجائے کہ کسی بندے کے عمل میں دونوں

نہیں ہیں۔ نماز خدا کی، مگر بندوں کو بھی خوش کرنا ہے۔ روزہ خدا کا، مگر بندوں کی بھی تعریف لینا ہے۔ اگر کسی کی نیت میں یہ اشتراک پیدا ہو جائے، مشترک قسم کی نیت ہو تو اس کا حشر کیا ہو گا؟۔ اصل لفظ کو عرض کرنے سے پہلے یہ دو جملے اس لئے گذارش کرنا چاہتا ہوں تا کہ جہاں جہاں یہ آواز پہونچ رہی ہے سب کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ پروردگار نے اپنے بندوں کو سمجھانا چاہا ہے۔ مالک نے کہا کہ اگر میرا کوئی بندہ کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس میں میرا بھی خیال ہوتا ہے۔ اور کسی اور کا بھی خیال ہوتا ہے یعنی عمل ہوتا ہے مشترک میرے واسطے بھی، اور کسی اور کے واسطے بھی، تو میں اپنے شریک پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ قربان جائیے اس بلاغت الٰہی کے۔ اگر کسی نے عمل کیا میرے واسطے بھی، کسی اور کے واسطے بھی یعنی عمل میں دونوں کو شریک کیا تو میں اپنے شریک پر ظلم نہیں کرنا چاہتا وہ اور شریک ہوتے ہیں کہ چاہتے ہیں سارا حصہ خود ہی لے لیں دوسرے کو کچھ نہ ملے۔ میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں یہ کرتا ہوں کہ جب کوئی اپنے عمل میں مجھے اور کسی اور کو شریک کرتا ہے، تو میں اپنے شریک کو اتنا آگے بڑھا دیتا ہوں کہ سارا عمل اسی کے حوالے کر دیتا ہوں یعنی العیاذ باللہ اگر ہم نے دو رکعت نماز پڑھی، خدا بھی ہمارے ذہن میں ہے اور ایک عدد بندۂ خدا بھی ہمارے ذہن میں ہے۔ خدا کہتا ہے چونکہ دونوں کے واسطے کام کیا تو تم اگر ہوتے تو ساری نماز اپنی طرف کھینچ لیتے اور اپنے شریک کو کچھ نہ دیتے۔ مگر یہ میری مہربانی ہے کہ میں ساری نماز اسی کے حوالے کر دیتا ہوں جس کے لئے تم نے کیا تھا۔ اب جو میدان حشر میں بندہ آیا اور اس نے کہا مالک میں نے نماز پڑھی تھی۔ مالک نے کہا مجھے تو معلوم ہے کچھ میرا خیال تھا کچھ فلاں صاحب کا خیال تھا۔ میں نہیں چاہتا ہوں

کہ ان پر کوئی زیادتی ہو، میں ساری نماز انھیں کو دئیے دیتا ہوں جو اُن کے پاس ہو تو جا کے لے لو۔ (غور کیا آپ نے) جو اُن کے پاس ہو جنّت کوثر جو اُن کے پاس ہو جاؤ جا کے لے لو۔ اب بندہ وہاں آواز دے گا خدایا! ان کے پاس کیا ہے، ان کے پاس کیا ہے جو ان سے لے لیا جائے؟ کہا اب یہاں آ کے سمجھ میں آیا ہے کہ ان کے پاس کیا ہے؟ عمل کرتے وقت کیوں نہیں سوچا تھا۔ وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا اور خبردار عبادت میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، ورنہ خدا شریک ہی کے حوالے کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منزل بندگی میں بھی اگر کسی نے غیر خدا کو نظر میں رکھا تو مالک اسی کے حوالے کر دے گا۔ مگر جو خدا ہی کا ہو گیا۔ اب تو پروردگار یہ جانتا ہے کہ اس کی نظر میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے، تو اس کا اجر بھی میرے ذمّہ ہو گا، اس کا معاوضہ بھی میرے ذمہ ہو گا۔ اب تو ساری ذمّہ داری میری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات میں سب سے اونچا عمل وہ دکھائی دیا جہاں عمل کرنے والا کسی اور کو نگاہ میں کیا رکھتا سب کو قربان کر کے عمل کیا۔

ـــــ صلوات ـــــ

بس ارباب کرم میں اپنے بیان کو آخری منزل تک لے آیا اور اسی مقام پر اپنے بیان کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ذرا عمل کی عظمت تو سوچیں۔ ہم چاہتے ہیں کوئی ایک کام ایسا ہو جائے کہ خدا بھی خوش رہے گھر کے بچّے بھی خوش ہو جائیں۔ خدا بھی خوش رہے گھر والے بھی خوش ہو جائیں۔ خدا بھی خوش رہے چاہنے والے بھی خوش ہو جائیں۔ مگر ایک ایسا بندہ بھی تھا جو خدا کی راہِ اخلاص پہ جب چلا اپنے مالک کی بندگی کرنے کے لئے اور مالک کے سامنے سر نیاز جھکانے کے واسطے،

و کوئی اور شریک محبت کیا ہوتا، کوئی اور اس کے عمل میں شریک عمل کیا ہوتا، وہ تو
منزل عمل میں چلا ہے ایک ایک کو قربان کرتا ہوا۔ تم چاہتے ہو خدا بھی رہے اور دوست
احباب بھی رہیں۔ میں دوست احباب کو قربان کر کے آگے بڑھوں گا۔ تم چاہتے
ہو عمل میں خدا بھی رہے، اولاد بھی رہے۔ میں اولاد کو قربان کر کے مالک کی بارگاہ
میں جا رہا ہوں۔ ساری دنیا کو چھوڑ کے اب بندہ چلا ہے خدا کی راہ میں اور آواز
دیتا جا رہا ہے تَرَكْتُ الْخَلْقَ طُرًّا فِي هَوَاكَ اے پروردگار میں نے تیری
محبت میں ساری دنیا کو چھوڑ دیا ہے، وَاَيْتَمْتُ الْعِيَالَ لِكَيْ اَرَاكَ اور تیری بارگاہ
میں آنے کے لیے بچّوں کی یتیمی بھی برداشت کرلی۔ اس شان سے اک راہ محبتِ پروردگار
پر چلنے والا انسان اپنے وطن سے برآمد ہو رہا ہے، کیا کیا چھوڑا؟ کہنے میں تو خالی
ایک لفظ آتا ہے کہ حسینؑ نے تو مدینہ چھوڑ دیا۔ مگر مدینہ چھوڑا، اس کا مطلب یہ ہے
کہ نانا کی قبر چھوڑی۔ مدینہ چھوڑا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بھائی کی لحد چھوڑی۔
مدینہ چھوڑا، یعنی ماں سے بیٹا رخصت ہوا۔ سب کو چھوڑ کے اب حسینؑ چل رہے ہیں
اس راہ میں جو قربانی کا واقعی راستہ ہے، جہاں حسینؑ کو صحرائے کربلا میں، عصر کے
ہنگام ایک آخری سجدہ کرنا ہے۔ اس سجدہ کے لئے اتنا بڑا انتظام، اتنی بڑی قربانی،
اکیلے حسینؑ خدا کی بارگاہ میں جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے جس نے یہ قربانی دی ہے اس کی
عظمت کو وہی پہچانتا ہے۔

جب یہ طے ہو گیا کہ مدینۂ رسولؐ رہنے کے قابل نہیں، جب یہ طے ہو گیا کہ
اب یہ مدینہ رہنے کے لائق نہیں ہے اور حسینؑ نے فیصلہ کر لیا کہ اب مدینہ چھوڑ کے
جانا ہے، آئے دربار ولید سے پلٹ کے۔ اور آ کے کہا بہن، اب سفر کی تیاری کرو۔

کہا بھیّا خیر تو ہے؟ کہا مجھے دربار میں بُلایا گیا تھا۔ جب میں دربار میں گیا تو میرے سامنے حاکم کے مرنے کی اطلاع دی گئی، اور یہ کہا گیا کہ اب جو حاکم تخت پر بیٹھا ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ بہن تم تو جانتی ہو کہ میں بیعت نہیں کر سکتا، میں باطل کے سامنے سر نہیں جُھکا سکتا، اور اب یہ طے ہو گیا کہ مدینۂ رسولؐ رہنے کے لائق نہیں ہے لہٰذا مجھے وطن چھوڑنا ہے تیاری کرو۔ ادھر بہن سفر کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ادھر حسینؑ آئے نانا کی قبر پر۔ قبرِ اقدس سے لپٹ کے رونے لگے۔ روایت کہتی ہے روتے روتے اتنا روئے کہ آنکھیں بند ہو گئیں۔ ایک مرتبہ دیکھا جیسے قبر کھل رہی ہے۔ پیغمبرؐ سامنے آ رہے ہیں۔ نواسے نے نانا کو دیکھا، آواز دی نانا، آپ تو جانتے ہیں اب یہ مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہ گیا، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مجھے اپنے سینے سے لگا لیں۔ نانا کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے اپنے پاس بُلا لیجئے۔ آواز آئی حسینؑ! اگر میں تم کو اپنے پاس بُلا لوں تو بیٹا کربلا کون جائے گا؟ میرے لال دین کی راہ میں قربانی کون پیش کرے گا۔ لہٰذا حسینؑ تمہیں کربلا جانا ہے۔ آنکھ کُھل گئی امام حسینؑ اٹھے نانا کی قبر سے رخصت ہوئے، آئے بھائی کی قبر پر۔ بھائی کو سلام آخر کیا۔ یہاں تک کہ مادرِ گرامی کی لحد کے پاس آ کے بیٹھ گئے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ یَا اُمَّاہُ مادرِ گرامی اپنے لعل کا سلام لے لیجئے، اب آپ کا لعل آپ سے رخصت ہونے کے لئے آیا ہے۔ یہ مدینہ اب رہنے کے لائق نہیں رہ گیا ہے۔ حسینؑ قبر فاطمہؑ سے لپٹ کر رو رہے ہیں، فریاد کر رہے ہیں اماں! آپ کی قبر پر شمع جلانے والا، اب آپ کی قبر چھوڑ کر جا رہا ہے ـــــ یہ کہہ کے سلام آخر کر کے اٹھے۔ روایت کہتی ہے جیسے ہی حسین اٹھے قبر زہراؑ سے آواز آئی

عَلَیْکَ السَّلَامُ میرے لال حسینؑ تم جارہے ہو تو ماں کا بھی آخری سلام لے لو۔ اے ماں کے غریب و مظلوم مسافر، ماں کا آخری سلام لے لے۔ مگر حسینؑ جہاں تم جاؤ گے اکیلے نہ رہو گے۔ یہ ماں تمھارے ساتھ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ روایتوں نے بتایا کبھی شب عاشور فاطمہؑ کے رونے کی آواز آئی، کبھی راہ شام میں زہراؑ کا گریہ سنائی دیا، کبھی قید خانۂ شام کی پشت پر کوئی ماں وَاحُسَیْنَاہُ، وَاحُسَیْنَاہُ کی آوازیں بلند کررہی ہے۔ مگر بس رونے والو ایک فقرہ اور مجلس تمام ہورہی ہے۔

آج حسینؑ بھرے گھر کے ساتھ جارہے ہیں، اور یہ کہہ کے جارہے ہیں کہ نانا اب یہ مدینہ رہنے کے لائق نہیں ہے۔ اے میرے مولا! جب آپ نے یہ کہا کہ مدینہ رہنے کے لائق نہیں ہے، تو بھرا گھرانہ لے کے نکلے۔ مگر جب آپ کی بہن پلٹ کے آئی تو جناب ام کلثومؑ کا نوحہ بھی یہی تھا اے نانا کے مدینے، ہمارے آنے کو قبول نہ کرنا۔ اب یہ مدینہ وہ مدینہ نہ رہا۔ مگر فرق یہ ہوگیا کہ کل جب گئے تھے تو سارا گھر ہمارے ساتھ تھا۔ اب جب پلٹ کر آئے تو سروں پر نہ وارثوں کے سائے، نہ گودیوں میں بچے، سب صحرائے کربلا میں رہ گئے ہم بھرا گھر لٹا کر آئے، اور ایک مرتبہ کل بھائی آیا تھا نانا کی قبر پر آج بہن آرہی ہے نانا کی قبر پر۔ آکر آواز دی نانا اِنِّیْ نَاعِیَۃٌ اِلَیْکَ اَخِیْ الحسینؑ میں اپنے بھیّا حسینؑ کی خبر لے کے آئی ہوں۔ میں اپنے بھیّا حسینؑ کی سنانی لے کے آئی ہوں۔ یہ کہہ کے زینبؑ نے مرثیہ شروع کیا اور آخر میں کہا نانا ہم پر کیا گذر گئی۔ اگر یہاں نامحرموں کا مجمع نہ ہوتا تو میں بتاتی کہ کتنے تازیانے کھائے اور بازوؤں میں کیسے رسّیاں باندھی گئیں۔ کربلا سے شام تک آپ کا لال ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

مجلس ۲

ضرورتِ توحید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا۔ (صلوات)

"پیغمبرؐ! آپ کہہ دیں کہ میں تم جیسا ایک انسان ہوں، مگر میری طرف پروردگار کی طرف سے مسلسل وحی نازل ہوتی ہے کہ تمھارا مالک، تمھارا پروردگار، فقط ایک ہے۔ جو اس بات کا امیدوار ہے کہ اپنے مالک سے ملاقات کرے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"۔

سورۂ مبارکہ کہف کی یہ آیۂ کریمہ جس سے چودہ سو اکیس (۱۴۲۱) ہجری کے عشرۂ محرم کی مجالس کا آغاز ہو رہا ہے اور جس کا عنوان ہے التوحید فی الاسلام۔

صلوات

سب سے بڑا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور عقائد میں توحید پروردگار کی جگہ کہاں ہے؟ اتنی سی بات بچّوں نے بھی پڑھی ہے اور انھیں یاد ہے کہ اسلامی

عقائد اور اسلام کے بنیادی اصول کا جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے ذکر آتا ہے توحید پروردگار کا۔ اسلام کے بنیادی عقائد تین ہوں یا پانچ، لیکن بہرحال سارے بنیادی عقائد کی بنیاد ہے توحید پروردگار۔ اس لئے انسان مسئلہ توحید کی عظمتوں سے انکار نہیں کرسکتا ہے۔

اور حقیقت امر یہ ہے کہ اسلام کے جتنے تعلیمات اور جتنے مسائل ہیں سب کا مرکز اور محور ہے عقیدۂ توحید پروردگار۔ یہ پوری کائنات اسی ایک مالک کی بنائی ہوئی ہے، یہ ساری دنیا اسی کے ارادے کے اشاروں پر چل رہی ہے۔ کون سی چیز ہے جو مالک سے بے نیاز ہو جائے۔ اور کون سی مخلوق ہے جس کو خالق کے مقابلہ میں رکھا جائے۔ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ مذہب کے جتنے بھی مقدسات ہیں ان سب کے تقدّس کی بنیاد یہ ہے کہ ان کی نسبت پروردگار کی طرف ہے۔ اگر ہم نے سرکار دو عالمؐ کا کلمہ پڑھا تو یہ کہہ کے پڑھا کہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ پیغمبرؐ کی عظمت یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اگر ہم نے کسی ولی خدا کی ولایت کا اقرار کیا تو اس بنیاد پر کہ وہ ولی اللہ ہے، اس کی نسبت پروردگار کی طرف ہے۔ اگر ہم نے کسی کتاب کو آنکھوں سے لگانے کے قابل سمجھا ہے تو اس لئے کہ کتاب کتاب اللہ ہے۔ اگر ہم نے کسی گھر کو قابلِ طواف سمجھا ہے تو اس لئے کہ بیت بیت اللہ ہے۔ سب کی نسبتیں اسی مالک کی طرف ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی نسبت خالق کی طرف ہے وہ قابل احترام ہے، جو خود ہی اپنی نسبت مخلوقات کی طرف کرلے اس کا احترام ہی کس بنیاد پر کیا جائے گا۔ (صلوات)

توحید پروردگار ہمارے جملہ عقائد اور ہمارے جملہ معاملات و مسائل کا محور اور مرکز ہے، اس لئے اگر کسی انسان نے توحید پروردگار کو نہیں پہچانا تو اس نے دین و مذہب کی حقیقت کو نہیں پہچانا، اور آج عالم اسلام کی کمزوریوں میں سے ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہر مسلمان برائے نام مسلمان بھی ہے اور توحید پروردگار کا قائل بھی ہے۔ مگر توحید کی حقیقت کیا ہے؟ توحید کے معنی کیا ہیں؟ توحید کا مفہوم کیا ہے؟ کتنے مسلمان ہیں جو اس مفہوم اور اس حقیقت سے آشنا ہوں گے؟ اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اکثریت شاید ایسے مسلمانوں کی ہے جو توحید کے مضمون اور مفہوم کو بھی نہیں جانتے ہیں۔ جو توحید ہی کو نہیں پہچانتا وہ رسالت کو کیا پہچانے گا۔ جو رسالت کو نہیں پہچانے گا وہ اسلام کے باقی معاملات کو کیا پہچانے گا۔

صلوات

اگر آپ توحید پروردگار کی عظمت کو پہچاننا چاہتے ہیں تو نہج البلاغہ میں پہلا ہی خطبہ مولائے کائنات کا اسی سے شروع ہوتا ہے، اور علیؑ سے بہتر اس دنیائے انسانیت میں نہ کسی نے خدا کو پہچانا ہے نہ کسی نے پہچنوایا ہے۔ سرکار دو عالمؐ کے بعد اگر کوئی انسان ایسا پیدا ہوا ہے، جس نے اپنے مالک کو پہچانا ہے اور ساری دنیا کو درسِ معرفت دیا ہے تو وہ سوائے مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کے کوئی اور نہیں۔ یہ میں اپنے عقیدہ اور عقیدت کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ساری دنیا میں جتنی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں، چاہے وہ عالم اسلام کے اندر رہوں یا عالم اسلام کے باہر ہوں سب کے اقوال موجود ہیں، سب کے فرمودات موجود ہیں، سب کے فرامین محفوظ ہیں سب کو

پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کس نے اپنے خدا کو کتنا پہچانا ہے اور کس نے اپنی امت کے حوالے کون سا درس کیا ہے؟ کون سی تعلیم امت کے حوالے کی ہے، ساری باتیں محفوظ ہیں۔ سب کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح علیؑ نے خدا کو پہچانا اور پہچنوایا اس طرح امت اسلامیہ میں نہ کوئی خدا کو پہچاننے والا پیدا ہوا اور نہ پہچنوانے والا پیدا ہوا ہے۔

مولائے کائنات نے جب دین کی تعریف کی تو فرمایا اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ دین کا آغاز ہوتا ہے معرفت پروردگار سے۔ اگر میں گستاخی نہ کروں اور اسے گستاخی نہ سمجھا جائے، تو مجھے ایک لفظ کہنا ہے۔ وہ یہ کہ جب دین کا آغاز ہی ہوتا ہے معرفتِ خدا سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے خدا کو نہیں پہچانا تو ابھی سرحدِ دین میں قدم بھی نہیں رکھا۔ دیندار ہونا تو بہت بعد کا مسئلہ ہے پابند دین ہونا تو بعد کا مسئلہ ہے ابھی تو ان سرحدوں میں قدم بھی نہیں رکھا ہے کہ جہاں سے دین کا آغاز ہوتا ہے اَوَّلُ الدِّیْنِ دین کا آغاز ہے، مَعْرِفَتُہٗ معرفت پروردگار۔ وَکَمَالُ مَعْرِفَتِہٖ اَلتَّصْدِیْقُ بِہٖ کمال معرفت تصور نہیں ہے، کمال معرفت تصدیق ہے۔ اگر آپ اس جملے کی بلاغت پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا۔ تصوّرِ خدا تو ہر قوم میں پایا جاتا ہے، تصوّرِ الٰہ تو ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خود قرآن مجید نے کہا "لَئِنْ سَأَلْتَھُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ"۔ ان کافروں سے بھی اگر پوچھو کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو فوراً کہیں گے اللہ! اس لئے کہ اس سوال کا کوئی جواب سوائے لفظ "اللہ" کے نہیں ہے۔ سوائے ذات واجب کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کائنات کا بنانے والا کون

ہے؟ ارض و سما کا خالق کون ہے؟ مجبور ہو کے انسان کہے گا اللہ۔ تو تصورِ خدا تو ہر قوم میں ہے۔ تصورِ خدا ہر صاحب فکر انسان کی فکر کے اندر پایا جاتا ہے، لیکن اس تصور سے کوئی صاحب معرفت نہیں ہوتا۔ معرفت کا کمال ہے تصدیق۔ یعنی جو کہا ہے وہی مانو۔ جو بات زبان پر آئی ہے، جو خیال فکر میں آیا ہے اسے دل و دماغ میں جگہ دو، تصدیق کرو۔ وَکَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِہٖ تَوْحِیْدُہٗ اور تصدیق کا کمال ہی یہ ہے کہ اسے ایک مانا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے ذہن میں دو چار خداؤں کا تصور پایا جاتا ہے تو یہ منزل تصدیق پر نہیں آیا۔ جو منزل تصدیق میں نہیں آیا وہ منزل کمال معرفت پہ نہیں آیا۔ جو منزل کمال معرفت پہ نہیں آیا اس نے دین کی سرحدوں میں قدم ہی نہیں رکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد اور دین کی بنیادی تعلیم ہے توحیدِ پروردگار!

صلوات

اس مقام پر ایک لفظ مجھے اس لئے گذارش کرنا ہے تاکہ میرے محترم سامعین اور جہاں تک میری آواز پہونچ سکتی ہے اس نکتہ کو پہچانیں کہ ہم نے مجالس عشرۂ محرم کے لئے بنیاد، توحید پروردگار کیوں قرار دیا ہے۔ آج دنیا کے کسی مسلمان سے پوچھیں یا جو اسلام کے بارے میں کوئی اطلاع رکھتا ہے اگر اس سے پوچھیں تمہارے مسلمان ہونے کی پہچان کیا ہے؟ تمہارے عقیدۂ توحید کی پہچان کیا ہے؟ تو ہر مسلمان کے پاس عقیدۂ توحید کی شناخت کے لئے کلمہ ہے جس کا نام ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے پاس جو توحید کا عقیدہ پایا جاتا ہے، اس کے دو۲ حصّے ہیں: ایک حصّے کا نام ہے لا الٰہ اور ایک

حصّے کا نام ہے اِلَّا اللہُ یعنی کوئی انسان اگر ایسا ہو جائے جو خدا کو مانتا ہو مگر باطل خداؤں کو ٹھکرانے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو وہ صاحب توحید نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ایسا پیدا ہو جائے جو باطل خداؤں کو ٹھکرانے کا حوصلہ تو رکھتا ہے مگر خدائے برحق کے سامنے سر نہیں جھکاتا یہ بھی موحّد نہیں کہا جا سکتا۔ توحید اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب باطل کو ٹھکرایا بھی جائے اور حق کے سامنے سر جھکایا بھی جائے۔ اگر اس نکتہ کو ذہن میں رکھیں تو پہچانیں گے کہ واقعۂ کربلا کی کل بنیاد ہے توحید پروردگار۔

صاحبانِ فضل، صاحبانِ نظر، اہل ادب سبھی تشریف فرما ہیں، توحید پروردگار تو بنیاد ہے پورے واقعۂ کربلا کی اس لئے کہ واقعۂ کربلا شروع ہوتا ہے انکار بیعت سے، اور واقعۂ کربلا تمام ہوتا ہے سجدۂ آخر پر۔ انکار بیعت ہے لَا اِلٰہَ، سجدۂ آخر ہے اِلَّا اللہُ۔ زبانی طور پر توحید کا اقرار کرنے والے، زبانی طور پر توحید کا کلمہ پڑھنے والے تو کروڑوں انسان ہر دَور میں ملے لیکن عملی طور پر انسان توحید کے عقیدہ کو اپنی زندگی میں مجسم کر دے ایسے انسان کہاں ملے۔ اگر ملے تو کربلا کے میدان میں ملے۔ لَا اِلٰہَ پہلا حصّہ ہے اِلَّا اللہُ دوسرا جزء ہے۔ شاید یہی راز رہا ہو کہ امام حسینؑ کے اقدام کے پہلے حصّہ کو دیکھا خواجۂ اجمیرؒ نے تو کہا "حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ"۔ یہ حسینؑ کے اقدام کا پہلا حصّہ، اور آخری حصّہ کو دیکھا علامۂ اقبالؒ نے تو کہا "نقش الا اللہ بر صحرا نوشت"۔ (صلوات)

امام حسینؑ جب مدینے سے اٹھے، انکار بیعت کر کے اٹھے اُس دن حسینؑ بنیاد لا الٰہ تھے اور جب کربلا کی خاک پر سر رکھ دیا تو حسینؑ کربلا کی خاک پر نقش گر ہو گئے۔ اب نقش اِلَّا اللہُ اگر دیکھنا ہے تو سجدۂ حسینؑ میں نظر آئے گا۔ کوئی ایسا

سجدہ تلاش کرو کہ اسے اِلَّا اللہُ کا نقّاش کہا جائے۔ اور اگر کوئی نہیں ہے تو اسی کے نقش قدم پر سر جُھکا دو یہی کمال کردار ہے۔ (صلوات)

ساری دنیا کو ٹھکرا کر مالک کے سامنے سر جُھکانے کا جو منظر حسین ابن علیؑ نے پیش کیا ہے ایسا منظر دنیا میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، حسینؑ نے عقیدۂ توحید کو مجسم بنا دیا۔ لَا اِلٰہَ کا حوصلہ ہو تو میرا جیسا ہو۔ اِلَّا اللہُ کا حوصلہ ہو تو میرا جیسا ہو۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے کہ خاک کربلا پر سر رکھ کے گویا اِلَّا اللہُ کا نقش ابھار دیا۔ توجہ کریں۔ پروردگار نے بھی اس کی جزا دے دی اگر تو نے پیشانی خاک پر رکھ کے اِلَّا اللہُ کا نقش اُبھار دیا تو تو سہی تیری خاک کو سجدہ گاہ بنا دیا جائے۔ (صلوات)

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ توحید پروردگار اسلام کا بنیادی عقیدہ بھی ہے اور توحید پروردگار کا ثابت کرنا اور توحید پروردگار کا مجسم کر دینا اپنے کردار میں یہی بنیاد واقعۂ کربلا بھی ہے۔

صلوات

آج مختصر لفظوں میں اس توحید کے مفہوم کے بارے میں گذارش کرنا ہے۔ توحید کے معنی کیا ہیں؟ یہ لفظ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے عام معنی الگ ہیں اور جو معنی ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں ہیں وہ اس سے قدرے مختلف ہیں۔

عربی زبان میں یہ وزن جب بھی استعمال ہوتا ہے، یا ایسے الفاظ جب بھی استعمال ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کوئی عمل انجام دینا مثلاً ایک چیز آپ کے ہاتھ میں ہے آپ چاہتے ہیں اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو

اس کے لئے یہی وزن استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے اس کی تقطیع کر دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ ادب جانتے ہیں کہ جب کسی شعر کے وزن کو پہچاننا ہوتا ہے تو اس کی تقطیع کی جاتی ہے کہ یہ ٹکڑا کس وزن پر ہے، یہ ٹکڑے کس وزن پر ہیں۔ اس کو کہا جاتا ہے تقطیع یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ اور ایسے جتنے الفاظ استعمال ہوتے جائیں گے جب کوئی عمل انجام دیا جائے گا اور ایسے انجام دیا جائے گا کہ عمل میں شدّت پائی جاتی ہو تو یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

مگر عزیزو، تقطیع کے معنی ٹکڑے کر دینے کے ہیں۔ تقتیل کے معنی قتل کر دینا، بیدردی کے ساتھ مار دینا۔ مگر توحید کے معنی خدا کو ایک بنا دینا نہیں ہے۔ توجہ فرما رہے ہیں؟ ایسا نہیں ہے کہ توحید خدا کے معنی یہ ہیں کہ خدا تھے تو بہت مگر ہم نے سب کو جمع کر کے ایک بنا دیا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ نہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے خداؤں کو ایک بنا دیا گیا، نہ تثلیث کے معنی یہ ہیں کہ ایک خدا کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا۔

تو آخر یہ لفظ توحید جو ہمارے یہاں استعمال ہوتا ہے اس توحید کے معنی کیا ہیں؟ جب ہم آپس میں استعمال کرتے ہیں، ہمارا مقصد ہے عالم اسلام میں توحیدِ کلمہ۔ یعنی مسلمانوں کی بات ایک ہو جائے۔ تو جب انسان اٹھتا ہے اصلاحِ امت کے لئے اور یہ چاہتا ہے کہ سارے مسلمانوں کو ایک کلمہ پر متحد کیا جائے تو کہتا ہے ہم چاہتے ہیں توحیدِ کلمہ، یعنی سب کی بات کو ایک بنایا جائے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ توحید کے معنی ایک بنانے کے ہیں، لیکن پروردگار کے لئے جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہاں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ توحید کے معنی ہیں خداؤں کو ملا کے ایک

بنا دینا یا جو ہم تکبیر کی آواز بلند کرتے ہیں تو عربی زبان میں تکبیر کے معنی ہیں بڑا بنا دینا۔ لیکن جب خدا کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بندے نے خدا کو بڑا بنا دیا ہے۔ غور کیا آپ نے نہ ہم نے توحید میں اس کو ایک بنایا ہے نہ ہم نے تکبیر میں اس کو بڑا بنایا ہے نہ ہم نے تسبیح میں اس کو پاکیزہ بنایا ہے حالانکہ سارے الفاظ اسی وزن میں استعمال ہو رہے ہیں۔ نہ تحمید میں ہم نے اس کو قابل حمد بنایا ہے نہ تہلیل میں اس کو اکیلا بنایا ہے۔ ہم نے کچھ نہیں بنایا جیسا تھا ویسا اعلان کیا ہے۔

توجہ فرمائی آپ نے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ توحید جب بندوں میں استعمال ہوا تو جھگڑوں کو مٹا کے ایک بنایا تو توحید کہا گیا۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کے لئے استعمال ہوا تو ہم نے خدا کو ایک بنایا نہیں وہ ایک تھا اس کی وحدانیت کا اعلان کیا، توجہ کریں وہ بڑا تھا تکبیر میں اس کی بزرگی کا اعلان کیا، وہ پاکیزہ تھا تسبیح میں اس کی پاکیزگی کا اعلان کیا، وہ قابلِ حمد تھا تحمید میں اس کے قابلِ حمد ہونے کا اعلان کیا، وہ اکیلا تھا تہلیل میں اس کے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہونے کا اعلان کیا۔ توجہ کی آپ نے؟۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی لفظ کام کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو کبھی اعلان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی اس کا اظہار کر دیا جائے اتنا ہی کافی ہے۔

صلوات

ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے مل کر خدا کا گھر بنایا۔ "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ"۔ پیغمبرؐ! اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل مل کر

انہ خدا کی دیواریں بلند کر رہے تھے۔ بنانے والا کون؟ یہ بھی نبی خدا، وہ بھی
ی خدا۔ یہ بھی معصوم، وہ بھی معصوم۔ اگر تیسرا کوئی ہاتھ لگا ہے بطور امداد تو وہ
بریل امینؑ کا، وہ بھی معصوم۔ تین معصوموں کے ہاتھ کا بنایا ہوا مکان۔ اور
روردگار کہتا ہے "وَعَهِدْنَا اِلَىٰ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ" ہم نے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ
سے یہ عہد لیا کہ گھر تو بن گیا ہے اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ اب میرے گھر کو پاک بناؤ۔
جہ کریں۔ اب میرے گھر کو پاک بناؤ۔ تو اگر اس تطہیر کے معنی پاک بنانے کے
یں تو نجاست آئی کدھر سے؟ خلیل خدا کے ہاتھوں سے معاذاللہ آئی، ذبیح اللہ
کے ہاتھوں سے آئی، جبریل امین کی طرف سے آئی، یہ تطہیر کیا ہے؟
اب مسلمان سوچ رہا ہے تطہیر بیت کے معنی کیا ہیں؟ ابراہیم کیا پاک کرنے
لے ہیں، یہ گھر تو پہلے ہی سے پاک و پاکیزہ ہے۔ توجہ کیا آپ نے؟ مگر جب توحید
پہچان لیا تو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ سب کا مرکز وہی توحید
ے، جب توحید کو پہچان لیا تو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ جیسے توحید دو چار کو ایک بنانا
یں ہے اس کی حقیقتِ وحدانیت کا اعلان کرنا ہے۔ ویسے خلیل خدا جو تم نے بنایا
نجس اور ناپاک نہیں ہے۔ اب تطہیر کے معنی نجس کو پاک بنانا نہیں ہے، اب
ہیر اس کی پاکیزگی کا اعلان ہے۔ عجیب بات ہے جب بیت کے بارے میں یہ لفظ
تو سب کی سمجھ میں آیا۔ اور جب اہلِ بیت کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا
کہنے لگے پاک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے۔ توجہ کی آپ نے۔ اگر پہلے سوچنا
، تو پہلے وہاں سوچو جہاں یہ ذکر آیا ہے اور یہ بھی پروردگار کی مصلحت دیکھئے کہ
ں کی طہارت کا اعلان کیا تھا ان کے لئے کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔ توجہ کریں۔ آلِ محمدؐ

بھی کہہ سکتا تھا، بنی ہاشم بھی کہہ سکتا تھا، کوئی لفظ استعمال کر سکتا تھا۔ مگر لفظ منتخب کیا اھل البیتؑ تاکہ جو بیت کی طہارت کو پہچان لے گا وہی اہلِ بیت کی طہارت کو پہچانے گا۔ (صلوات)

وحدانیتِ پروردگار کا اقرار اعتراف، اعلان یہی ہمارا عقیدۂ توحید ہے۔ پروردگار کی کبریائی اور بزرگی کا اعلان اور اقرار یہی ہماری تکبیر ہے، اس کے علاوہ ہم کیا بنا سکتے ہیں۔ ہم خود کیا، ہماری حقیقت کیا، ہماری اوقات کیا؟ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس توحید کو ویسے ہی پہچانا جائے جیسے پروردگارِ عالم نے خود اپنی وحدانیت کو پہچنوایا ہے۔ پہلے دن جب مالک کی طرف سے اعلان ہوا اپنی وحدانیت کے اعلان کے لئے تو پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پیغمبر آپ اعلان کیجئے وہ اللہ اَحَدٌ ہے، ایک ہے۔ مگر کیسا ایک ہے جس کو اَحَدٌ کہا جائے۔ تھوڑی دیر آپ اپنے ذہنوں کو میرے ساتھ رکھیں گے چاہے بات عام حالات سے اجنبی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اسی کا پہچاننا تو اصل ہنر ہے اس لئے کہ توحید ہی ہمارے سارے عقائد کی بنیاد ہے جس کو ہم ایک کہتے ہیں۔ وہ ایک بھی کتنے قسم کے ایک ہوتے ہیں۔ خالی یہ نہیں کہ آپ نے جس کو ایک کہہ دیا وہ ایک اور اس کے معنی بھی ایک۔ نہیں ایسا نہیں ہے ایک کی قسمیں ہوتی ہیں۔

—— صلوات ——

ایک اسے بھی کہا جاتا ہے جو دو سے ملا کے ایک بنایا جائے۔ آپ کسی کے یہاں صبح کے وقت گئے، کہا آئیے تشریف لائیے۔ آپ بیٹھ گئے۔ انھوں نے آپ

کو ایک پیالی چائے پلائی۔ آپ پی کے باہر نکل آئے۔ جیسے ہی باہر ملاقات ہوئی
ہم نے کہا ماشاء اللہ آجکل صبح سویرے آپ کے حالات بہت اچھے چل رہے ہیں۔
کہنے لگے کیا حالات چل رہے ہیں گئے ایک گھنٹہ بیٹھے خالی ایک چائے پلائی۔
حالانکہ جس کو آپ ایک چائے کہہ رہے ہیں وہ ایک چائے نہیں ہے، کم سے کم چار
چیزیں تو ہیں ہی۔ پانی بھی اسی میں ہے، چائے کی پتی بھی اسی میں ہے۔ اگر بیمار
نہیں تو شکر اسی میں ہے اور ہمارے یہاں کلچر کے حساب سے دودھ بھی اسی میں
ہے اور اگر کہیں اور ترقی ہو جائے تو اس میں نمک بھی ہے کہیں اس میں الائچی
بھی ہے یعنی اس نے پانچ چھ چیزیں دے دی ہیں، لیکن اس کو آپ نے ایک
کہہ دیا۔ غور کیا آپ نے۔ حالانکہ یہی اگر طشتری میں سجا کر دیا ہوتا تو یہی چھ کہا
جاتا۔ مگر اسی سب کو ملا دیا اب اس کو ایک کہا جاتا ہے چھ نہیں کہا جاتا۔ اس کا
مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک وہ بھی ہوتا ہے جو چار چھ سے مل کر ایک بنتا ہے،
یہ ایک قسم ہوتی ہے۔

دوسری قسم اسی کے برعکس، ظاہر ہے کہ ایک مشک میں، ایک بالٹی میں،
ایک گھڑے میں پانی رکھا ہوا ہے۔ ایک ہی تو ہے لیکن اسی کو آپ نے لوٹے
میں بانٹ دیا دو ہو گیا۔ اسی کو گلاس میں بانٹ دیا چار ہو گیا۔ اسی کو پیالیوں
میں تقسیم کر دیا چھ، سات، آٹھ ہو گیا۔ یعنی ایک تھا مگر ایک سے متعدد ہو گیا۔
غور کیا آپ نے اس کا مطلب کیا ہوا جو کسی سے مل کے بنا وہ بھی ایک سے
متعدد ہو گیا وہ بھی ایک تو ہم جو کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے یہ کونسی قسم ہے۔
کہتے تو سبھی ہیں، ہم بھی کہتے ہیں، آپ بھی کہتے ہیں، سارے مسلمان کہتے ہیں،

مگر کتنے مسلمان جانتے ہیں کہ خدا کے ایک ہونے کے معنی کیا ہیں؟ تو جب ہم نے کہا خدا ایک ہے تو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے تھے اور سب کو جوڑ جمع کر کے ایک بنا دیا گیا، ایسا تو ہے نہیں۔ یا ایک ہے ایسا کہ جب تک ہم چاہیں گے ایک رہے گا اور جس چاہیں گے ٹکڑے ٹکرے ہو جائے گا۔ بہت سے بن جائیں گے ایسی کوئی گنجائش ہے؟ نہیں ہے۔ تو خدا ایک ہے مگر نہ ویسا ایک ہے نہ ایسا ایک ہے۔

صلوات

تیسرا مسئلہ پیدا ہوتا ہے جہاں نہ یہ ہے نہ وہ ہو، نہ کسی سے مل کے بنا ہے اور نہ ٹکڑے ہونے کے لائق ہے، مگر اس کے بعد بھی اتنی گنجائش پائی جاتی ہے کہ اس میں دوسرے کا دخل ہو سکتا ہے۔ آپ کا ہاتھ ایک ہے۔ توجہ فرمائیں گے۔ آپ کا ہاتھ ایک ہے، اس میں کوئی جوڑ جمع کرنے کا حساب نہیں ہے لیکن جیسے ہی خدانکردہ کوئی بیماری لاحق ہوئی ڈاکٹر صاحب انجکشن لگانے کے لئے آئے انھوں نے انجکشن لگا دیا۔ اگر آپ کے گوشت میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ سوئی اندر جائے تو انجکشن لگا کیسے؟۔ غور فرما رہے ہیں۔ ہاتھ ہمارا ایک ہاتھ ہے مگر اس ہاتھ میں اتنی گنجائش پائی جاتی ہے کہ اس کے اندر سوئی بھی جا سکتی ہے، اس کے اندر دوا بھی جا سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہاتھ دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی کیوں نہ دیتا ہو مگر اتنا کھوکھلا ہے۔ اب اس کے علاوہ میرے پاس کوئی لفظ نہیں ہے۔ اتنا کھوکھلا اندر سے ہے کہ اس کے اندر سوئی جانے کی بھی جگہ ہے اس کے اندر دوا کے جانے کی بھی

گنجائش پائی جاتی ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں بالکل ٹھوس ہے۔ بھرے بازو ہیں، آدمی بہادر پہلوان دکھائی دے رہا ہے مگر اس کے بعد بھی انجکشن لگ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ٹھوس سمجھ رہے مگر ہے نہیں، دوا کے اندر جانے کی گنجائش باقی ہے۔ سوئی کے اندر جانے کی گنجائش باقی ہے۔

اب یہ جو آپ لفظ پڑھا کرتے ہیں اَحَدٌ کے بعد اَللّٰہُ الصَّمَدُ توجہ کریں۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لوگوں نے کہا صَمَدٌ کے معنی ٹھوس۔ ٹھوس کیا معنی ہوئے کیا کوئی پتھر ہے خدا؟۔ غور کیا آپ نے؟۔ ایک تو سمجھ گئے مگر یہ صَمَدٌ کے معنی کیا ہیں، کہا صمد جو ٹھوس ہوتا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کوئی پتھر کا خدا بنتا ہے، لوہے کا خدا بنتا ہے؟ مسئلہ یہ نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر ٹھوس نہ ہوتا تو دوسرے کے آنے کی گنجائش پیدا ہوجاتی جہاں دوسرے کے دخل دینے کی گنجائش پیدا ہوجاتی، اسے صمد نہیں کہا جاتا۔ صمد اسے کہا جاتا ہے جہاں کسی کو کوئی راستہ نہ مل سکے۔

صلوات

اسی لئے اسلام نے جو عقیدۂ توحید پیش کیا اتنا پاکیزہ تصوّر تھا کہ خدا ایسا خدا ہے نہ کوئی اس کے اندر سما سکتا ہے نہ وہ کسی کے اندر سما سکتا ہے۔ یہ لوگ جو کبھی کبھی پیدا ہوجاتے ہیں اب ماشاء اللہ اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ خدا ان کے اندر سما گیا ہے۔ یہ لوگ حلول کے قائل ہیں حلول کر گیا شیطان۔ وہ سمجھے کہ خدا حلول کر گیا ان کے اندر۔ جب کہ اب بالکل وہ سارا جلوہ ان کے اندر خدا ہی کا دکھائی دینے لگا، اس بیچارے انسان کو تو اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ اگر خدا کسی کے اندر حلول کر جائے گا تو بڑا کون ہوگا؟ جو میں نے لفظ کہا اس پر غور کیجئے گا۔

مثال کے طور پر آپ دو گلاس لے آئے، بازار گئے گلاس خریدنے کے واسطے، پیالی لینے کے واسطے، پیالیاں رکھی ہوئی ہیں، گلاس رکھے ہوئے ہیں، اس نے بتایا یہ چھوٹا ہے یہ بڑا ہے۔ ہم کو دونوں برابر دکھائی دے رہے۔ کہنے لگا آپ کو نہیں دکھائی دیتا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دیکھئے ایک چھوٹا ہے ایک بڑا ہے۔ ہم نے کہا کیسے معلوم ہوا ایک چھوٹا ہے ایک بڑا ہے؟ اس نے ایک گلاس کو اٹھا کے دوسرے میں رکھ دیا، کہا اب آپ کی سمجھ میں آگیا؟ جو دوسرے میں سما گیا وہ چھوٹا ہے اور جس میں سما گیا وہ بڑا ہے۔

وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ فلاں صاحب کے اندر خدا سما گیا خدا حلول کر گیا، ان احمقوں کے پاس اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ پھر اللہ اکبر کیوں کہتے ہو؟ یا تو انھیں کو بڑا سمجھا ہوتا جن کے اندر خدا سما جائے گا خدا چھوٹا ہو جائیگا یہ بڑے ہو جائیں گے۔ اسی لیے میرے مولا امام جعفر صادقؑ جب درسِ توحیدِ پروردگار دے رہے تھے تو فرمایا "کُلَّمَا صَوَّرْتُمُوْهُ بِاَدَقِّ اَوْهَامِکُمْ فَهُوَ مَخْلُوْقٌ لَکُمْ مَرْدُوْدٌ اِلَیْکُمْ" اگر خدا کا تصوّر تمھارے ذہن میں پیدا ہوا تو جتنی باریکی چاہے استعمال کر لو مگر جو خدا کی تصویر تمھارے ذہن میں بنے گی وہ تمھارے ذہن کی مخلوق ہوگی۔ اگر تم نے خدا کی شکل بنائی تو تمھارے ذہن نے اس شکل کو پیدا کیا ہے۔ خدا وہ نہیں ہوتا جس کو ذہن بناتا ہے خدا وہ ہوتا ہے جو ذہنوں کو بناتا ہے۔

اسی لئے جو خلاصہ کے طور پر کہا جاتا ہے صمد یعنی وہ خدائے بے نیاز جو کسی چیز کا محتاج نہیں ہے ایک ہے اکیلا ہے اور اس کے ساتھ بے نیاز بھی ہے اور آخر میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ چھوڑیئے کہاں سما گیا

یا کون اس میں سما گیا؟ حد یہ ہے کہ اس کے یہاں تو کوئی ایسا رشتہ بھی نہیں پایا
جاتا۔ نہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہونے والا۔ نہ کسی کا باپ ہے
نہ کسی کا بیٹا ہے۔ باپ بیٹا تو نہیں تھا شاید کوئی اور رشتہ جوڑ لیا جاتا۔ اعلان ہوا
وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ اس کا کوئی کفو اور ہمسر بھی نہیں ہے۔

صلوات

جو توحید اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے اس توحید کے پانچ حصّے
تھے۔ بس آج اسی مقام پر بات کو تمام کرنا ہے تاکہ مفہوم توحید سمجھا جا سکے۔
اس کے پانچ حصّے ہیں:

۱ و ۲۔ پہلا حصّہ یہ ہے کہ خدا ذات کے اعتبار سے اتنا ایک ہے اتنا
ایک ہے نہ مل کے بنا نہ ٹکڑے ہوگا۔ نہ کسی میں سمایا نہ اس کے اندر کوئی سما
سکے گا۔ اپنی ذات کے اعتبار سے واحد نہیں بلکہ اَحَدٌ اور ساری کائنات سے
کے دیکھو تو سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج۔ میری بات ضائع
ہو اگر دیکھو گے تو سب اس کے محتاج ہیں مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔
اس کی احدیت ہے، یہ اس کی صمدیت ہے۔

۳۔ تیسرا کمال یہ ہے کہ وہ کسی کا بیٹا بھی نہیں ہے۔

۴۔ چوتھا یہ کہ وہ کسی کا باپ بھی نہیں ہے یعنی اس کے اندر کوئی مادی
رشتہ نہیں پایا جاتا۔

۵۔ اور کسی کا کفو بھی نہیں۔ یعنی نہ اونچے رشتہ والے، نہ نیچے رشتہ والے،
برابر والے۔ اگر یہ پانچ باتیں تمھاری سمجھ میں آ گئیں تو تم نے توحید خدا کو

سمجھا اور اگر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آئیں تو توحید کا کلمہ پڑھا ہے توحید کو سمجھے نہیں۔ توجہ کی آپ نے ؟ اس کی وحدانیت یعنی اس کے اکیلے ہونے کو بھی پہچانو۔ اسکی بے نیازی کو پہچانو۔ وہ کسی کا باپ نہیں، کسی کا بیٹا نہیں، کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ ان پانچوں کو پہچانو تو توحید سمجھ میں آئے۔ میں بلا وجہ لفظوں کو نہیں دہرا رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک سننے والے کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے جو میں گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ اس پوری وضاحت کے دو نتائج ہیں جو آج مجھے عرض کرنا ہے باقی باتیں آئندہ۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خدا نے اَحَدُ کے ساتھ صمد نہ کہا ہوتا تو ایمان لانا مشکل ہو جاتا۔ جلدی جلدی آپ سماعت فرمالیں۔ اگر خدا نے اَحَدُ ہونے کے ساتھ اپنی صمدیت اور بے نیازی کا اعلان نہ کیا ہوتا، تو کلمہ پڑھنا، مسلمان ہونا، صاحب ایمان بننا مشکل ہو جاتا۔ کہاں سے یہ حوصلہ آئے گا۔ آپ کہیں گے اس عبارت کا مطلب کیا ہے ؟ نہ آپ سمجھیں گے نہ میں سمجھوں گا، نہ میں سمجھا سکوں گا۔ اس لئے کہ بہت سی باتیں وہی سمجھتے ہیں جو اس منزل سے گذرے ہیں۔ جس کے سر میں کبھی درد ہوا ہی نہیں وہ کیا جانے کہ دردِ سر کیا ہے ؟ مریض تڑپ رہا ہے پوچھتے ہیں آپ کو تکلیف کیا ہے ؟ وہ کیا بتائے کہ تکلیف کیا ہے؟ کبھی آپ کے سر میں درد ہو تو معلوم ہو کہ تکلیف کیا ہے ؟ تو جو کسی تکلیف کی منزل سے نہیں گذرتا وہ لفظوں سے تکلیف کو نہیں پہچان سکتا۔ اس لفظ پر غور کیجئے گا۔ جو کسی پریشانی کی منزل سے نہیں گذرتا وہ دوسرے کے بیان سے پریشانی کے معانی نہیں سمجھ سکتا۔ ہم سب کے اوپر پروردگار کا کرم یہ ہے کہ

مسلمان گھر میں پیدا ہوئے ہم سب پر مالک کا احسان یہ ہے کہ مومن گھرانے میں پیدا ہوئے ہم جانتے ہی نہیں ہیں کہ عقیدۂ توحید کیسے قائم کیا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہی نہیں ہیں کہ خدا کو کیسے مانا جاتا ہے، اس لئے کہ جس دن آنکھ کھلی ان کو دیکھا جو خدا کو ماننے والے ہیں، جس دن زبان کھُلی کہا اللہ ایک۔

توجہ کریں۔ لیکن آپ ان کے دل سے پوچھئے جو ساڑھے تین سو خداؤں کے قائل ہیں اور ان کے درمیان پیغمبرؐ کھڑے ہو کر فرما رہے ہیں قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو کوئی خدا نہیں سوائے ایک کے۔ جس غریب کے سامنے یہ کلمہ آیا وہ یہی سوچنے لگا ملا کیا؟ گیا کیا؟

صلوات

انشاءاللہ آپ کو بہت لطف آئے گا جو میں گذارش کر رہا ہوں۔ ایک دو چار منٹ ذرا ذہنوں پر زور دے لیجئے یعنی جس کے سامنے بھی پیغمبرؐ نے اپنا اسلام پیش کیا۔ کیا معنی؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو کوئی خدا نہیں ہے سوائے ایک کے۔ ایک ہے باقی نہیں ہیں۔ تو کیا جن کے پاس پتھروں کے خدا ہیں؟ کہا یہ بھی نہیں۔ جن کے پاس درختوں کے خدا ہیں؟ کہا یہ بھی نہیں؟ دریاؤں کے خدا؟ کہا یہ بھی نہیں۔ ستارے؟ کہا یہ بھی نہیں۔ چاند؟ یہ بھی نہیں۔ سورج؟ یہ بھی نہیں۔ ارے تین سو ساٹھ پینسٹھ جتنے بھی ہیں کوئی ایک نہیں۔ بچا کیا؟ کہا مگر ایک ہے۔ ہر آدمی حساب لگا رہا ہے کہ ان کے مذہب میں آنے کے معنی یہ ہیں کہ ساڑھے تین سو گئے۔ اگر وہ بیچارے اتنا ہی جانتے ہوتے کہ عظمتِ خدا کیا ہوتی ہے تو ان پتّھروں کے سامنے سجدہ ہی کیوں کرتے؟ وہ

تو نہیں جانتے ہیں کہ عظمتِ خدا کیا ہے؟ وہ تو جانتے ہیں کہ کچھ خدا ہمارے پاس ہیں ایک خدا آپ لے کے آئے ہیں۔ لیکن آپ جو لے کے آئے وہ ایک ہے، ہمارے پاس جو ہیں وہ ساڑھے تین سو ہیں ہم ساڑھے تین سو چھوڑ دیں خالی ایک کے واسطے، یہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ کتنا بڑا مشکل کام تھا اتنی بڑی اکثریت کو چھوڑ دینا۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے اس کے معنی پر بھی غور کیجئے گا۔ ارے اقلیت اور اکثریت کا معاملہ آجاتا ہے تو ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ اقلیت کے واسطے اکثریت سے کون جھگڑا مول لے گا؟ تو جہاں اقل و اکثر ہوتے ہیں وہاں اکثریت کو نہیں چھوڑا جاتا اقلیت کے لئے۔ یہاں تو اقلیت بھی نہیں ہے۔ اگر وہ کہتے تین سو ساٹھ خدا۔ پیغمبرؐ کہتے نہیں۔ ایک سو ساٹھ تو مسئلہ اقلیت اور اکثریت کا ہوتا۔ وہ کہتے تین سو خدا۔ پیغمبرؐ کہتے پچاس۔ تو بھی مسئلہ اقلیت اور اکثریت کا ہوتا مگر وہ کہتے ہیں ساڑھے تین سو، یہ کہتے ہیں ایک۔

اے پروردگار، تیرے دین کی طرف کوئی آئے گا کیسے؟ توجہ کریں۔ اس دین کو کوئی مانے گا کیسے؟ ہر آدمی سوچ رہا ہے اتنے بہت سے گئے اور ملا تو خالی ایک ملا۔ اس ایک کی خاطر اکثریت کو کون چھوڑے گا؟ پروردگار نے کہا جو لفظ صمدُ کو سمجھ لے گا وہ چھوڑ دے گا۔ جو لفظ صمدُ کے معنی سمجھ لے گا وہ چھوڑ دے گا۔ پروردگار کیسے سمجھے گا؟ کیسے چھوڑے گا؟ پروردگار نے کہا جب حساب لگالے گا تو چھوڑ دے گا۔ تین سو ساٹھ اُدھر اور ایک اِدھر۔ مگر دونوں کا فرق یہ ہے کہ وہ تین سو ساٹھ ہیں مگر سب محتاج۔ یہ ایک ہے مگر سب سے بے نیاز۔ اس کا مطلب کیا ہوا کہ عقیدۂ توحید یہ سمجھاتا ہے

کہ جب محتاجوں اور بے نیاز میں ٹکراؤ ہو جائے تو محتاج چاہے جتنے ہوں سب کو چھوڑ دو، بے نیاز اگر ایک بھی مل جائے اسے لے لو۔

صلوات

وہ تین سو ساٹھ ہیں مگر محتاج ہیں، یہ ایک ہے مگر بے نیاز ہے۔ جب بے نیاز اور محتاج میں ٹکراؤ ہو جائے تو محتاجوں کو ٹھکرا دو، بے نیاز کو مت چھوڑنا۔ تو مالک اتنا اور بتا دے کہ تو کس بات سے بے نیاز ہے۔ وہ کس بات کے محتاج ہیں؟ کہا ان کا نقشہ دیکھ لو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ سب سے پہلے تو بنانے کے محتاج ہیں۔ میں اس سے زیادہ آپ کا وقت نہیں لوں گا باقی اہلِ نظر ہیں خود پہچانئے گا۔ اُدھر حق اِدھر باطل۔ اُدھر اکثریت اِدھر وحدت۔ مگر فرق کیا ہے، یہ تین سو ساٹھ بھی ہیں یہ سب بنانے کے محتاج ہیں، یعنی انھیں خدا بنا دو گے تو خدا بن جائیں گے ورنہ پتھر کے پتھر ہی رہیں گے۔ مگر جو اسلام کا خدا ہے وہ کسی کے خدا بنانے کا محتاج نہیں ہے۔ وہ خدا ہے تو یہ پہلے منزل میں خدا بنانے کے محتاج۔ اس کے بعد اگر بنا کے اپنے گھر میں رکھ لیا تو کوئی انھیں خدا مانے گا بھی نہیں کسی بڑی جگہ پر لا کر رکھنے کے محتاج۔ غور کریں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اگر اپنے اپنے گھروں میں بنا کے رکھ لیا ہوتا تو انھیں کون خدا مانتا وہیں لا کے رکھو جو خدا کا گھر ہے۔ توجہ کریں۔ یعنی جو منزل حق ہے وہیں لا کے رکھو تبھی تو خدا بنیں گے۔ تو بنانے کے محتاج اور خدا کے گھر میں لا کے رکھنے کے محتاج۔ اور یہ سب کرنے کے بعد انھوں نے بنا دیا، انھوں نے لا کے رکھ دیا۔ جب بھی خدا نہ ہوئے ماننے کے محتاج ہیں۔ اب بندے ہاتھ جوڑ کے

کھڑے ہو جائیں تو خدا ہو جائیں ورنہ پتھر یہاں پڑا تھا وہاں رکھ دیا گیا۔ توجہ کی آپ نے ؟ تو حق و باطل کا ٹکراؤ کہاں ہے ؟ باطل ساڑھے تین سو، حق ایک۔ مگر وہ بنانے کے محتاج ہیں یہ نہیں ہے۔ وہ کہیں رکھنے کا محتاج ہے یہ بٹھانے کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ملنے کا محتاج ہے یہ کسی کے ماننے کا محتاج نہیں ہے۔ جب ایسا ٹکراؤ ہو جائے تو کثرت کو چھوڑ کے وحدت پر ایمان لے آنا۔

اب آپ سمجھے اسلام کے سارے عقائد کی بنیاد توحید ہے، توحید ہی یہ سمجھاتی ہے کہ اگر ایک طرف بہت سے محتاج ہوں اور ایک طرف ایک ہو مگر بے نیاز ہو تو محتاجوں کو ٹھکرا دینا، بے نیاز کے قدموں میں آجانا۔ جب کسی سے پوچھا گیا کہ امت اسلامیہ میں علیؑ کی جگہ کہاں ہے ؟ "تاریخ کا مشہور و معروف فقرہ ہے برابر آپ سنتے رہتے ہیں، مگر میرے لفظوں پہ غور کیجیے گا۔ جب پوچھا گیا کہ بتلائیے امت اسلامیہ میں علیؑ کی جگہ کہاں ہے ؟ تو جواب کے الفاظ کیا ہیں ؟ "اِسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ الْكُلِّ وَاحْتِيَاجُ الْكُلِّ اِلَيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ اَفْضَلُ مِنَ الْكُلِّ"، علی کا سب سے بے نیاز ہونا اور ساری امت کا علیؑ کا محتاج ہونا یہ دلیل ہے کہ علیؑ جیسا کوئی نہیں ہے۔

اب تو اندازہ ہو گیا کہ سب علیؑ کے محتاج، علیؑ سب سے بے نیاز۔ توحید کہتی ہے جب محتاج اور بے نیاز میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو بے نیاز کو اختیار کرو۔ (صلوات)

اسی منزل پر، اسی مرحلہ پر ظاہر ہے کہ خدا خدائے بے نیاز ہے، وہ ساری کائنات سے بے نیاز ہے۔ کوئی بندہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا مگر وہ چاہے

توسب سے بے نیاز بنا سکتا ہے۔ توجہ کریں کہ خدا اور بندے میں یہی فرق ہوگا
کہ خدا ہر بندے سے بے نیاز ہے مگر بندہ خدا سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ لیکن
خدا سے وابستہ ہوجائے تو خدا ساری کائنات سے اسے بے نیاز بنادے گا۔ سب
اس کے محتاج ہوں گے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سب کو اس کی
ڈیوڑھی پر آتے دیکھو گے۔ پہلے دن آئیں، دو دن کے بعد آئیں، پچیس سال کے
بعد آئیں مگر اس کی چوکھٹ پر سب آئیں گے۔ انھیں کسی کے دروازے پر ہاتھ
پھیلاتے نہ دیکھو گے۔ اور بات آگئی ہے تو ایک جملہ گذارش کروں، ارے زمین
والوں کا کیا ذکر ہے، اس کے دروازے پر تو روٹیاں لینے کے لئے اُدھر والے
چلے آتے ہیں۔

صلوات

یہ ہے توحید پروردگار، اگر انسان توحید الٰہی کو سمجھ لیتا تو امت کے سارے
مسائل حل ہوجاتے۔ اگر مسائل اُلجھ گئے ہیں تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ ابھی مسلمان
نے اپنے عقیدۂ توحید کو نہیں پہچانا۔ اور یہاں تک آنے کے بعد ایک جملہ، میں
اس سے پہلے بھی کسی مناسبت سے عرض کرچکا ہوں۔ لیکن چونکہ موضوع سے
مربوط ہے اس لئے پھر اس لفظ کو دُہرانا چاہتا ہوں، جو حضرات رہے ہوں گے
ان کے ذہن میں یہ جملہ محفوظ ہے۔ روایت تو بار بار دُہرائی جاتی ہے اور کل بھی
میں نے ایصال ثواب کے ذیل میں اشارہ کیا تھا۔

سرکار دو عالمؐ کا ارشاد گرامی ہے جو سارے عالم اسلام میں پایا جاتا ہے
یعنی کسی فرقہ کی حدیث نہیں ہے، ہر جگہ یہ ذکر سرکار دو عالمؐ کی زبان سے نقل کیا گیا

ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے سورۂ توحید سورۂ اخلاص سورۂ قل ھواللہ
اس سورۂ قل ھو اللہ کو یہ خصوصیت بخشی ہے، یہ امتیاز دیا ہے کہ سورۂ قل ھو اللہ
اگر ایک مرتبہ پڑھا جائے تو ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اگر دو مرتبہ پڑھا جائے
تو دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اگر تین مرتبہ پڑھ لیا جائے تو گویا سارے قرآن
کی تلاوت ہو گئی۔ تفصیلات آپ کے ذہن میں ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
کل سے قرآن بند کر دیں خالی قل ھو اللہ پر گذارا شروع کریں۔ نہیں بلکہ مقصد
یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس وقت نہیں ہے اور اتنا موقع نہیں ہے کہ آپ سارے
قرآن کو پڑھیں تو تین دفعہ قل ھو اللہ تو پڑھ ہی سکتے ہیں۔ اسی لئے روایات
میں پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی آدمی سوتے وقت تین مرتبہ فقط قل ھو اللہ کو
پڑھ کے سو جائے تو پروردگار اس کو اس آدمی کا ثواب دے گا جو سارا قرآن
پڑھ کے سویا ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک اخبار نہیں پڑھتے
ہیں ان کو نیند نہیں آتی ہے۔ آپ مسلمان مومن ہیں یہ طے کر لیجئے کہ جب تک قل
ھو اللہ نہ پڑھیں گے نیند نہیں آئے گی، کون سا بڑا کام ہے۔ تین مرتبہ قل
ھو اللہ پڑھنے کے لئے ایک منٹ کا کام ہے۔ اگر پروردگار عالم ساری رات
کی نیند آپ کی اس انسان کی نیند قرار دیدے جو سارا قرآن پڑھ کے سویا ہو، تو
اس سے زیادہ اور بندہ کو کیا چاہیئے؟ اس سے زیادہ انسان کو اور کیا چاہیئے؟
اور ظاہر ہے کہ رات کا وقت ہے اور شاید بہت سے لوگ پرانے اوہام میں
مبتلا ہوں اس لئے میں نہیں کہنا چاہتا لیکن بہرحال اگر تین مرتبہ قل ھو اللہ
پڑھ کے سو گئے تو پروردگار نے کہا اتنا ثواب دوں گا کہ جیسے سارا قرآن پڑھ کے

سویا ہو۔ اور اگر سو ہی گئے تو کوئی آپ کے لئے قرآن پڑھے یا نہ پڑھے سارا قرآن پڑھ کے تو آپ خود ہی سوئے ہیں۔ اور جب آپ پڑھ کے سوئے ہیں تو پروردگار دوسروں کے دل میں بھی ڈال دے گا پڑھیں گے آپ کے لئے۔ آپ اللہ کے ہو جائیں باقی سب آپ کے ہو جائیں گے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے تو میں گذارش کر رہا تھا کہ ایک سورۂ قل ھو اللہ گویا ایک تہائی قرآن۔ دو قل ھو اللہ دو تہائی قرآن۔ تین قل ھو اللہ پورا قرآن یعنی کل قرآن کو اگر حاصل کرنا ہے تو قل ھو اللہ کو تین دفعہ دُہرانا ہوگا۔ جب تک تین دفعہ نہ پڑھیں گے آپ کو کُل قرآن کا ثواب نہیں ملے گا۔ تو کل قرآن کو اگر لینا ہے، الفاظ پر توجہ رہے۔ اگر کل قرآن کو لینا ہے تو قل ھو اللہ کو تین دفعہ دُہرانا ہوگا۔ تو کل قرآن وہی ہے جس میں کل اسلام ہے۔ سارا اسلام تو کسی گھر میں پڑا نہیں ہے اسی قرآن میں تو اسلام ہے یعنی اسلام قرآن جو بھی لینا ہے قل ھو اللہ کو تین دفعہ دہرانا ہوگا اور قل ھو اللہ میں کیا ہے؟ کہ جب محتاج اور بے نیاز میں ٹکراؤ ہو جائے تو محتاج کو چھوڑنا ہے بے نیاز کو اپنانا ہے۔ یہ بات اگر ایک دفعہ سمجھے تو ایک تہائی مذہب سمجھے، اگر دو مرتبہ سمجھے تو دو تہائی مذہب سمجھ میں آیا، اور اگر تین دفعہ سمجھ لیا تو سارا مذہب سمجھ میں آگیا۔ (صلوات)

تو اسلام نے جس وحدانیت، جس یکتائی کا سبق دیا ہے اپنے خالق کو اپنے مالک کو پہچانو۔ وہ احد ہے، وہ صمد ہے، نہ اس کا کوئی باپ، نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ اس کا کوئی کفو اور ہمسر...... یہ موضوع باقی رہ گیا انشاء اللہ آئندہ اس کے تفصیلات کے بارے میں عرض کیا جائے گا، آج اسی منزل پر اپنے بیان

کو روک دینا چاہتا ہوں۔

عزیزان محترم! یہی وہ اسلام کا پیغام تھا، یہی وہ اسلام کا سبق تھا جس کو دنیا کو پڑھانے کے لئے فرزند رسول الثقلینؐ اٹھے تھے اِنْ کَانَ دِیْنُ مُحَمَّدٍ لَمْ یَسْتَقِمْ اِلَّا بِقَتْلِیْ فَیَا سُیُوْفُ خُذِیْنِیْ اگر دینِ پیغمبرؐ میں استحکام نہیں پیدا ہوتا جب تک میرا گلا نہ کٹ جائے، تو آؤ تلوارو میرا گلا حاضر ہے۔ آؤ تلوارو میں جان قربان کردوں گا مگر اپنے نانا کے دین کو تباہ و برباد نہ ہونے دوں گا۔ یہی عزم تھا فرزند رسول الثقلینؐ کا، جسے لے کے حسین ابن علی علیہ السلام اٹھے۔ مگر کس اہتمام کے ساتھ اٹھے۔ بس خاتمہ کلام پر پانچ منٹ اور انشاء اللہ آپ بہت مثاب ہوں گے۔

صلوات

اب تو دن آ ہی گئے ہیں ذکر مصائب کے، یوں تو سال بھر ذکر فرزند رسول الثقلینؐ ہوتا رہتا ہے، لیکن بالخصوص یہ رات محرم کا چاند نکلنے کے بعد، یوں تو ہر معصومؑ کی تاریخ تقریباً ایسی ہی ملتی ہے مگر خصوصیت کے ساتھ راوی ہمارے اور آپ کے آٹھویں امام علیہ السّلام کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ جب چاند محرم کا نمودار ہوتا تھا تو لَمْ یُرَ ضَاحِکًا اس کے بعد کسی نے امام رضاؑ کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ کسی نے امام رضاؑ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ محرم کا چاند نمودار ہونے کے بعد دن رات، صبح و شام ہر لمحہ، ہر ساعت، ہر لحظہ، ہر آن امام پر رنج و غم کے آثار طاری ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی چاہنے والا آ کے بیٹھ گیا فرمایا تمھیں معلوم ہے کہ یہ کون سا زمانہ ہے؟ تمھیں یہ اندازہ ہے کہ یہ زمانہ کون سا زمانہ ہے؟ اور کہہ کے فرمایا یَابْنَ شَبِیْبٍ اِنْ کُنْتَ بَاکِیًا لِشَیْءٍ۔۔۔۔ اے ریّان ابن شبیب! اگر تمھیں کسی بات پر رونا

آئے تو دنیا کی مصیبتوں پر مت رونا، میرے جد حسینؑ پر رونا۔ اگر کسی بات پر رونا آئے تو میرے جد مظلوم حسین ابن علیؑ پر رونا۔

نہ سن سکو گے ارباب عزا، کیا وجہ ہے کہ ساری دنیا کو چھوڑ کے حسینؑ پر رویا جائے؟ فرمایا "فَاِنَّہٗ ذُبِحَ کَمَا یُذْبَحُ الْکَبْشُ" اس لئے کہ میرے جد کو ویسے ذبح کیا گیا جیسے گوسفندِ قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اے اربابِ عزا، جی چاہتا ہے ہاتھ جوڑ کے گذارش کروں، اے میرے رضائے غریبؑ، آپ نے مصیبتِ حسینؑ کو یاد دلانے کے لئے فرمایا کہ میرا جد ویسے ذبح کیا گیا جیسے قربانی کے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔ مگر گوسفند قربانی کو تو پانی پلایا جاتا ہے۔ اجرکم علی اللہ

صلوات

دین الٰہی کی بقاء، پیغام توحید کے اعلان کے لئے فرزندِ رسولؐ اُٹھ رہے ہیں۔ وہ دن بھی آیا، وہ تاریخ بھی آئی جب نبیؐ کے لال کو دربار حکومت میں بُلایا گیا۔ ہائے، فرزند رسولؐ جب گھر سے چلنے لگے، بہن کو اطلاع دی کہ مجھے دربار میں بُلایا گیا ہے۔ کہا بھیّا مگر رات کے وقت کیوں بُلایا گیا ہے، رات کے وقت تو کوئی دربار آراستہ نہیں ہوتا؟ فرمایا ایسا لگتا ہے کہ ان کے حاکم نے انتقال کیا ہے اور مجھے جس مقصد کے لئے بُلایا گیا ہے میں اسے بھی جانتا ہوں۔ میرے سامنے جو تقاضا رکھا جائے گا اسے بھی پہچانتا ہوں۔ اور بہن تمھیں تو معلوم ہے کہ میں ایسے کسی تقاضے کو قبول نہیں کر سکتا۔ بھیّا تو اگر آپ ایسے وقت میں دربار میں جا رہے ہیں تو کیا زینبؑ آپ کو اکیلے جانے دے گی؟۔ بس چند جملے انشاءاللہ بہت مشاب ہوں گے بہت روئیں گے۔ بھیّا کیا زینبؑ آپ کو اکیلے جانے دے گی،

یہ نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ مڑ کے دیکھا بھیّا عباسؑ، بیٹا علی اکبرؑ، آقا دربار میں جا رہے ہیں، جاؤ بنی ہاشم کے جوانوں کو ساتھ لے کر جاؤ۔ عباسؑ علمدار نے تیئس بنی ہاشم کے شیروں کو ساتھ لیا، مولاؑ کو اپنے حلقہ میں لیا۔ لے کے چلے۔ جب ولید کے دربار کے قریب پہونچے تو فرزند رسولؐ نے فرمایا، تم لوگ یہیں ٹھہر جاؤ، میں دربار میں جا رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ بنی ہاشم کے جوان جائیں، میں اکیلا جا کے گفتگو کروں گا، مگر اس کا خیال رکھنا اگر میری آواز بلند ہو جائے تو کسی بات کا انتظار نہ کرنا تم دربار میں آجانا۔

صلوات

آ کے امامؑ تشریف فرما ہوئے، حاکم کے مرنے کی خبر سُنائی گئی۔ اسلامی قوانین کی بنیاد پر امام حسینؑ نے آیۂ کریمہ انا للہ کی تلاوت کی۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے سامنے مطالبۂ بیعت رکھا گیا۔ امامؑ نے سمجھایا ایسے مسائل رات کے اندھیرے میں طے نہیں ہوتے۔ اگر اس مسئلے کو طے کرنے کا ارادہ ہے تو کل دن میں بُلانا، میں بھی آؤں گا مسلمان بھی جمع ہوں گے۔ اس کے بعد کون اس قابل ہے کہ جس کی بیعت کی جائے اور کون اس لائق ہے جو بیعت کرے گا۔ یہ مسئلہ کل طے ہوگا۔ کہا نہیں مگر طے ہونا چاہیئے۔ فرمایا اگر طے ہونا ہے تو میں فیصلہ اپنا سُنائے دیتا ہوں مثلی لا یبایع مثلہ مجھ جیسا انسان یزیدلعؔ جیسے نا اہل کی بیعت نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہہ کر امام حسین اُٹھے۔ جیسے ہی دربار سے چلنے کا ارادہ کیا، مروان نے آواز دی ولید! اگر آج حسینؑ تیرے ہاتھوں سے نکل گئے تو مدینہ میں جب تک خون کی ندیاں نہ بہہ جائیں تب تک حسینؑ تیرے قبضہ میں

نہ آئیں گے۔ بہترین موقع ہے اکیلے آئے ہیں، لہٰذا یا تو بیعت کریں یا گلا کاٹ دیا جائے۔ جیسے ہی مروان نے یہ لفظ کہا ایک مرتبہ فرزندِ رسولؐ کو جلال آگیا، فرمایا تُهَدِّدُنِي بِالْقَتْلِ يَا ابْنَ الزَّرْقَاء او زن نیلگوں چشم کے بچّے! تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے، مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ کون مجھے قتل کرے گا؟ تو کہ ولید؟ بس جیسے ہی حسینؑ کی آواز بلند ہوئی ایک مرتبہ دارالامارہ کا دروازہ کھلا، آگے آگے قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباسؑ۔ آقا، کس نے کیا کہہ دیا۔ آپ کی آواز کیوں بلند ہوگئی؟ حسینؑ نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھ دیا۔ بھیّا یہ جنگ کا وقت نہیں ہے۔ بس رونے والو مجلس تمام ہو رہی ہے۔ ہاشمی جوانوں نے حلقے میں لیا۔ حسینؑ پلٹ کے بیت الشرف میں آئے۔ بہن بھائی کا انتظار کر رہی ہے۔ بھیّا خیر تو ہے۔ کہا، بہن اب یہ مدینہ رہنے کے لائق نہیں رہ گیا، اب مجھے وطن چھوڑنا ہوگا تم سفر کی تیاری کرو۔ کبھی ماں کی قبر پر آئے، کبھی نانا کی قبر پر گئے، کبھی بھائی کی قبر پر گئے۔ جب پلٹ کر گھر آئے۔ یہ آخری فقرہ۔ اتنی دیر میں ہاشمی گھرانے میں یہ خبر گونجی کہ نبیؐ کا نواسہ وطن چھوڑ کے جانا چاہتا ہے۔

—— صلوات ——

ایک مرتبہ ام المومنین جناب ام سلمہؓ اٹھیں اور دھیرے دھیرے آئیں۔ میرا لال کہاں ہے؟ میرا حسینؑ کہاں ہے؟ امام حسینؑ سامنے آئے، نانی آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ کہا بیٹا سُنا ہے کہ تم وطن چھوڑ کے جا رہے ہو؟ ہاں نانی میں وطن چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ کہا بیٹا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ کہا فی الحال عراق جا رہا ہوں۔ جیسے ہی عراق کا نام سنا کہا بیٹا تمہارے نانا نے عراق کے

بارے میں مجھے کچھ بتایا ہے۔ بیٹا تم نے عراق کا ارادہ کر لیا؟ کہا ہاں نانی اماں!
جو بتایا ہے وہی ہوگا، جو نانا نے بتایا ہے وہی ہوگا۔ ارے بیٹا ایسی جگہ کیوں
جا رہے ہو؟ کہا کیونکہ میں نانا کی قبر پر گیا تھا۔ قبر اطہر سے لپٹ کر رو رہا تھا آواز
آئی، میرے حسینؑ کربلا جاؤ۔ قربانی دو، تا کہ میرا دین بچ جائے۔ اور اے نانی
اگر دیکھنا چاہتی ہیں کہ میں مارا جاؤں گا تو آپ کو وہ جگہ دکھا دوں۔ روایت کا
فقرہ۔ حسینؑ نے اشارہ کیا، زمینیں پست ہونے لگیں، زمین کربلا بلند ہوئی، کہا
نانی یہ وہ سرزمین ہے جہاں آپ کا حسینؑ مارا جائے گا۔ کہا بیٹا مگر مجھے معلوم
کیسے ہوگا؟ حسینؑ نے ہاتھ بڑھایا، ایک مٹھی خاک اٹھائی۔ کہا اس خاک کو وہیں
رکھئے جہاں نانا کی دی ہوئی مٹی رکھی ہے۔ بس رونے والو مجلس تمام ہوگئی۔
اے نانی اماں، جب تک یہ خاک خاک رہے سمجھئے آپ کا حسینؑ زندہ ہے اور
جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھئے گا کہ اب آپ کا حسینؑ دنیا میں
نہیں ہے۔ یہ کہہ کے حسینؑ مدینے سے رخصت ہو گئے۔ جب کبھی ام سلمہؓ کا دل
گھبرایا آ کے شیشے کو دیکھا، شیشے میں خاک کو دیکھا، کہا مالک تیرا شکر ہے، میرا
حسینؑ سلامت ہے۔ وقت گذرتا رہا، جب دل بیقرار ہوا شیشے کو دیکھا دل
سنبھل گیا یہاں تک کہ عاشورۂ محرم کا دن آیا، دوپہر کا وقت تھا جناب ام سلمہؓ
بستر پر ہیں۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ پیغمبرؐ آئے ہیں، گریبان پھٹا ہوا،
آستین الٹے ہوئے، سر پر خاک پڑی ہوئی۔ اے خدا کے حبیبؐ! یہ آپ کا
کیا عالم ہے؟ کہا ام سلمہؓ! سو رہی ہو؟ ام سلمہؓ تم سو رہی ہو میرا گھر اجڑ گیا،
میرا حسینؑ مارا گیا۔ اب جو گھبرا کے اٹھیں تو دیکھا کہ خونِ تازہ جوش مار رہا ہے۔

سُن لو آخری فقرہ۔ زبان پر فقرے آئے واحسیناہ واحسیناہ !۔ بنی ہاشم کی عورتیں جمع ہوگئیں۔ بی بی یہ نہ کہیے ہمارا حسینؑ سفر میں ہے۔ واحسیناہ کہہ کے نہ روئیے حسینؑ سفر میں ہیں۔ کہا مجھے نہ سمجھاؤ اب کہاں میرا حسینؑ؟ میں نے رسول اللہؐ کو سر برہنہ پہ ماتم کرتے ہوئے دیکھا ہے" اے ام سلمہؓ! میرا گھر اُجڑ گیا، میرا حسین مارا گیا"۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ہ

مجلس ۳

ذات وصفاتِ خدا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ قُلۡ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا۔ (صلوات)

پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں مگر میری طرف مسلسل یہ پیغام الٰہی آتا ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ جو بھی اسکی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور عبادت پروردگار میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائے۔

سنہ ۱۴۲۱ھ کے آغاز کے ساتھ، کل جو سلسلۂ کلام توحید فی الاسلام کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے آج اس کے دوسرے مرحلے پر مفہوم توحید کی مزید وضاحت مقصود ہے!! کل یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ اسلام کے جملہ بنیادی عقائد کی بنیاد ہے توحید پروردگار۔ اگر کوئی انسان توحید الٰہی کو نہیں سمجھتا تو واقعاً مسلمان کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ اگرچہ کلمہ پڑھنے کے بعد اس کے احکام وہی ہوں گے جو ایک عام مسلمان کے احکام ہوتے ہیں۔ اسی لئے ساری دنیا کے صاحبانِ فکر کی تمام تر فکر اور کوششیں یہ ہیں کہ مسئلہ توحید کو مسلمانوں کے سامنے واضح ہونا

چاہیئے۔ ہم جس وحدانیت کے قائل ہیں پروردگار کے بارے میں اس وحدانیت کا واقعی تصوّر کیا ہے؟ اور خدا کے ایک ہونے کے واقعی معنی کیا ہیں؟ اس مسئلے کی وضاحت کے لیۓ تین باتیں قابل توجہ ہیں انھیں آپ سماعت فرمائیں۔

مسئلہ اگرچہ دقیق ہے اور شاید عام دلچسپی کے ماحول سے الگ بھی ہو، مگر چونکہ ہمارا بنیادی عقیدہ ہے لہٰذا اس پر ہر انسان کو اپنی ذہنی طاقت کو صَرف کرنا ہوگا، اور اپنے صحیح عقیدہ کو پہچاننا ہوگا!! ہم دنیا میں جسے بھی ایک کہتے ہیں مخلوقات کی دنیا میں کوئی ایک بھی تو ایسا نہیں ہے جو ایک کہے جانے کے قابل ہو۔ یہ انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے جب دنیا میں آیا تو مالک نے اعلان کیا "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ" ہم نے انسان کو بنایا ہی ہے دو ملے جلے مادوں سے۔ جو دو سے ملا کے بنایا گیا ہو وہ ایک کیا ہوگا؟ اس میں اکائی کہاں سے پیدا ہو جائے گی جسے بنانے والے نے خود ہی بنایا ہے تو دو سے ملا کے بنایا ہے۔ تو ہماری پہلی کمزوری یہ ہے کہ اگر ہم ایک کہے بھی جائیں تو واقعاً ایک نہیں ہیں۔ جس مادہ سے انسان کو بنایا گیا ہے وہ مادہ خود ہی مخلوق ہے اور مشترک ہے۔ اور یہ بات تنہا انسانوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جتنی مخلوقات پائی جاتی ہیں، ساری مخلوقات کا اگر آپ جائزہ لیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مخلوقات میں دور دور کہیں اِکائی کا تصوّر نہیں پایا جاتا ہے۔ بار بار قرآن مجید نے اس بات پر زور دیا کہ ہم نے ہر شے کو زوج بنایا ہے، ہر شے کو جوڑا بنایا ہے۔ ہم نے کسی چیز کو اکیلا بنایا ہی نہیں۔ باہر کی دنیا میں دیکھیں گے تو وہاں بھی ایک کا جوڑا دوسرے کو بنایا ہے اور اندر کی دنیا میں دیکھیں گے تو اندر بھی ہر ایک

کی تخلیق میں مختلف عناصر ہیں جن کے مجموعے کا نام یہ مخلوق ہے جو ہمارے سامنے
ہے چاہے پتھر کی شکل میں ہو، چاہے درخت کی شکل میں ہو، چاہے حیوان کی شکل
میں، چاہے انسان کی صورت میں ہو چاہے انسانوں سے ماوراء، جنّات ہوں یا
ملائکہ ہوں، ساری مخلوقات وہ ہیں کہ جن کی تخلیق میں دوئی پائی جاتی ہے اکائی
نہیں پائی جاتی ہے۔ اور اگر آپ مزید گہرائی میں چلے جائیں تو آپ کو اندازہ ہوگا
کہ اگر آپ کو کوئی چیز ایسی مل جائے جس کے بارے میں خیال پیدا ہو جائے کہ اس کے
اندر کوئی ترکیب نہیں ہے، اسے مرکب نہیں کیا گیا ہے، اسے ملا کے نہیں بنایا گیا
اس میں دو چیزیں نہیں پائی جاتی ہیں۔ تو جیسے ہی وہ چیز عالم وجود میں آئی
خود ہی مرکب ہو گئی۔ توجہ کریں۔ ہم آپ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے
ہیں، ہمیں انسان موجود کہا جاتا ہے ورنہ اگر معدوم ہوتے تو کہیں اور پڑے
ہوتے یہاں نظر بھی نہ آتے۔ تو ہم کو اگر انسان موجود کہا جاتا ہے تو اس کا
مطلب یہ ہے کہ ہماری انسانیت بالکل ایک اکیلی ہوتی، جب کہ ہماری انسانیت
کے ساتھ یہ وجود شامل ہو گیا ہے۔ تو ہم دنیا میں آئے ہیں ورنہ اگر ہماری انسانیت
کے ساتھ یہ وجود شامل نہ ہوتا تو ہمارا دور، دور تک کہیں پتہ بھی نہ ہوتا۔ کس عدم
کی حالت میں ہوتے کون جانتا لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا خود پروردگار نے
کہا یہ انسان جو یہاں آ گیا ہے آج قابل ذکر ہو گیا ہے، ورنہ ایک وقت ایسا بھی
آیا ہے جب یہ قابل ذکر بھی نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری شخصیت کے
ساتھ، ہماری ہستی کے ساتھ، یا فلسفہ کے اعتبار سے ہماری ماہیت کے ساتھ
ایک وجود شامل ہو گیا ہے جو ہم قابل ذکر ہو گئے ہیں۔ تو ہم اکیلے کیسے پائے

جائیں گے، انسانیت بھی ہوگی وجود بھی ہوگا۔ وجود بھی ہوگا انسانیت بھی ہوگی۔ نہ ہم اکیلے انسان ہیں بلا وجود، نہ اکیلے وجود ہیں بلا انسانیت۔ تو اگر ہماری انسانیت کوئی اکیلی چیز ہوگی جب بھی ظاہر ہے کہ ہم جب دنیا میں آئے تو ہماری انسانیت کے ساتھ ایک وجود شامل ہو گیا ہے جس کی بنا پر ہم آپ کے سامنے آگئے اور ہم قابل ذکر ہو گئے۔ اب بھی ہم اکیلے نہ رہ گئے یہ تو ہماری ہستی ہے، یہ تو ہمارا وجود ہے کہ جہاں ہماری انسانیت کے ساتھ ایک وجود شامل ہوا ہے جو ہم یہاں موجود دکھائی دے رہے ہیں ورنہ کہیں دور دور ہمارا پتہ نہ ہوتا۔

اس کے بعد جب ہم نے صفات کی دنیا میں قدم رکھا، جب ہم نے کمالات کی دنیا میں قدم رکھا پھر دوبارہ مرکب ہو گئے۔ مسئلہ دقیق ہے مگر میں سادہ زبان میں گذارش کروں گا۔ انشاء اللہ تمام سننے والے میرے بچے، نوجوان اور جہانتک میری بات پہونچتی ہے سب میری بات کو محسوس کرلیں گے۔

اس دنیا میں آنے کے بعد اب ہمارے صفات کی دنیا شروع ہوئی یا ہمارے کمالات کی دنیا شروع ہوئی۔ جب آئے تو ہر کمال سے، ہر صفت سے بالکل خالی آئے تھے۔ ناتوانی ایسی کہ نہ اٹھنے کے لائق نہ بیٹھنے کے لائق۔ جہالت ایسی کہ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا کا سرٹیفکٹ لے کر آئے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّھَاتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا اللہ نے ماں کے پیٹ سے نکال کے دنیا کے حوالے کر دیا جب تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ سند یافتہ جاہل، اور سند بھی نہ کسی کالج کی نہ کسی یونیورسٹی کی جو بنانے والا ہے اسی نے سند دے کر بھیجا ہے۔ تم جاہل تھے ناتوانی سب نے دیکھ لی، جہالت سب نے دیکھ لی۔ نہ کہ تم کہے جانے کے

قابل، نہ سخی کہے جانے کے قابل، نہ بہادر کہے جانے کے قابل، نہ عالم کہے جانے کے لائق کوئی ایک صفت بھی تو ہمارے ساتھ نہیں تھی، سوائے اس کے کہ کریم نے وجود ملادیا تو موجود کہے گئے۔ اگر وجود دے کے نہ بھیجا ہوتا تو موجود کہے جانے کے لائق بھی نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ جتنی صفتیں ہیں سب سے بالکل خالی آگئے، خالی ہاتھ بھیج دئے گئے اور اسی لئے آئے بھی تو خالی ہاتھ آئے۔ یعنی مال دنیا چھوڑیئے کون لے کے آتا ہے کون لے کے جاتا ہے۔ نہ کوئی لے کے آیا ہے نہ کوئی لے کے جانے والا ہے۔ کمالات کے اعتبار سے بھی خالی ہاتھ چلے آئے لیکن یہاں آنے کے بعد (توجہ کریں) دو چار دن غذا استعمال کی، طاقت ساتھ آگئی (میری بات پر توجہ کیجئے) آپ ہی کی زندگی کی داستان ہے، یہ ہماری حیات کی داستان ہے کوئی پُرانا قصہ نہیں ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ بالکل ناتواں کمزور تھے، اٹھنے بیٹھنے کے لائق نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ اگر ماں اپنے سرچشمہ حیات سے ملا نہ دے تو دودھ پینے کے لائق بھی نہیں تھے۔ (غور کیا آپ نے) لیکن اب جب کہ دنیا میں چار دن شیر مادر استعمال کیا ناتوانی گئی توانائی آگئی۔ ماں نے گود میں بٹھا کے کہا بیٹا کہو اللہ ایک ہے، پنجتن پانچ، امام بارہ[١٢]۔ یہ تعلیم جب دے دی جہالت گئی، علم آگیا۔ ماں نے جیب میں چار پیسے رکھ دیئے فقر و فاقہ گیا تونگری آگئی۔ کہا بیٹا جیب میں رکھ نہ لینا اگر فقیر دروازے پر آجائے تو دے دینا۔ بچے نے اٹھا کے دے دیا کرم شامل ہو گیا۔ کہا دیکھو اگر کوئی مسئلہ ایسا آجائے تو ذلّت برداشت نہ کرنا، حملہ کرنے والے کا جواب دینا، شجاعت ساتھ لگ گئی۔ اب یہ تو پوری زندگی کا سفر یوں ہی طے ہوتا رہے گا۔ خالی ہاتھ آئے تھے مگر

خالی ہاتھ رہیں گے نہیں، زندگی میں کمالات یونہی شامل ہوتے رہیں گے ــــ
یہ اور بات ہے کہ ہماری زندگی کا ایک حادثہ یہ بھی ہے جو ساتھ آنا جانتا ہے وہ
ساتھ چھوڑنا بھی جانتا ہے۔ یہ میں بالکل الگ سے بات کہہ رہا ہوں اس پر
بھی غور کیجئے گا۔ جو ساتھ آنا جانتے ہیں وہ ساتھ چھوڑنا بھی جانتے ہیں۔ طاقت
ساتھ آگئی چار دن بیمار ہو گئے پھر ویسے ہی ہو گئے، کوئی اٹھائے تو اٹھیں،
کوئی بٹھائے تو بیٹھیں چونکہ ظاہر ہے طاقت اپنی تو تھی نہیں، غذا کے ذریعہ
آئی تھی بیماری کے ذریعہ چلی گئی۔ شریفوں کی محفل میں رہے انھوں نے کرم
سکھا دیا کریم ہو گئے۔ کنجوسوں کی محفل میں چلے گئے سارا کرم رخصت ہو گیا۔
عالموں کے درمیان بیٹھے علم شامل ہو گیا۔ کچھ دن عالموں کی بستی سے الگ ہوئے
سب بھول گئے پلٹ کے پھر وہی جہل آگیا۔ توجہ کریں۔ یعنی جو چیزیں شامل
ہو جاتی ہیں انھیں دوام نہیں ہوتا۔ اس نکتے پر غور کریں۔ جو کمالات ساتھ آجاتے
ہیں وہ دائمی نہیں ہوتے ہیں وہ آنا بھی جانتے ہیں اور چلا جانا بھی جانتے ہیں۔
حد یہ ہے کہ یہ زندگی جو ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے، اگر یہ زندگی ہماری اپنی ہوتی
تو ۱۹۵۰ء میں کیوں پیدا ہوتے؟ سن کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہوتے مگر ۱۹۵۰ء
میں مالک نے پیدا کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں زندگی مل گئی۔ ۱۹۶۰ء میں پیدا کر دیا ۱۹۶۰ء
میں زندگی مل گئی۔ پہلے پیدا کر دیا ہوتا پہلے زندگی مل جاتی ــ مگر چونکہ زندگی ہم کو
مل گئی ہے اس لئے آپ جانتے ہیں جو ساتھ آنا جانتا ہے وہ ساتھ چھوڑنا بھی جانتا
ہے۔ آج زندگی ساتھ لگ گئی ہم زندہ کہے گئے، پچاس سال کے بعد ساتھ چھوڑ دیا
پھر پلٹ کے ویسے ہی مُردہ ہو گئے (غور کیا آپ نے؟) تو ایک تو ہماری ابتدا

تھی کہ ہم مرکب تھے دو مادوں سے ملا کر بنائے گئے۔ اگر مادے دو نہ ہوتے پھر بھی ایک انسانیت تھی اور ایک وجود تھا پھر مرکب ہو گئے۔ جب کمالات کی دنیا میں آئے تو ڈھیرے ڈھیرے کمالات ساتھ آنے لگے ایک مجمع لگ گیا کمالات کا، مگر ہم اور ہیں کمال اور ہے۔ (توجہ فرما رہے ہیں؟) ہم کچھ اور ہیں کمال کچھ اور ہے۔ یہ کمال تو ہمارے ساتھ آ گیا ہے۔ ایک آدمی کے پاس دو کمال، ایک کے پاس دس ہیں، ایک کے پاس سو ہیں، ایک کے پاس ہزار ہیں، مگر جتنے بھی ہیں سب آئے ہیں۔ اور اگر میرے لفظ کو آپ یاد رکھیں تو ایک لفظ گذارش کروں۔ یہ کمالات سو آ تو گئے میرے پاس سو کمالات، آپ کے پاس ہزار کمالات۔ آپ مجھ سے اونچے کہے جاتے ہیں، آپ مجھ سے بڑے کہے جاتے ہیں اس لئے کہ میرے پاس سو کمالات ہیں، آپ کے پاس ہزار کمالات ہیں۔ لیکن آپ ذرا گہرائی میں چلے جائیے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ میرے پاس کمالات کم ہیں مگر میری گردن پر احسان بھی کم ہے اس لئے کہ کمال ہمارا تو تھا نہیں کسی کے ذریعہ ملا ہے، تو ہم پر سو آدمیوں کا احسان ہے، آپ پر ہزار آدمیوں کا احسان ہے۔ یا ایک ہی آدمی کے ہم پر سو احسانات ہیں آپ پر اسی آدمی کے ہزار احسانات ہیں جو اپنا نہیں ہے تو کسی کا دیا ہوا تو ہوگا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں شرافت آزمائی جاتی ہے، جو غیروں کی بھیک لے کے اپنا سمجھ لیتے ہیں، وہ مغرور ہو جاتے ہیں، متکبر ہو جاتے ہیں، اکڑ جاتے ہیں۔ کبھی دعوئ رسالت، کبھی دعوئ خدائی، لیکن جو اپنی اوقات کو جانتے ہیں، ایک کسی اور کا دیا ہوا ہے وہ جانتے ہیں، اکڑیں تو کس بات پر اکڑیں گے، غرور کس بات کا پیدا ہوگا۔ جتنا احساس کمال بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی سجدوں میں اضافہ

ہوتا جاتا ہے۔ (صلوات)

ہم غریبوں کے پاس، ہم فقیروں کے پاس جتنا جو کچھ ہے چاہے وہ کھانے کی دو روٹیاں ہوں، چاہے پہننے کے دو کپڑے ہوں یا تھوڑا سا علم ہو، یا تھوڑا سا کمال ہو جتنا ہمارے پاس ہے، جتنا ہمیں دیا گیا ہے اس کے شکریہ کے لئے چونتیس[۳۴] سجدے ہی بہت ہیں۔ میں نے ایک لفظ کہا معنی گھر جا کر سوچئے گا۔ جتنا ہمارے پاس ہے ہماری آپ کی اوقات ہی کیا ہے اتنے سے شکریے کے واسطے چونتیس سجدے بھی چوبیس گھنٹے میں کر لئے جائیں تو غنیمت کر چلئے دینے والے کا شکریہ ادا ہو گیا۔ مگر جس کے پاس زمین سے لے کر آسمان تک کی طاقتیں ہوں، جس کے پاس دنیا سے لے کے جنّت تک کا اقتدار ہو وہ چونتیس سجدے کر کے کیسے سو جائیگا وہ ہماری طرح کا احسان فراموش نہیں ہے، اس کا حق ہے کہ رات بھر مصلّے پر کھڑا رہے اس کا فرض ہے کہ ہزار تکبیروں کی آوازیں سنائی دیں۔ (صلوات)

اکثر بیچارے نا فہم لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ نماز پڑھیں تو بات سمجھ میں آتی ہے حضوؐر کیوں پڑھتے تھے؟ حضوؐر کو کون سی جنّت کی پریشانی تھی؟ ہم چلئے نمازیں پڑھتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، ہمیں کرنا ہی چاہیئے جنّت خطرے میں پڑی ہوتی ہے؟ مگر جن کو خدا نے قسیم جنّت و نار بنایا ہے وہ ہزار رکعت کیوں پڑھا کرتے تھے۔ یہ بیچارا جیسے اپنی نمازوں کو بازار کا سودا سمجھتا ہے ویسے ہی ان کی بندگی کو بھی سمجھتا ہے کہ ایک جنّت لینا ہے اتنے سجدے دیدیں ایک کمرہ تو مل ہی جائے گا۔ اتنے روزے دیدیں ایک کوئی کونہ، گوشہ تو مل ہی جائے گا۔ یہ سمجھا کہ شاید مال دے کے مال لینا ہے۔ میں لفظ

کہہ رہا ہوں عزیزو غور کیجیے گا۔ ہمارا ذہن چونکہ پست ہے تو ہم سمجھے کہ بندگی دے کے جنّت لینا ہے تو جتنا لینا ہے اتنا دے دیا جائے کافی ہے۔ (توجہ کریں)، یعنی ہماری عبادتوں کی بنیاد یہ ہے کہ کچھ دے کے کچھ لینا ہے۔ ان کی عبادتوں کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ کچھ دے کے کچھ لینا ہے بلکہ کچھ لیا ہے لہٰذا کچھ دینا ہے۔ (صلوات) مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کچھ عبادتیں دے کے پروردگار سے جنّت لینا ہے، پروردگار نے اختیار جنّت دیا ہے لہٰذا مالک کا شکر ادا کرنا ہے۔ اس نکتے پر آپ توجہ رکھیں گے۔ ان کی بندگی کی بنیادیں الگ ہیں ہماری عبادتوں کا حال الگ ہے۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ اتنا عمل کریں گے تو جنّت میں دو چار درجات اور بڑھ جائیں گے، ان کا مسئلہ جنّت کے درجات کا نہیں ہے۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ خدا نے اتنا دے دیا ہے کہ رات بھر کھڑے رہنے کے بعد بھی سوچتے ہیں کہ احسانات کا حق ادا ہوا یا نہیں ہوا۔ (توجہ کریں) پانچ برس کی عمر میں منّت مان کر روزے رکھتے ہیں پھر بھی یہ سوچتے ہیں کہ خدا کے احسانات کا حق ادا ہوا یا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ ساری زندگی حد یہ ہے کہ سجدہ سے زندگی شروع ہوئی اور سجدہ پر تمام ہو گئی پھر بھی یہ کہتے رہے خدایا تیری بندگی کا حق ادا نہ ہو سکا اس لئے کہ ایک طرف اپنے سجدوں کو دیکھتے ہیں ایک طرف مالک کے کرم کو دیکھتے ہیں۔ وہ سودا نہیں کرتے ہیں شکر خدا کرتے ہیں۔ اسی لئے جب سرکارؐ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا اور حضورؐ سے کہا گیا آپ کیوں اتنی نمازیں پڑھتے ہیں، آپ کیوں اتنے روزے رکھتے ہیں، آپ کو کیا پریشانی ہے، جنّت آپ کے صدقے میں بنی ہے، کوثر آپ کا طفیل ہے اللہ نے آپ کو مالک بنایا

آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں ؟۔ فرمایا مسئلہ جنّت و کوثر کا نہیں ہے، کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کوئی سودا نہیں کر رہا ہوں میں شکر خدا کر رہا ہوں۔ میں اس لفظ کو بار بار بلاوجہ نہیں دُہرا رہا ہوں، ہمارے اور آپ کے حال میں اور معصوم کی زندگی میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ہماری ساری بندگی سودا ہے، کچھ دے کے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ ان کی ساری بندگی شکرِ خدا ہے۔ جو خدا نے دیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب منزلِ شکر میں آئے تو کہا خدایا تیری بندگی کا حق ادا نہ ہو سکا۔ اور جب لوگوں کو سودے کا خیال پیدا ہوا تو صاف لفظوں میں اسی سے کہا نہ تیری جنّت کے واسطے عبادت کی ہے، نہ تیرے جہنم کے خوف سے عبادت کی ہے، تجھے اہل پایا ہے تو سر جُھکایا ہے۔

تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ ہم خالی ہاتھ آئے دنیا میں ڈھیرے ڈھیرے کمالات ہماری زندگی میں شامل ہونے لگے۔ کوئی ہے دینے والا جتنے کمالات بھی دیدے، جتنے کمالات بھی مل جائیں، اور میں مسئلے کی وضاحت شاید آئندہ کبھی کروں گا لیکن ضمناً یہ بات یاد رکھئے گا ہمارے پاس جو کمال بھی ہے، وہ ہے واقعی پروردگار کا دیا ہوا، اس لئے کہ باقی سب تو خالی ہاتھ پہلے ہی سے ہیں میں آپ کو کیا دوں گا آپ مجھے کیا دیں گے، جس کے پاس جو کچھ ہے سب مالک کا دیا ہوا ہے اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا ہے، اگر زندگی ہے تو اسکی دی ہوئی ہے، اگر طاقتیں ہیں تو اس کی دی ہوئی ہیں۔ حد یہ ہے کہ جو روزی روٹی ہے، جو ہم روزانہ کھاتے ہیں یہ کس کا دیا ہوا ہے ؟ ہے کسی میں ہمّت جو کھڑے ہو کر

یہ کہہ دے کہ میں رزاق ہوں۔ ہر مسلمان کیا کہتا ہے" اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ" صاحب قوت، رزق دینے والا پروردگار ہے۔ تو آپ کے پاس جو روٹی ہے کس کی دی ہوئی ہے، خدا کی۔ میرے پاس جو روزی ہے خدا کی دی ہوئی ہے۔ اگر آپ کے پاس علم ہے مالک کا عطیہ ہے۔ اگر آپ کے پاس مال ہے پروردگار کا دیا ہوا ہے۔ تو جس کے پاس جو کچھ ہے (متوجہ رہیں آپ) جس کے پاس جو کچھ ہے سب یہ کہتے ہیں خدا کا دیا ہے لیکن کسی ایک سے پوچھئے کہ کوئی ایک آدمی مسلمان کھڑا ہو کے کہہ دے میرا خدا سے ایسا رابطہ ہے کہ چونکہ وہ دینے والا ہے لہٰذا بیچ میں کسی کو رکھتا نہیں ہے۔ بھئی دینے والا خدا لینے والا ہیں۔ دینے والا خدا لینے والے آپ۔ تو کیا مجبور ہو گیا ہے؟ آپ کو روٹی روزی دینا چاہے تو براہ راست بھی دے سکتا ہے۔ پروردگار! جب تو قادر مطلق ہے، براہ راست دے سکتا ہے تو اربابوں کا احسان ہماری گردن پر کیوں ہے؟ کہ جس نے تین سو درہم، ہم کو دیدیئے اسی نے ہم کو خرید لیا۔ جس نے چار سو تنخواہ کے دیدیئے اسی نے ہم کو خرید لیا۔ تو دینے والا ہے وہ یہ تو بیچارے خود ہی خالی ہاتھ آئے تھے۔ (توجہ کریں) پروردگار نے کہا مگر یہ میرا نظم کائنات ہے۔ کاش میری بات واضح ہو جائے (اس سے زیادہ نہ وقت ہے نہ وضاحت کروں گا) کاش یہ بات لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نظم کائنات ہے؟ پروردگار نے نظام بنا دیا ہے کہ دینے والا وہ ہے مگر کسی کو براہ راست نہیں دیتا۔ حد یہ ہے کہ وجود دینا تھا تو ماں باپ کو بیچ میں رکھ دیا۔ علم دینا تھا تو استاد کو درمیان میں رکھ دیا۔ روزی دلوانا ہوئی تو اربابوں کو بیچ میں رکھ دیا۔ یعنی عجیب بات ہے اتنے سب درمیان میں آئے (توجہ کریں میں کیا کہہ رہا ہوں) اتنے سب درمیان میں آئے،

وجود کے لئے ماں باپ درمیان میں آگئے۔ علم کے لئے استاد درمیان میں آگئے۔ روٹی روزی کے لئے ہم آپ درمیان میں آگئے۔ اتنے سب درمیان میں آگئے اور کسی نے جُھک کے استاد کو سلام کیا۔ کسی نے جُھک کے ماں باپ کو سلام کیا۔ کسی نے جُھک کے اپنے ارباب کو سلام کیا۔ کوئی نہ کہنے والا پیدا ہوا کہ یہ توحید کے خلاف ہے۔ اگر ایمان یہ ہے کہ دینے والا خدا ہے تو خدا کو سجدہ کرو، ان کو کیوں سلام کرتے ہو؟ یہ آجائیں تو ان کے لئے کیوں کھڑے ہو جاتے ہو؟ یہ سڑک سے گذر جائیں گھنٹوں کیوں کھڑے رہتے ہو؟ تمھارا دینے والا خدا ہے بس اسی کو سجدہ کرتے رہو، کوئی کہنے والا نہیں ہے سب کہتے ہیں نہیں، نہیں ہم تو جانتے ہیں دینے والا وہ ہے، مگر چونکہ باپ ماں کے ذریعہ وجود دیا ہے ان کا بھی احترام کریں گے۔ استاد کے ذریعہ علم دیا ہے اس کا بھی احترام کریں گے۔ ان کے ذریعہ پیسہ دیا ہے ان کا بھی احترام کریں گے۔ تو جن کے ذریعہ آپ کو ملے ان کا احترام آپ کریں مگر خلاف توحید نہ ہونے پائے۔ جن کے ذریعہ کُل کائنات کو ملے اگر کوئی اس کی تعظیم کے لئے تیار ہو جائے تو سب کو شرک نظر آنے لگتا ہے۔ اگر اسی کا نام شرک ہے تو دنیا میں مسلمان کوئی نہیں ہے۔ (صلوات)

تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ ہماری زندگی کے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ جو ہمارے اصل وجود کا مرحلہ ہے وہاں بھی ہم ایک اکیلے نہ تھے وہاں بھی ہم مرکب تھے۔

جب ہم دنیا میں آگئے تو ہماری انسانیت ہمارے وجود سے مل کر سامنے آئی پھر مرکب ہو گئے۔

اس کے بعد کمالات کی دنیا میں قدم رکھا تو کمال کا بھی یہی حال ہے کہ کوئی کمال ساتھ نہ آیا ہر طرح کی بے کمالی لے کے آئے اور باکمال بن گئے، کمالات ہمارے ساتھ لگے اسی کا طفیل صدقہ تھا کہ کمالات ساتھ آگئے۔ اگر حالات بدل جائیں گے تو آئے ہوئے کمالات پھر چلے جائیں گے، یہ ہماری زندگی کا دوسرا مرحلہ ہے یعنی منزل ذات میں بھی ہم اکیلے نہ تھے۔ اب اس سے زیادہ میں آپ کا وقت نہیں لوں گا باقی آپ خود جا کے غور کریں گے۔ منزل ذات میں بھی ہم اکیلے نہیں ہیں، ہماری انسانیت بھی ہے، ہمارا وجود بھی ہے۔ ہماری انسانیت بھی ہے ہماری زندگی بھی ہے وہاں بھی ہم اکیلے نہیں ہیں۔ جب صفات کی منزل آئی تو کوئی صفت ہمارے ساتھ نہ آئی سب ساتھ لگی ہیں۔ اور جب ساتھ لگ گئی تو پھر دو ہو گئے، ہم اور ہمارا علم، ہم اور ہماری قدرت، ہم اور ہماری حیات، ہم اور ہمارا کرم، ہم اور ہماری شجاعت، ہم اور ہماری سخاوت، یہ سب ہمارے ساتھ لگے ہیں، یعنی پھر دو ہو گئے۔ اس کے بعد اب منزل عمل آتی ہے جو عمل کرنا چاہتے ہیں۔ کہا کاش اتنی طاقت مل گئی ہوتی عمل ہی اکیلے انجام دے لیتے۔ یعنی عمل کی منزل میں ہی ایک دکھائی دیتے۔ ہم اکیلے عمل انجام دیں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ دو رکعت نماز پڑھنا چاہیں اور یہ چاہیں کہ پہلے نماز پڑھنے کا لباس ہم خود بنائیں گے اس کو پہن کے نماز پڑھیں گے تو میرے خیال میں جب تک میں وہ لباس تیار ہوگا نماز کے کام تو نہیں آئے گا شاید کفن کے کام آجائے۔ اس لئے کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آپ لباس کیسے تیار کریں گے؟ لباس تیار کرنے کے لئے پہلے اس مادہ کی زراعت کیسے کریں گے؟ زراعت کے بعد جب وہ

پیدا ہو جائے اس کے بعد وہ بنے گا، وہ کارخانہ کہاں سے آئے گا، وہ مشینیں
کون بنائے گا؟ تو کوئی ایک عمل چھوٹا سا انجام دینا چاہیں وہ بھی اکیلے انجام
دینا چاہیں تو انجام نہیں دے سکتے۔ بچاس ساتھ دینے والے ہوتے ہیں تب
جا کے کہیں ایک عمل انجام پاتا ہے، حد یہ ہے کہ دو لقمے روٹی کے جو آپ
کھاتے ہیں۔ یہ آپ کا خیال ہے کہ آپ سب سے بے نیاز ہیں، اگر پکانے
والے نے روٹی پکائی نہ ہوتی تو کھاتے کیا؟ (میری طرف متوجہ ہیں؟) اگر پکانے
والے نے روٹی نہ پکائی ہوتی تو آپ کھاتے کیا؟ یعنی ایک کھانے میں اس کے
محتاج جس نے روٹی بنائی، اور اگر کسی نے گندم کو آٹا نہ بنایا ہوتا تو یہ روٹی
آتے کہاں سے؟ تو اس کے بھی محتاج جس نے گندم کو آٹا بنایا ہے۔ اگر کسی
نے زراعت نہ کی ہوتی تو گندم کہاں سے آتا؟ اس کے بھی محتاج ہیں جس نے
زراعت کی ہے اگر زراعت کے آلات نہ بنے ہوتے تو زراعت ہوتی کیسے؟
جس نے آلات بنائے ہیں اس کے بھی محتاج۔ آگے چلے جائیے سینچائی کا
سامان جتنا جو کچھ ہے وہ عمل انجام دینا چاہتے ہیں کہیں تو استقلال نہ دیکھا
یعنی ہم زندگی کے جس مرحلے سے گذر رہے ہیں کوئی ایک جگہ ایسی نہیں ہے جہاں
کوئی دکھائی دی ہو۔ نہ اپنی ذات میں اکیلے نہ اپنے کمال میں اکیلے نہ اپنے عمل میں
اکیلے۔ میرے عزیزو! میرے بچو! اتنی دیر کی میری محنت ضائع نہ ہو، ہم نے
اپنی اوقات کو پہچان لیا، ہماری کمزوریوں کی بنیاد کیا ہے؟ تین مرحلوں سے
گذرے ہر جگہ مشترک، ہر جگہ محتاج، نہ ذات میں تنہا نہ صفات میں تنہا، نہ عمل
میں تنہا، یہ ہیں ہماری کمزوریاں۔ میرے مولا نے کہا اپنے کو پہچان لو، اپنے نفس

کو پہچان لو تو خدا کو پہچان لو گے۔ جب اپنے کو پہچان لیا کہیں اکیلے نہیں ہو۔ اب اسی نظام کو اُلٹ دو (میری محنت ضائع نہ ہو) اسی نظام کو اُلٹ دو، اگر خدا کی یکتائی کو، اس کی وحدانیت کو پہچاننا چاہتے ہو تو یوں پہچانو وہ ایسا ایک اکیلا ہے اپنی ذات میں بھی اکیلا ہے، اپنے کمالات میں بھی اکیلا ہے، اپنے اعمال و افعال میں بھی اکیلا ہے۔ نہ ذات اس کی مرکب ہے نہ صفات اس کے ساتھ آ کے لگے ہیں۔ نہ اپنے میں کسی کا محتاج ہے وہ کام لینا جانتا ہے مگر کام میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ (صلوات)

اسی لئے مولائے کائنات علی بن ابی طالب (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) جب آپ نے توحید پروردگار کی وضاحت کی تو کہا اگر توحید خدا کو سمجھنا چاہتے ہو تو یوں سمجھو کہ "نَفْیُ الصِّفَاتِ عَنْہُ" صفات کو بھی الگ کرو، یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمال نہیں ہے۔ صفات کو الگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ ویسا نہیں ہے جیسے تم ہو۔ یعنی ہم جب آئے تو علم ہمارے ساتھ نہیں تھا ہمارے ساتھ آکے لگا لہٰذا ہم کچھ اور، علم کچھ اور۔ ہم کچھ اور قدرت کچھ اور۔ ہم کچھ اور حیات کچھ اور۔ ہم کچھ اور کمال کچھ اور۔ تو جب دونوں الگ ہو جائیں تو بندہ جب دونوں الگ ہو جائیں تو مخلوق۔ اس لئے دینیات میں لکھا ہے خدا کے صفات زائد بر ذات نہیں ہیں۔ ہماری مجبوری کیا ہے جو دینیات میں لکھا تھا وہی رٹا دیا گیا وہی رٹ لیا اور عقیدہ مکمل ہو گیا۔ حد یہ ہے کہ اس کا لہجہ اگر فارسی تھا تو الفاظ بھی آج تک وہی یاد ہیں۔ نہ دیکھا کسی کتاب میں الفاظ ہی بدل دئے گئے ہوتے۔ میں نے کہا کہ پروردگار عالم کے خصوصیات میں یہ ہے کہ اس کے صفات زائد بر ذات

نہیں ہیں۔ زائد بر ذات یہی ترکیب پچاس سال سے چل رہی ہے۔ چاہے کوئی
زائد بر ذات کے ہجّے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، چاہے کوئی زائد بر ذات کے معنی جانتا
ہو یا نہ جانتا ہو، مگر یہی لفظ ہے جو بچّوں کو رٹا دیا گیا اور بچّوں نے رٹ لیا اور
یہ میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہماری مجبوری کیا ہے؟ کہ جب بچّہ نہیں
سمجھتا تو اسے یہ کہہ کے چھوڑ دیتے ہیں ابھی بچہ ہے جب بڑا ہو جائے گا تو خود
ہی سمجھ لے گا۔ اور جب بڑا ہو جاتا ہے تو وہ کتاب بھی دیکھنے کی نوبت نہیں
آتی جو بچپنے میں پڑھی تھی۔

میں اس جگہ ذرا ٹھہروں گا میری ذمہ داری کی جگہ ہے۔ ہم بچے تھے مکتب
میں، مدرسے میں، کسی مسجد میں، کسی معظمہ کے سامنے بٹھائے گئے، کیا پڑھنا ہے؟
قرآن پڑھنا ہے، دینیات پڑھنا ہے۔ ایک دینیات کی ۱۶ صفحے، ۲۰ صفحے، ۲۴ صفحے
کی کتاب ہمیں دے دی گئی۔ جو لکھا تھا پڑھا انھوں نے سنا۔ ہم تو پڑھنے کے
لائق بھی نہیں تھے کہ کیا لکھا ہوا ہے؟ استاد نے پڑھ پڑھ کے بتایا اس میں
لکھا ہے کلمہ، ہم سے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہم نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ کہا لکھا ہے
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہم نے کہا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ انھوں نے پڑھ کے بتا دیا ہم
نے اسی کو دُہرا دیا۔ ہم تو پڑھنے کے لائق بھی نہیں تھے۔ ایسے وقت جو پڑھنے
کے لائق بھی نہ ہو وہ کس معظمہ سے، کس معلّم سے پوچھے گا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی
کیا ہیں؟ اور غنیمت ہے استاد کی عزّت رہ جاتی ہے جو بچہ پلٹ کے نہیں پوچھتا
کہ حضور یاد تو کرا رہے ہیں بتاتے بھی تو چلیے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی کیا ہیں؟
اگر بچّے کہیں اتنے ہی ہوشیار پیدا ہو جائیں، ہو سکتا ہے اگلی صدی میں ہو بھی

جائے تو کتنے استادوں کی عزّت خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ جو رٹا رہے ہیں پہلے اس کے معنی تو سمجھائیے، اس کی حیثیت تو بتایئے، اُنھوں نے پڑھا دیا اِنھوں نے پڑھ لیا۔ ہم نے کہا بچّے کو بتا تو دیجئے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگے مولانا بات یہ ہے کہ ابھی وہ رٹ لے یہی کافی ہے ابھی وہ سمجھنے کے لائق نہیں ہے۔ وہ سمجھنے کے لائق کب ہوگا؟ کہا جب بڑا ہو جائے گا۔ دش۱۰ پندرہ۱۵، بیس۲۰ سال کا جب ہو جائے گا تو سمجھنے کے لائق ہو جائے گا۔ تو کبھی ایسا بھی کیجئے کہ استاد کا شاگرد تیس۳۰ کا جب ہو جائے تو ایک دن جمعہ کو یا اتوار کے دن جو چھٹی کا دن ہو اپنے پُرانے شاگرد کو بلائیے اور کہئے۔ برخوردار وہی کتاب لے کر آؤ جو کل رٹا یا تھا آج سمجھائیں گے۔ اب کہاں برخوردار قابو میں آنے والے ہیں اب تو استاد میں اتنی بھی ہمّت نہیں کہ برخوردار کہہ سکے۔ وہ دن چلے گئے وہ زمانہ پُرانا تھا جب استاد باپ ہوا کرتا تھا اور شاگرد اولاد کی جگہ پر ہوتے تھے اور اولاد کی مرمت بھی ہو جاتی تھی۔ اب تو زمانہ منقلب ہو گیا اور یہی انقلاب ہے جو زندہ باد ہے۔ غور کیا آپ نے وہ دن کب آئے گا وہ زمانہ کب آئے گا جب دوبارہ آدمی اپنی کتاب کو لے کے بیٹھے گا، کب سمجھنے کا دور آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا کل رَٹ لیا تھا وہی کل اوّل مذہب بنا وہی آخر بنا دوبارہ اسے پڑھنے کی نوبت ہی نہیں آتی کہ سمجھتے کہ اس کے معنی کیا ہیں، لہٰذا ایک لفظ ہے یاد کر لیا تھا کہ اس کے صفات زائد بر ذات نہیں ہیں یا اس کے صفات عین ذات ہیں لیکن صفات کے عین ذات ہونے کے معنی کیا ہوتے ہیں۔ نہ کل سمجھے تھے اور کتنے ایسے ہیں نہ بعد میں سمجھے۔ غور کیا آپ نے؟ میں نے اس لئے اتنا وقت آپ کا لیا ہے تاکہ آپ پہچانیں کہ

جس خدا کو ہم نے مانا ہے اس کی وحدانیت کیا ہے؟ اس کی توحید کیا ہے؟ جس پر ہم ایمان لے آئے ہیں اس توحید کا تصوّر اس کا مفہوم کیا ہے؟ جس کو ہم نے مانا ہے اور جس کو ماننے کے بعد ہم مسلمان ہوئے ہیں، کمال معرفت پروردگار یہی توحید الٰہی ہے جیسا کہ مولاؑ نے فرمایا ہے۔ اگر آپ یہاں تک متوجہ ہیں تو میں دو تین لفظیں گذارش کرکے بات کو مکمّل کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے اتنا فرق تو دیکھ لیا کہ ہم الگ ہمارا علم الگ۔ ہم الگ ہماری طاقت الگ۔ ہم الگ ہمارا کمال الگ۔ پروردگار اس ہستی کا نام ہے جس کی ہستی عین علم ہے، عین کمال ہے، عین قدرت ہے، عین حیات ہے۔ اس کے ساتھ زندگی وابستہ نہیں ہوئی ہے، اس کے ساتھ علم آکے ملا نہیں ہے اس لئے کہ اگر آکے ملا ہوتا تو کوئی ملانے والا ہوتا۔ جیسے ہم سے علم آکے ملا تو استاد نے ملایا۔ ہم سے دولت آکر ملی تو سرمایہ دار نے ملایا۔ ہم سے کوئی کمال آکے ملا تو ماں باپ یا بزرگوں نے لا کے ملایا۔ اگر خدا کے ساتھ بھی کمال آکے ملا ہوتا تو کوئی ملانے والا ہوتا اور جو ملانے والا ہوتا وہی خدا ہوتا تو یہ خدا خدا نہیں ہوتا اس لئے کہ محتاج خدا نہیں ہوتا بے نیاز خدا ہوتا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ خدا بے نیاز ہے خدا کسی کا محتاج نہیں ہے لہٰذا اس کے کمال کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ عین حیات، عین علم، عین قدرت، عین کمال اس کے علاوہ الگ سے کوئی چیز نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کوئی مجھ سے پوچھے کہ یہ عین علم کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ عین حیات کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ عین قدرت کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ تو میں بھی خالی الفاظ ہی جانتا ہوں جو آپ کے حوالے کر سکتا ہوں، اس سے زیادہ نہ سمجھ سکتا ہوں نہ سمجھا سکتا ہوں۔ ذات واجب کو کون سمجھے گا؟ پروردگار کی عظمت و حقیقت

کو کون پہچانے گا؟ لیکن ایک لفظ عرض کرنا ہے پروردگار کہ ہم جیسے لوگ جن کا کمال ہم سے ملا (توجہ کریں میری محنت ضائع نہ ہو میں کوشش کروں گا کہ اپنے بچوں کو سمجھا سکوں)، ہم جیسے لوگ جن کا کمال ہم سے آکے ملا۔ ہماری پہچان وہ ہے ملنے کے معنی ہیں کہ پہلے نہیں تھا بعد میں ہو گیا یہی ملنے کے معنی ہیں۔ پروردگار تیرا کمال تو عین ذات ہے۔ یہ عین ذات جو کمال ہوتا ہے یہ کیسا ہوتا ہے۔ جس کا کمال عین ذات ہوتا ہے مالک وہ باکمال کیسا ہوتا ہے؟ کہا یہ تو تم نہ سمجھو گے، یہ تمھاری سمجھ سے بالاتر مسئلہ ہے کہ جس کا کمال عین ذات ہو وہ کیسا باکمال ہوگا جن کا کمال ذات سے ملا یا جاتا ہے۔ ابھی تم انھیں کے کمالات کو نہیں سمجھے (توجہ فرما رہے ہیں) ابھی تم انھیں کے کمالات کو نہیں سمجھے تم نے اپنی زندگی کو دیکھا ہے جو تم کو اس وقت ملی جب سو دیکھنے والے تھے نہیں ارباب کرم آپ میری طرف متوجہ رہیں مسئلہ بہت دقیق ہے مگر سمجھنا بہت ضروری ہے۔ دیکھئے ہم سے زندگی ملی جب ہم پیدا ہوئے۔ ایک آدمی اگر ۱۹۷۰ء میں پیدا ہوا تو اس کے ساتھ زندگی ملی ۱۹۷۰ء میں۔ جب ۱۹۷۰ء میں زندگی اس کے ساتھ ملائی گئی تو ایک لاکھ دیکھنے والے موجود تھے (توجہ کریں) اگر ایک لاکھ نہ سہی تو خاندان کے سو پچاس تو تھے جن کو یہ معلوم ہے کہ ۱۹۷۰ء میں یہ پیدا ہوئے ہیں یعنی اس سے پہلے عدم، اب آیا وجود۔ اس سے پہلے کچھ نہیں ہے اب آئی زندگی۔ تو جن کی زندگی ملی ہے ان کے دیکھنے والے موجود تھے۔ لہٰذا ہم سمجھ گئے کہ زندگی کیسے ملتی ہے۔ جس نے بچپنے سے ہم کو زمین پر پڑا دیکھا ہے جب وہ سڑک پر چلتا دیکھتا ہے تو وہ سمجھ جائے گا کہ طاقت کیسے ملتی ہے۔ جس نے ہمارے بچپنے کی جہالت دیکھی ہے اور بعد میں تقریر

کرتے دیکھا ہے وہ سمجھ گیا کہ علم کیسے ملتا ہے لیکن کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن سے کمال ملایا گیا ہے ان کا بھی کمال عین ذات نہیں ہے ان کا بھی کمال کسی کا دیا ہوا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ دینے والے نے اس وقت دیا جب کوئی دیکھنے والا نہ تھا کسی نے انھیں بھی وجود دیا ہے۔ کسی نے انھیں بھی علم دیا ہے۔ کسی نے انھیں بھی طاقت دی ہے مگر دینے والے نے اس وقت دیا جب نہ لاکھوں میں، نہ ہزاروں میں، نہ سیکڑوں میں، نہ دس، نہ ایک، نہ آدھا کوئی نہیں تھا جو دیکھنے والا ہوتا کہ دینے والا کیا دے رہا ہے اور لینے والا کیا لے رہا ہے (توجہ کریں) حالانکہ یہ عین علم ہے نہیں، انھیں علم دیا گیا ہے، انھیں طاقت دی گئی ہے۔ تو عزیزانِ محترم! جب ہم نے انھیں نہ پہچانا جنھیں کمال دیا گیا ہے مگر ہماری پیدائش سے پہلے ملا ہے۔ نہ ان کے وجود کی ابتدا معلوم ہے نہ ان کے کمال کی ابتدا معلوم ہے۔ نہ ان کے علم و فضل کی ابتدا معلوم ہے۔ جب ان بندوں کو نہ پہچان سکے جنھیں دیا گیا ہے تو اسے کیا پہچانیں گے جو دینے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سامنے ہم آپ نہیں جن کو اتنا دیا وہ بھی کھڑے ہو کے کہتے ہیں مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ پروردگار تیری معرفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا، تو نے تو پیدائش کے ساتھ دیا مگر تو تو پہلے سے تھا جب ہی تو دیا (توجہ کریں)، تو مالک نے اپنے کمال کو پہچنوانے کے لئے ایسے باکمال سامنے رکھ دیئے۔ بس میں نے بات کو سمیٹ لیا اپنے کمال کو سمجھانے کے لئے ایسے باکمال بندے بنا دیئے اور ان کو ہماری محفل میں رکھ دیا۔ تم میری زندگی کو کیا پہچانو گے، پہلے ان کی زندگی بتاؤ کب سے ہے؟ جب مخلوق کا آغاز نہیں معلوم ہے تو خالق کا آغاز کیا پہچانو گے؟ پہلے انھیں پہچانو ان کے پاس کتنا علم ہے؟

جب مخلوق کا علم نہ پہچانو گے تو خالق کا علم کیا پہچانو گے؟ پہلے انھیں پہچانو انکی انگلیوں میں کتنی طاقت ہے؟ تب اندازہ ہوگا جس نے یہ طاقت رکھی ہے اس کی قدرت کیا ہوگی؟ تو ہمارے لئے اتنا ہی بہت ہے کہ جو کمال لینے والے ہیں انھیں پہچان لیں۔ اسے تو وہی پہچانیں گے جو اتنے بڑے باکمال ہوں گے۔ (صلوات)

بلاسبب عالم انوار سے آنے والوں نے اعلان نہیں کیا بِنَا عُرِفَ اللّٰہُ ہمارے ذریعہ خدا پہچانا گیا۔ ہمارے ذریعہ معرفت پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ ہم نہ سمجھائیں گے تو تم کیا سمجھو گے؟ ہم اگر نہ بتائیں گے تو تمھیں کیسے معلوم ہوگا؟ یہ ہے پروردگار عالم کا وہ کمال جس کو کوئی مخلوق سمجھ نہیں سکتی ہے جن کو اللہ نے سمجھا دیا، جن کو مالک نے بتا کے بھیج دیا، جنھیں معلم معرفت بنایا ان کے ذریعہ ہم نے پہچانا اور ان کی لفظوں سے نہ پہچانا ان کے وجود کو دیکھ کے پہچانا۔

بس میں نے بات تمام کردی۔ ایک جملہ خاتمۂ کلام میں عرض کرنا ہے، باقی اگر مناسب ہوگا تو کل گذارش کروں گا۔

ایک بچہ جس کو آپ نے دیکھا کہ پہلی کتاب پڑھ رہا ہے پوچھا بیٹا تمھارا استاد کون ہے؟ کہا فلاں صاحب۔ ان کو معلوم ہوگیا کہ ان صاحب کے پاس اتنا علم تو بہرحال ہے کہ پہلی کتاب پڑھا لی۔ آپ نے غور نہیں کیا میں نے کیا کہا ایک کتاب الف، ب یا A, B, C, D یا جو بھی ہے ایک بچہ پڑھ رہا ہے اور بتایا کہ فلاں صاحب سے پڑھتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں صاحب کے پاس اتنا علم تو تھا کہ انھوں نے اس بچہ کو الف، ب پڑھا دیا، اس سے زیادہ

ہے یا نہیں میں نہیں جانتا۔ (توجہ کریں)۔ ایک بچہ کے ہاتھ میں آپ نے دوسری کتاب دیکھی، پوچھا تمھارا استاد کون ہے؟ کہا فلاں صاحب۔ ہم سمجھ گئے کہ ان کے پاس اتنا تو ہے کہ دوسری کتاب پڑھا لیتے ہیں۔ ایک بچے کے پاس پانچویں کتاب دیکھی پوچھا بیٹا تمھارا استاد کون ہے؟ کہا فلاں صاحب۔ اتنا سمجھے کہ فلاں کے پاس اتنا علم تو ہے ہی کہ پانچویں کتاب پڑھا لیتا ہے۔ غور کیا آپ نے؟ یہی وجہ ہے پرائمری اسکول میں ٹیچر بننے کے بعد ہو سکتا ہے کہ بہت باکمال ہو۔ مگر شاگردوں کو دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ اتنا تو ہے کہ ان کو پڑھا لیتا ہے (توجہ کریں)، مگر جو اسکول میں پڑھانے والا ہے اس کے پاس اتنا ہے کہ اسے پڑھا لیا، جو کالج میں پڑھانے والا ہے اس کے پاس اتنا ہے کہ کالج والے کو پڑھایا، جو یونیورسٹی کا استاد ہے اتنا اس کے پاس ہے کہ انھیں پڑھایا۔ تو جو الگ سے استاد کو نہیں پہچانتے، (کاش میری اتنی دیر کی محنت ضائع نہ ہو) جو الگ سے استاد کو نہیں پہچانتے وہ شاگرد کو دیکھ کے اتنا ہی تو پہچانیں گے کہ استاد کو اتنا آتا ہے کہ انھیں پڑھا لیا تو جتنا اونچا شاگرد ہوگا اتنی ہی زیادہ استاد کی معرفت حاصل ہوگی اتنا باکمال ہے کہ انھیں پڑھاتا ہے اتنا باکمال کہ انھیں پڑھایا۔ لہٰذا اگر واقعاً کمال پروردگار کو پہچاننا ہے تو کمالِ علمِ خدا، اسکولوں کے طالب علموں سے نہیں معلوم ہوگا، کالجوں کے اساتذہ سے نہیں معلوم ہوگا جو آکے چار لفظیں یہاں پڑھ گئے ہیں ان سے کمال علم خدا نہیں معلوم ہوگا۔ ایسے بندے ملیں گے کہ جب لینے والا شاگرد منبر پر آکے کہے جو چاہو دریافت کرو، تب سوچنا پڑتا ہے کہ جس نے انھیں پڑھایا ہوگا وہ کیسا ہوگا۔ جب طاقت لینے والا اشارہ کر کے مغرب سے آفتاب پلٹا لے

والا کیسا ہو گا؟ جب ایک روٹی سوچنا پڑتا ہے کہ ان انگلیوں میں زور دینے والا کیسا ہو گا؟ جب ایک روٹی
تب سوچنا پڑتا ہے کہ ان انگلیوں میں زور دینے
سائل کو اونٹوں کی قطار دے دی جائے تب اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں کریم بنانے
والے سائل کو اونٹوں کی قطار دے دی جائے تب اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں کریم بنانے
والا کتنا کریم ہو گا؟ تو اگر کچھ کمال پروردگار کو پہچاننا ہے تو بغیر آلِ محمدؑ کے کمالِ پروردگار
نہ پہچانا جائے گا۔ (صلوات)

جس کا سر چار پیسوں کے آگے جھک جاتا ہو اس کے سجدوں سے مسجود کی عظمت سمجھ میں آئے گی؟ جو اپنے کو دولت دنیا کے عوض بیچے ڈالتا ہو اس کی بیعت سے کسی کی عظمت کا اندازہ ہو گا؟ جب اللہ کے وہ بندے میدان عمل میں قدم رکھتے ہیں جن کی نگاہ میں دنیا کی کوئی اوقات نہیں ہوتی ہے جن کا سر دنیا کی کوئی طاقت نہیں جھکا سکتی جب وہ اپنا سر کسی کے سامنے سجدہ میں جھکا دیتے ہیں تب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مالک کس عظمت کا مالک ہو گا؟ یا واضح لفظوں میں کہا جائے ہم صبح سے شام تک کہتے رہیں سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، ہم صبح سے شام تک سر سجدہ میں رکھ کر کہیں سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ ہم اعلیٰ کے معنی ہی نہیں جانتے ہیں ہمارے سجدوں سے اس کی بلندی کیسے پہچانی جائے مگر واقعاً جو خود اتنے اونچے ہوں کہ بنانے والے نے انھیں علی ہی بنایا ہو۔ جب وہ کعبہ کی زمین پر قدم رکھ کے سَر سجدہ میں رکھیں گے تب اندازہ ہو گا کہ جس کا بنایا ہوا عالی و علی ہو گا وہ یقیناً ربِّ اعلیٰ ہو گا۔ عظمت پروردگار کو ان سے پہچانا ہے، صاحب خلق عظیم بندہ ہو گا تو جس نے اس کو صاحب خلق عظیم بنایا ہے وہ رَبِّیَ الْعَظِیْم ہو گا۔ اگر عظمت پروردگار کو پہچاننا ہے تو ان کے ذریعہ اس کی بلندیوں کا اندازہ کرنا ہے تو ان بندوں کے ذریعہ جن کو مالک نے ایسا صاحب عظمت اور ایسا باکمال بنایا ہے کہ ان کا وجود، ان کی زندگی،

ان کا نطق، ان کا بیان، ان کا عمل، یہ سب علامتیں ہیں جن سے پروردگار کی عظمت اور اس کی وحدانیت کو پہچانا جاسکتا ہے۔ جب انھوں نے کسی کے سامنے سر نہ جھکایا اور ایک بارگاہ میں ہمیشہ سر جھکاتے رہے تب یہ اندازہ ہوا کہ وہی اس قابل ہے کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے اور سر بھی جھکائے بندہ تو یوں سر جھکائے کہ مالک کے سامنے یہ سر جھک جائے تو پھر دوبارہ نہ اٹھے۔ یہی وہ سجدے ہیں جو کھینچ کر مسجود تک لے جاتے ہیں۔ یہی وہ عبادتیں ہیں جو معبود کی عبادتوں کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ وہی پروردگار اسی کی عظمت، اسی کی اطاعت کے لئے ساری دنیا چھوٹ جائے مگر دامنِ توحید ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے۔ یہی عزم تھا جو نبیؐ کے نواسے کو وطن سے باہر نکال رہا تھا۔

دنیا عظمت پروردگار سے اس قدر غافل ہوگئی جاہل باعظمت ہوگئے۔ بے کمال اپنی عظمتوں کا کلمہ پڑھوانے لگے جو دین کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہ دین کو بنی ہاشم کا کھیل تماشہ کہنے لگے۔ جب ایسا وقت دین خدا پر آجائے تو پروردگار عالم نے جن بندوں کو وہ صلاحیتیں اور طاقتیں دی تھیں ان کی ذمہ داری تھی جس سے یہ طاقتیں لی ہیں اسی کی راہ میں قربان کردیں کہ توحید محفوظ رہ جائے، ہماری زندگی رہے نہ رہے اس لئے جب اٹھے تو پورے عزم کے ساتھ اٹھے۔ اکیلے نہیں اس راہ میں جتنی قربانیاں درکار ہوں گی ساری قربانیاں پیش کردی جائیں گی۔ بچّو تم بھی چلو، بی بیو تم بھی چلو، جوانو تم بھی اٹھو، جو بڑے ہیں وہ بھی آجائیں، جو انصار ہیں وہ بھی آجائیں، جو اصحاب ہیں وہ بھی آجائیں، جو بنی ہاشم کے جوان ہیں وہ بھی آجائیں، جو گود کے پالے ہیں وہ بھی ساتھ چلیں، جو دل کے ٹکڑے ہیں وہ

بھی ساتھ چلیں تاکہ جب یہ سب قربان ہو جائیں تو عظمت دین پروردگار کا احساس پیدا ہو۔

وہ وقت آیا جب دین خدا اس خطرے کی منزل میں آ گیا کہ جہاں نبیؐ کے نواسے سے باطل کے ہاتھ پر بیعت کا مطالبہ کیا گیا اور فرزند رسولؐ نے واضح لفظوں میں اعلان کر دیا، یہ ہاتھ کسی ہاتھ پر رکھا نہیں جا سکتا، یہ سر کسی ظالم کے سامنے، کسی نااہل کے سامنے جھک نہیں سکتا اور یہ طے ہو گیا کہ اب وطن رہنے کے لائق نہیں ہے۔ آئے بیت الشرف میں دربار ولیدؑ سے واپس آئے۔ بہن، سفر کی تیاری کرو! اب مدینہ رہنے کے لائق نہیں ہے، ہمیں کل وطن چھوڑ دینا ہو گا۔ میں نے کل بھی عرض کیا تھا کہ فرزند رسولؐ پہلے ایک ایک قبر پر گئے۔ ماں کی قبر سے رخصت ہوئے، بھائی کو الوداع کہا نانا کی قبر پر آئے نانا سے رخصت ہوئے۔ بیت الشرف میں آنے کے بعد کبھی جناب ام سلمہؓ کے پاس بیٹھے ہیں کبھی اپنے بھائی محمد حنفیہ سے گفتگو کر رہے ہیں کبھی کسی اور سے محو گفتگو ہیں، ایک ایک کو خبر کر رہے ہیں کل جانے کا وقت ہے کل سفر شروع ہونے والا ہے۔ اب یہ سفر کہاں تمام ہو گا یہ حسینؑ جانتے ہیں، اور نہیں چاہتے کہ دنیا بے خبر رہ جائے۔ لہٰذا جس کو اہل دیکھا اسے بتا بھی دیا کہ یہ سفر شہادت پر تمام ہونے والا ہے، حد یہ ہے کہ جناب ام سلمہؓ کو وہ جگہ دکھلا دی کہ جہاں میرا سر قلم ہونے والا ہے نانی یہ جگہ بھی دیکھ لیں کہ جہاں آپ کا لال راہِ خدا میں قربان ہونے والا ہے۔ ابن عباس کو بتایا، محمد حنفیہ کو بتایا۔ جناب محمد حنفیہ نے کہا مولاؑ! اگر آپ نے طے کر لیا ہے کہ سفر پر جانا ہے تو میرا خیال ہے کہ آپ مکہ چلے جائیں۔ مکہ میں امن و امان کے امکانات زیادہ پائے

جاتے ہیں؟ فرمایا، آپ مجھے مشورہ نہ دیں، میرا موضوع جان بچانا نہیں ہے، میرا موضوع ایمان بچانا ہے، میرا موضوع نانا کے دین کو بچانا ہے۔ اگر نانا کا دین قربانی چاہتا ہے تو میں گلا کٹا دوں گا۔ میں بھرے گھر کو قربان کر دوں گا حسینؑ اپنے عزم کا اعلان کرتے رہے، اپنے ارادہ کو واضح کرتے رہے یہانتک کہ ۲۸ رجب کی صبح آگئی اور وہ وقت آیا ہے کہ جب مدینہ سے حسین کا قافلہ روانہ ہونے والا ہے۔ پانچ سات منٹ اور مجلس تمام ہو رہی ہے روایت آپ برابر سنتے ہیں۔ صاحب معالی السبطین نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ایک فقرہ ہے اس روایت میں جو اس سے پہلے میں نے عرض نہیں کیا ہے اس سال گذارش کرنا ہے اور اسی منزل پر بیان کو تمام ہو جانا ہے۔ دس پانچ منٹ میں آپ بہت روئیں گے۔ بہت مثاب ہوں گے۔ اب محرّم کا آغاز ہو گیا۔ میں تذکرہ، قبلِ محرم کے مصائب کا کر رہا ہوں۔ ۲۸ رجب کو حسینؑ کا قافلہ تیار ہو گیا مدینہ سے چلنے کے واسطے۔ عبداللہ بن سنان کوفی کہتا ہے، میں اتفاق سے اسی دن مدینہ وارد ہوا جس دن نبیؐ کا لال وطن چھوڑنے والا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مدینے کے حالات کچھ بدلے ہوئے ہیں، ہر چہرے پر اُداسی ہے، ہر طرف مایوسی کا عالم ہے، ہر آدمی پریشان دکھائی دے رہا ہے۔ میں نے پوچھا بھائیو! یہ اُداسی کیسی ہے؟ یہ پریشانی کیسی ہے؟ کہا کیا تم مسافر ہو؟ کہا میں تو کوفے کا رہنے والا ہوں۔ کہا تمھیں نہیں معلوم آج مدینہ اُجڑ رہا ہے، آج نبی کا مدینہ ویران ہو رہا ہے، جانِ مدینہ حسین بن علیؑ وطن چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ عبداللہ کہتا ہے کہ مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی چل کے دیکھوں کہ نبیؐ کا لال وطن کیسے چھوڑتا ہے؟ وطن والے جانِ مدینہ کو کیسے رخصت کرتے ہیں؟

بس ارباب عزا، عبد اللہ کہتا ہے ۔ میں آ کے دور کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا دو ہاشمی جوان بیت الشرف سے برآمد ہوئے اور ایک ہی آواز دیتے ہوئے ہٹو دور ہٹو۔ بیت الشرف کے دروازے سے دور ہٹ جاؤ، اس لئے کہ سیدانیوں کی سواریاں یہاں آنے والی ہیں، نبی زادیاں سوار ہونے جا رہی ہیں۔ سارے مجمع کو پیچھے ہٹایا۔ جب مجمع پیچھے ہٹ گیا اب اس کے بعد ایک ایک ناقہ لا کے بٹھایا جاتا ہے۔ ایک ایک معظمہ بیت الشرف سے برآمد ہوتی ہے اور آ کے محمل میں سوار ہو جاتی ہے۔ ایک معظمہ آئیں ایک کمسن تیرہ [۱۳] سال کا بچہ معظمہ کے ساتھ آیا اور پردہ محمل کو اٹھایا جب معظمہ سوار ہو گئیں میں نے کسی سے پوچھا یہ کون سوار ہوئیں؟ کس نے اہتمام کیا؟ کہا یتیم حسنؑ اہتمام کر رہا ہے اور ام فروہ سوار ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک کڑیل جوان آگے بڑھا ایک معظمہ بیت الشرف سے برآمد ہوئیں جب وہ سوار ہو گئیں میں نے پوچھا یہ کون تھا؟ کہا یہ حسینؑ کا لال شبیہ پیغمبرؐ علی اکبرؑ ہیں اور اپنی مادرِ گرامی کو سوار کرا رہے تھے۔ بس رونے والو میں روایت کو مختصر کر رہا ہوں۔ ایک جملہ سُنانے کے واسطے عبد اللہ کہتا ہے:

اس کے بعد ایک ناقہ اور لا کے بٹھایا گیا۔ ایک معظمہ بیت الشرف سے سیاہ چادر اوڑھے ہوئے برآمد ہوئیں۔ ایک جوان نے بڑھ کے سہارا دیا۔ جب محمل میں سوار ہو گئیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا فاطمہؑ کی چھوٹی بیٹی ام کلثوم سوار ہوئیں عباس نے سہارا دے کر سوار کیا۔ مگر اس کے بعد عبد اللہ کہتا ہے اب میں نے دیکھا ایک ناقہ جو لا کے بٹھایا گیا تو ابھی تک بنی ہاشم کے نوجوان انتظامات میں مصروف تھے اور حسینؑ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ حسینؑ کرسی پر

بیٹھے بیٹھے نگرانی کر رہے تھے مگر اب میں نے دیکھا اب جو ناقہ لا کے بٹھایا گیا اور دروازے کا پردہ ہٹا جیسے ہی ایک معظمہ برآمد ہوئیں حسین اپنی جگہ سے اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ کسی نے بڑھ کے نعلین سنبھالی، کسی نے پردہ محمل اٹھایا، کسی نے بازو تھامے۔ جب معظمہ سوار ہو گئیں میں نے پوچھا یہ کون ؟ کہا علیؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ ! بنی ہاشم کے جوانوں نے سہارا دیا۔ زینبؑ سوار ہو گئیں۔ جب سارا قافلہ تیار ہو گیا اور آگے بڑھنے لگا تو ایکمرتبہ حسینؑ نے دائیں بائیں دیکھا اور جو پورے قافلہ کی سواری کا مہتمم تھا اپنا قوت بازو جسے کربلا میں علمدار بنانا ہے حسینؑ نے مڑ کے دیکھا کہا عباسؑ! اَقدِّم جَوادِیْ اب میرے راہوار کو لاؤ بھیا اب میری سواری کو لاؤ تاکہ میں بھی سوار ہو جاؤں۔ عباسؑ راہوار کو لے کے مولاؑ کے سامنے آئے، حسینؑ سوار ہوئے یہ ۲۸ رجب تھی۔ مگر جب عاشور محرم میں عصر کا ہنگام آیا اور رخصت آخر کے بعد خیمے سے برآمد ہوئے تو کہا اَیُّکُم یُقدِّمُ جَوادِیْ ارے ہے کوئی جو مجھے بھی گھوڑے پر سوار کرا دے۔ اب تو فرات کے کنارے سے کوئی نہ آئے گا۔ خیمے کا پردہ اٹھا آواز آئی بھیّا گھبرائیے گا نہیں ابھی زینبؑ زندہ ہے۔ بہن آگے بڑھی، بازو تھاما، بھائی کو سوار کرایا۔ یہ تو میدان میں جانے کا منظر تھا اب جو گھوڑے سے گرنے کا وقت آیا تو ماں نے آواز دی آ میرے لال، آ میرے حسینؑ! فاطمہؑ مقتل میں آگئیں اپنے لال کا استقبال کرنے کے لئے۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

مجلس ۴

دلائلِ توحید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ قُلۡ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا۔ (صلوات)

"پیغمبرؐ! آپ کہہ دیں کہ میں تمھیں جیسا ایک انسان ہوں۔ مگر میری طرف مسلسل یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمھارا معبود برحق ایک ہے جو اس سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے، اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک قرار نہ دے۔"

آیۂ کریمہ کے ذیل میں توحید فی الاسلام کے ذیل میں جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے تیسرے مرحلے پر کچھ باتیں دلائل توحید سے متعلق گذارش کرنا ہیں۔

میں نے روز اوّل یہ عرض کیا تھا کہ شاید میرے بہت سے سننے والے ایسے ہوں گے جن کے لئے موضوع ہی اجنبی ہوگا۔ مگر چونکہ اسلام کے سارے عقائد کی بنیاد ہے توحیدِ پروردگار۔ لہٰذا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ توحید پروردگار کے معنی سمجھے اور

توحید پروردگار پر ایمان لے آئے۔ اس کے بغیر کسی ایمان، کسی اسلام کی کوئی قیمت اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں ابھی عرض کروں گا تھوڑی دیر کے بعد کہ توحید پروردگار کو نہ پہچاننے کے نتائج کیا ہیں؟ اور کتنی حماقتیں اسلامی معاشرہ میں اور اسلامی دنیا میں سامنے آتی ہیں، فقط اس بنیاد پر کہ انسان توحید کے معنی نہیں جانتا اور اس سے بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان غلطی کرتا ہے اور دس آدمی اس کی تائید کرتے ہیں، اس لئے کہ نہ اسے معلوم ہے کہ توحید کے معنی کیا ہیں، نہ اسے معلوم ہے توحید کا مطلب کیا ہے؟ ورنہ اگر انسان توحید پروردگار سے آشنا ہوتا اور عظمت پروردگار کو پہچانتا ہوتا تو عالم اسلام میں کبھی اس طرح کی غلطیاں نہ ہوتیں، جیسی غلطیاں اکثر اوقات دیکھنے میں آتی ہیں اور جس کی وضاحت وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں گذارش کرتا رہوں گا۔

دلائل توحید کے ذیل میں ایک چھوٹی سی بات ابتداءً گذارش کرنا ہے جس کے الفاظ تو بہت دقیق ہیں لیکن معنی بہت بسیط اور واضح ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ جن مسائل کو سمجھنے کے بعد دلائل کی ضرورت ہوتی ہے. اگر کوئی دلیل نہیں ہے تو وہ مسئلہ قابل قبول نہیں ہوتا لیکن بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان مسائل کو سمجھ لیا جائے تو مسئلہ خود اپنے وجود کی دلیل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ مجھے اس فرش پر بیٹھا ہوا دیکھیں اور کوئی صاحب آپ سے کہیں یہ بہترین تقریر کرتے ہیں، آپ کو چاہیئے کہ آپ دلیل پیش کریں اس لئے کہ اس نے مجھے خاموش دیکھا ہے۔ جس نے مجھے فرش پر خاموش بیٹھے ہوئے دیکھا ہے وہ خالی آپ کے کہنے سے مان لے کہ یہ بولنا جانتے ہیں، خطابت جانتے ہیں اس کو نہ ماننے کا حق ہے

نہ آپ کو زبردستی منوانے کا حق ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ ثبوت فراہم کریں کہ یہ آدمی بولنا جانتا ہے۔ لیکن جس وقت میں منبر پر بیٹھا ہوا تقریر کر رہا ہوں اگر اسوقت کوئی آدمی کہے کہ یہ تقریر کرنا جانتے ہیں اور آپ اس سے کہیں کہ ثبوت لے آئیے تو ثبوت مانگنے والا دیوانہ کہا جائے گا، دعویٰ کرنے والا دیوانہ نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ جس نے دیکھ لیا ہے۔ بولتے ہوئے وہ جانتا ہے کہ یہ بولنا جانتے ہیں۔ اچھا بولتے ہیں غلط بولتے ہیں وہ الگ مسئلہ ہے مگر بولنا جانتے ہیں۔ یعنی بعض مسائل ایسے ہیں کہ مسئلے کو نہ سمجھا جائے یہ ایک الگ بات ہے، لیکن اگر مسئلے کو سمجھ لیا جائے تو مسئلے کا سمجھنا ہی مسئلے کی دلیل ہے۔ (صلوات)

ایسی بے شمار باتیں ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں ان سب کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ سارا وقت اسی مسئلے میں ختم ہو جائے گا۔ بعض ایسے مسائل ہوتے ہیں کہ جن کو سمجھنا ہی اصل کام ہوتا ہے سمجھنے کے بعد کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

ایک چھوٹی سی بات اپنے بچّوں کے لئے گذارش کروں، ایک صاحب نے کہا کہ آپ جو یہ کہتے ہیں اور آپ مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَیئٍ قَدِیُر اللہ ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز کا اختیار رکھتا ہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ تو کیا واقعاً آپ کا خدا ایسا ہے کہ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ ہم نے کہا یقیناً ہمارا خدا ایسا ہے کہ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ کہنے لگے وہ اگر دوسرا خدا بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے یا نہیں؟ دیکھا آپ نے یہ میرے دعوے کی پہلی دلیل، یہ بیچارا خدا کے معنی ہی نہیں جانتا، اگر لفظ خدا ہی کے معنی جانتا ہوتا تو یہ سوال نہ کرتا۔ مگر چونکہ خدا کے معنی نہیں جانتا لہٰذا سوال کرتا ہے یہ خدا دوسرا خدا بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے

کہا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر چیز پر قادر نہیں ہے اور اگر بنا سکتا ہے تو اس کا مطلب ہے دو خدا ہو سکتے ہیں اب مسلمان پریشان ہیں کہ دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں ؟ اس لئے کہ نہ پوچھنے والے کو معلوم ہے نہ سننے والے کو معلوم ہے دونوں پریشان ہیں۔ مجھ سے اگر آپ پوچھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا پروردگار اس بات پر قادر ہے کہ وہ دوسرا خدا بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے مگر بدنصیبی اس کی ہے کہ جو بنے گا جب بنے گا تو خدا کہے جانے کے لائق نہ ہوگا۔ خدا اسے کہا جاتا ہے جو بنانے والا ہوتا ہے، خدا وہ نہیں ہوتا جس کو کوئی بناتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بننے والے میں بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بنانے والے میں بنانے کی طاقت نہیں ہے۔ (صلوات)

آپ مسئلے کو ادھر سے نہ سوچیں کہ وہ طاقت رکھتا ہے یا نہیں ؟ مسئلہ یہ ہے کہ کام ہو بھی سکتا ہے یا نہیں، یا خالی آپ نے دو لفظیں استعمال کی ہیں، خدا بنا سکتا ہے یا نہیں ؟ آپ سمجھے، خدا صرف تین حرفوں کا نام ہے۔ اگر خدا تین حرفوں کا نام ہوتا، وہ تو ہم بھی بنا سکتے ہیں وہ تو بڑی چیز ہے۔ لیکن اگر خدا کسی ایسی ہستی کا نام ہو جو کائنات کو بنانے والی ہو تو اس کا بنانے والا کوئی پیدا ہو گیا تو یہ خدا کیسے ہوگا؟

غور کیا آپ نے ؟۔ اگر یہاں تک آپ میرے ساتھ چلے ہیں تو اب پڑھئے قرآن مجید کی آیت، پروردگار عالم نے سب سے پہلا ثبوت اپنی وحدانیت کا خود اپنے کو پیش کیا ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سب سے پہلا توحید کا گواہ تو خود خدا ہے۔ اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی معبود، دوسرا کوئی خدا نہیں ہے۔ اب اگر کوئی پلٹ کر پوچھے خود ہی تو آپ مدعی ہیں،

آپ کہتے ہیں کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا اللہ، دوسرا خدا نہیں ہے دلیل کیا ہے؟ کہا میں خود گواہی دیتا ہوں۔ یہ مقدمہ مانا کیسے جائے گا یہاں جو دعویٰ کرنے والا ہوگا وہی گواہی دینے والا ہوگا۔ مدعی کوئی اور ہوتا ہے گواہ کوئی اور ہوتا ہے۔ پروردگار کہتا ہے میں خود ہی مدعی ہوں اور میں خود ہی اپنی وحدانیت کا گواہ ہوں۔ خدایا ایک ہی فرد مدعی بھی ہو جائے اور گواہ بھی ہو جائے یہ کیسے ہوگا؟ کہا مسئلہ تم نہیں سمجھے، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ الگ کوئی دعویٰ کرنے والا ہے اور الگ کوئی گواہی دینے والا ہے، میں خود اپنی وحدانیت کا گواہ ہوں۔ اگر تم نے خدا کے معنی پہچان لئے تو تمھیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ خدا ایک ہی ہوگا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ تو جب بھی کسی کو وحدانیت میں شبہ پیدا ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانتا ہی نہیں ہے کہ خدا کسے کہتے ہیں، خالق و مالک کسے کہتے ہیں ورنہ جو جانتا ہے کہ خالق و مالک کون ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ خالق اور مالک ایک ہوتا ہے دو ۲ نہیں ہوتے ہیں۔ کائنات کا بنانے والا ایک ہوگا دو ۲ نہیں ہوں گے جو نہیں جانتے اس لفظ کے معنی وہ کوئی بحث بھی کر سکتے ہیں۔ مگر جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پروردگار عالم خود اپنی وحدانیت کا، اپنی یکتائی کا خود گواہ ہے اس لئے کہ وہ جن عظمتوں کا مالک ہے، ان عظمتوں کا مالک کوئی دوسرا ہے ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہی خدا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور اگر میں اور زیادہ گذارش کروں تاکہ میرے بچے بھی میرے ساتھ چل سکیں۔

تو خدا نے اپنی ذات کو، اپنی وحدانیت کی دلیل بنایا ہے یعنی اگر کوئی میرے کمال کو پہچان لے تو وہ جانتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسا کوئی دوسرا نہیں

تو مذہب نے بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ مذہب کے مسائل دوسروں کی گواہی سے طے نہیں ہوں گے صاحب معاملہ کے کمالات سے طے ہوں گے۔ کاش میری بات ضائع نہ ہو، مذہب اپنے مسائل کو صاحب معاملہ کے کمال سے طے کرنا چاہتا ہے۔ یہ نہیں کہ چار آدمی کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ یہ خدا ہے۔ آپ نے کہا دو۲ گواہوں سے تو پوری بلڈنگ حوالے کر دیتے ہیں۔ اگر دو۲ گواہ مل جائیں کہ یہ مکان فلاں صاحب کا ہے ہم مکان ان کے حوالے کر دیں گے۔ اگر دو۲ آدمی گواہی دے دیں یہ بینک کا اکاؤنٹ فلاں صاحب کا ہے ان کے حوالے کر دیں گے۔ جب دو۲ دو۲ گواہوں کے اوپر پوری پوری بلڈنگ، پورا پورا اکاونٹ دے دیا جاتا ہے تو اگر چار آدمی کہہ دیں یہ خدا ہیں تو انھیں خدا کیوں نہ مانا جائے گا؟ تو جب دو۲ گواہوں سے مسئلہ طے ہو جاتا ہے تو چار سے کیسے طے نہیں ہوگا۔ توجہ کی آپ نے ؟ لیکن عقیدہ کا مسئلہ مالیات کا نہیں ہے، عقیدہ کا مسئلہ مقدمات کا نہیں ہے، عقیدہ کا مسئلہ کمالات کا ہے۔ اگر یہ خدا بننے کے لائق نہیں ہے تو چار نہیں چار لاکھ آدمی گواہی دے دیں تب بھی یہ خدا نہ بنے گا۔ اور اگر کسی میں خدائی کمال پایا جاتا ہے تو وہ خدا ہے چاہے کوئی گواہ ہو چاہے نہ ہو دیں جہاں آپ کو لے جا رہا ہوں آپ توجہ فرمائیں گے) مسئلہ ذرا دقیق ہے مگر میں سادہ زبان میں گفتگو کرتا ہوں تا کہ میرے جتنے سننے والے ہیں وہ سمجھ سکیں۔

یہ مسئلہ وہ ہے جو کسی کی گواہی سے طے نہیں ہوگا، یہ مسئلہ ذات کے کمال سے طے ہوگا یعنی وہ کمالات میں اس منزل پر ہے جس کو خدا کہا جاتا ہے۔ تو یہ خدا ہے چاہے کوئی گواہی دینے والا ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ اگر وہ اس منزل پر نہیں

ہے تو لاکھوں بھی گواہ مل جائیں مگر اسے خدا نہیں مانا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ میں بلاوجہ نہیں دُہرا رہا ہوں خدا کی خدائی اس کے کمال سے پہچانی جائے گی گواہوں سے نہیں۔ توجہ کریں، آپ کہیں گے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر خدا کی خدائی گواہوں سے طے ہوگی تو خدا تو اس وقت بھی تھا جب کوئی گواہ نہیں تھا کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ خدا تھا اس کے ساتھ کچھ اور تو نہیں تھا۔ سب کو تو اس نے بنایا۔ اگر انبیاء بنائے تو اسی نے بنائے، اولیاء بنائے تو اسی نے بنائے، زمین و آسمان کو بنایا تو اسی نے بنایا۔ ایک منزل تو وہ ہے جہاں وہ ہے اور ابھی کسی کو بنایا نہیں ہے تو اگر اس نے کسی کو نہیں بنایا تو کون گواہی دے گا اس کے خدا ہونے کی؟ میری بات پر غور کر رہے ہیں؟ ساری باتیں ذہن سے نکال دیجئے جو آپ کے ذہن میں پہلے سے پڑی ہوئی ہیں۔ میں دوسروں کے بیانات کا ذمہ دار نہیں ہوں میں صرف اپنی بات کا ذمہ دار ہوں اور جو میں کہہ رہا ہوں اس پر غور کریں آپ۔ جس منزل میں خدا ہے اس منزل میں کوئی بندہ تو نہیں ہے سب تو بنائے ہوئے ہیں بنانے والا تو اکیلا وہ ہے حدیث ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے اپنے سارے اجزاء مقدس کو نگاہ میں رکھ کر فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور بنایا۔ یہ میرے پیغمبرؐ نے کہا ہے۔ پیغمبرؐ اسی نور میں ہیں، مولاؑ اسی نور میں ہیں، صدیقہ طاہرہؑ اسی نور میں ہیں، ائمہ طاہرینؑ اسی نور میں ہیں سب اسی کے اجزاء تو ہیں۔ اور حضورؐ نے کہا سب سے پہلے خدا نے میرا نور بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنانے والا اور ہے بننے والا اور ہے۔ خدا نے نور پیغمبرؐ کو پیدا کیا ہے تو اگر پیدا کرنیوالا

پہلے نہ ہوتا تو پیدا کیسے کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ منزل جہاں پروردگار تھا وہاں تو یہ نور بھی نہیں تھا۔ اتنی آسانی سے سمجھ میں نہ آئے گا۔ جس منزل میں جس کو خدائی کی منزل کہتے ہیں اس خدائی منزل پر کوئی نہیں وہ اکیلا ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ توجہ کریں۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُورِیْ سب سے پہلے جو بنایا اس نے میرے نور کو بنایا۔ ساری کائنات میری نگاہ کے سامنے بنی۔ میرے سامنے اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ مگر مجھے بھی اسی نے بنایا ہے۔ تو مجھے جب اس نے بنایا تو مجھ سے پہلے تو وہ ہے، اگر نہیں ہے تو بنایا کیسے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق کی منزل وہ ہے جس منزل میں کوئی نہیں ہے۔ جو مخلوق اوّل ہے وہ بھی اسی کا بنایا ہوا ہے جو ہزار واں مخلوق ہے وہ بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ جو لاکھویں منزل پر آیا ہے وہ بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ اصل تو وہ ایک ہے اکیلا۔ توجہ کی آپ نے؟ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ خدا اپنی تخلیق میں کسی کی رائے لیتا ہے، خدا کسی کو بنانے میں کسی کا مشورہ لیتا ہے۔ ارے جن سے مشورے کے لئے آپ سوچ رہے ہیں ان کو بھی اسی نے بنایا ہے تو کیا آپ سے مشورہ لیا تھا۔ وہ نور اول کا خالق ہے تو جب نور اول کا خالق ہے تو ظاہر ہے وہ نور اوّل سے پہلے تھا۔ اس نے بنایا ہے اس کو کون رائے دینے والا تھا۔ اس لئے میرے مولاؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا کہ خبردار، پروردگار کے بارے میں یہ تصوّر بھی نہ کرنا کہ وہ کسی مشیر کا محتاج ہوگا، یہ دنیا کے کارخانے فیکٹری والے ہوتے ہیں، یہ نقشہ بناتے ہیں وہ آلات فراہم کرتے ہیں اور یہ ایجاد کرتے ہیں۔ مالک

ایسا نہیں ہے وہ نہ کسی کے نقشے کا محتاج ہے نہ کسی کے مشورے کا محتاج ہے حد یہ ہے کہ خود اپنی فکر کا محتاج نہیں ہے کہ پہلے سوچے اس کے بعد بنائے، سوچ کے بنانے والے اور ہوتے ہیں، سوچنے والوں کا بنانے والا اور ہوتا ہے۔ (صلوات)

اس لئے میں روز اوّل سے اس فقرہ کو دُہراتا ہوں کہ اگر مالک کو پہچاننا ہے تو کم سے کم علیؑ کی نہج البلاغہ کا پہلا صفحہ تو پڑھو ان سے بہتر کسی نے خدا کو نہیں پہچانا، ان سے بہتر کوئی خدا کو پہچنوانے والا نہیں ہے۔ نہ کوئی ذاکر نہ کوئی خطیب، نہ کوئی مقرّر کون جانتا ہے خدا کو؟ سوائے اس نورِ اقدس کے کون پہچانتا ہے؟ انھوں نے پہچنوایا ہے پہلا صفحہ پڑھو بِلاَ رَوِيَّةٍ اَجَالَهَا اس نے کائنات کو پیدا کیا بغیر سوچے کہ اب کیسا بنانا ہے۔ ایسا بنائیں تو کہیں ایسا نہ ہوجائے ویسا بنائیں کہیں ویسا نہ ہوجائے۔ عقلمند بنا دیں کہیں باغی نہ ہوجائے، دماغی طاقت دے دیں کہیں مقابلے پر نہ کھڑا ہوجائے کچھ بیوقوف بنا دو ایسا جاہل بنا دو کہ کچھ کرنے کے لائق نہ رہ جائے ایسا نہیں ہے، اس نے بنایا اور ایک سے ایک باکمال بنایا۔ باکمال بنا دینا اس کا کام تھا کمال کی قدر کرنا تمھارا کام ہے۔ (صلوات)

تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ پروردگار عالم خود اپنے کمال کی بنیاد پر خدا ہے۔ سارے باکمال دنیا میں آئے تب بھی وہ خدا ہے اور سارے باکمال دنیا سے چلے جائیں جب بھی وہ خدا ہے اس لئے ہم جیسے افراد کو سمجھانے کے لئے قرآن نے کہا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ آسمان دلیل ہے کہ خدا ہے، یہ زمین دلیل ہے کہ خدا ہے، یہ لیل و نہار یہ شب و روز گواہ ہیں کہ خدا ہے۔

یہ دریاؤں میں بہتا ہوا پانی گواہ ہے کہ خدا ہے۔ یہ آسمانوں سے برستا ہوا پانی گواہ ہے کہ خدا ہے۔ یہ زمین پر چلتے ہوئے جاندار یہ گواہ ہیں کہ خدا ہے۔ یہ زمین سے اُگتا ہوا سبزہ گواہ ہے کہ خدا ہے۔ اگر یہی سب خدا کے گواہ ہیں (توجہ کریں) اگر یہی سب خدائی کے گواہ ہیں، تو یہ سب تو نہ جانے کب پیدا ہوتے؟ توجہ کریں، نہیں آپ نے غور نہیں کیا کہ میں نے کیا کہا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ یہ زمین یہ آسمان یہ روز و شب، اس کے بعد وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ یہ دریاؤں میں جو کشتیاں چل رہی ہیں، اس کے بعد وَمَا اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہے، جو ہم نے زمین سے دانا اُگایا۔ یہ آسمان پر جو بادل دکھائی دے رہے ہیں، یہ سب گواہ ہیں کہ ہم خدا ہیں۔ توجہ کریں۔ اس لئے کہ ہم کو اور سمجھانے کا ذریعہ کیا ہوگا؟ ہم تو ذات کو ذات سے سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہیں لہٰذا ہم سے کہا گیا کہ آسمان دیکھ کے سمجھو کہ وہ بنانے والا کتنا بڑا ہے کہ جس نے اتنا بڑا آسمان بنایا ہے۔ زمین کو دیکھ کے پہچانو کہ کوئی خدا ہے اور کتنا بڑا ہے کہ اتنی بڑی زمین بنادی ہے۔ اتنا بڑا چاند بنا دیا ہے، اتنا بڑا سورج بنا دیا ہے، یہ سب ہم سب کو سمجھانے کا ذریعہ ہے ورنہ وہ اپنے خدا ہونے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے سوائے اپنے کمال کے۔ کاش میری بات ضائع نہ ہو۔ اس کا کمال ہی اس کے خدا ہونے کی دلیل ہے، چاہے کوئی گواہی دینے والا ہو اور چاہے نہ ہو۔ اس لئے کہ جتنے اَشْهَدُ کہنے والے ہیں سب بعد کی پیداوار ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ، اللہ ہے۔ اچھا اپنی گواہی کو واپس لیجئے تو کیا خدا کی خدائی میں کوئی

فرق آجائے گا۔

دو آدمیوں میں جھگڑا چل رہا تھا یہ مکان کس کا ہے؟ چار آدمی ہم گئے اور جا کے کہا یہ مکان فلاں صاحب کا ہے، ان کے والد کا گھر تھا ان کو ترکہ میں ملا ہے۔ مجسٹریٹ نے فیصلہ کر دیا۔ ہاں مکان انھیں کا ہے ہم نے گواہی دی۔ مقدمے کا فیصلہ ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے دن ہم گئے ہم نے کہا مجسٹریٹ صاحب معاف فرمائیے گا کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ ہم کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ یہ گھر ان کا ہے ورنہ ان سے کوئی تعلق نہیں ہے تو گواہوں نے گواہی واپس لے لی۔ مجسٹریٹ نے مکان واپس کرا دیا بھئی جب گواہ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ ان کا نہیں ہے تو کس بنیاد پر آپ کو دیا جائے گا۔ تو گواہ تو اسے کہا جاتا ہے جو 'ہاں' کہے تو مال آپ کا اور 'نہیں' کہہ دے تو ختم ہو گیا قصہ۔ تو کیا خدا بھی اپنی خدائی میں ایسا ہی کسی کا محتاج ہے کہ ہم سب کہیں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو وہ خدا ہو جائے گا، اور جس دن مسلمان اپنا اقرار واپس لے لیگا کیا خدا نہ رہ جائے گا؟ نہیں یہ ہمارے اَشْھَدُ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ توجہ کریں۔ ہمارے اَشْھَدُ کہنے سے خدا کی خدائی ثابت ہونے والی نہیں ہے، اس کی خدائی اس کے کمال سے ثابت ہے جس کے کمال کے نمونے ہیں۔ زمین کی خلقت، آسمان کی تخلیق، یہ روز و شب، یہ دریا یہ سمندر، یہ بادل یہ چاند سورج، یہ سب اس کے کمالات کی علامتیں ہیں اور اس کا کمال ہی اس کے خدا ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اتنی دیر میں میری بات کچھ واضح ہو گئی ہے تو میں اپنے لفظوں کو دُہراؤں۔ مذہب اپنے عقائد میں صاحب کمال

کو اس کے کمال سے منواتا ہے نہ کہ حمایت کرنے والوں کی گواہی سے اور
مخالفت کرنے والوں کے اقرار سے۔ انھوں نے کہا یہ دشمن تھے مگر مان گئے
وہ مانے یا نہ مانے، وہ ہے تو ہے۔ اگر نہیں ہے تو ان کے ماننے نہ ماننے کا
کوئی اثر نہیں ہے۔ غور کیا آپ نے ؟ تو پروردگار نے کہا جب کوئی نہیں پیدا
ہوا تھا جب بھی میں خدا تھا۔ ساری کائنات مٹ جائے مگر یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ
میں رہوں گا۔ تو میری خدائی کا اس کائنات کی تخلیق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
تو خدایا، تو خدا ہے دلیل کیا ہے ؟ کہا میں خود اپنی خدائی کی دلیل ہوں، میں خود
اپنی خدائی کا ثبوت ہوں، یعنی میرے کمال کو دیکھ کے مجھے پہچانو لوگوں کے
کہنے سے نہیں۔ اب اس سے زیادہ وضاحت نہ کر سکوں گا۔ جب مذہب نے
اپنا پہلا عقیدہ سمجھا لیا (توجہ کر رہے ہیں آپ ؟) جب مذہب نے اپنا پہلا
عقیدہ سمجھا لیا کہ خدا کو خدا ماننا ہے، اس کے کمال سے ماننا ہے کسی کے کہنے
سے نہیں ماننا تو اسلام نے اپنی بنیاد کو سمجھا دیا۔ اگر تم نے توحید کو پہچان لیا
ب آگے جو بھی منصب دار سامنے آئے یہ دیکھو اس منصب کے قابل
بھی ہے یا نہیں ہے ؟ کل پتّھر بولنے لگے کہ میں خدا ہوں، پتّھر کی اوقات
کیا ہے خدا بن جائے، کسی درخت سے آواز آئے کہ میں خدا ہوں تو کیا
درخت خدا بن جائے گا نہ کسی کے کہنے سے نہ اپنے کہنے سے جب تک کمال
نہ ہو۔ توجہ کی آپ نے ؟۔ تو چونکہ ہم نے توحید کو پہچان لیا، سیکڑوں
عہدہ دار نبوت پیدا ہوئے اور کتنے ان کے فیور (Favor) کرنے والے
پیدا ہوئے لیکن نہ ان کے کہنے سے مانا نہ اُن کی گواہی سے مانا، نہ ان کی

گواہی سے مانا۔اس لئے کہ اوقات نبی بننے کی نہیں ہے، صلاحیت نبی بننے کی نہیں ہے اور مذہب کا عقیدہ کہنے سے نہیں کمال سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر سرکارؐ نے اپنے کمال کا اظہار نہ کیا ہوتا تو چاہے ذوالعشیرہ والے مانتے یا نہ مانتے نبوت ثابت ہونے والی نہیں ہے۔ نبوت کی بنیاد سرکار کا اپنا کمال ہے جس کو ہم معجزہ کہتے ہیں تو ہم نے خدا کو خدا مانا اس کے کمال سے جو اس کا اپنا تھا، نبی کو نبی مانا ان کے کمال سے جو ان کو خدا نے دیا تھا۔ تو ہماری لائن تو واضح ہوگئی، ہمارے عقیدہ کا راستہ تو معلوم ہوگیا۔ اب جس کا جی چاہے دعویٰ کرے، ہم کسی کو منع نہیں کرتے۔ مگر ہم سے منوانا چاہتا ہے تو کچھ کر کے دکھلائے۔ اقرارِ جہالت کرو، ہم معلم کتاب مان لیں گے؟ اپنی کمزوریوں کا اقرار کرو، ہم باکمال مان لیں گے؟ ہم تو کمال دیکھ کے پہچاننا چاہتے ہیں۔ دس گواہی دینے والے، ننانوے، لاکھ دو لاکھ، کروڑ بھی کسی کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیں تو ان کے کہنے سے کچھ ہونے والا نہیں ہے، ہم تو اسی کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ خود کیا کہتا ہے۔ اگر وہ یہ کہہ دے کہ مجھے آپ حضرات نے مجبور کر دیا تو آپ کے مجبور کرنے سے کوئی باکمال نہ بن جائے گا۔ باکمال تو وہ ہے جو منبر پر خود آ کے اعلان کرے جو چاہو دریافت کرو۔ (صلوات)

مذہب میں ہر صاحبِ کمال کو اس کے کمال سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ نکتہ اسی وقت سمجھ میں آئے گا جب پہلے توحید کو پہچانیں، جب پہلے عظمتِ پروردگار کو پہچان لیں۔ عظمتِ خدا خود اس بات کی دلیل ہے۔ وہ اکیلا خدا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اس لئے نہ اس کمال کا کوئی ہے نہ ہو سکتا ہے۔

یہی علامت ہے کہ جو اس نے اپنے کمالات کو پہچنوایا تو ساری کائنات کا
حوالہ دے دیا۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے سب میرا بنایا ہوا
تو ہے لیکن یہاں پر آنے کے بعد ایک لفظ مجھ کو گذارش کرنا ہے۔ چلیئے ہم کو
اگر خدا کو پہچاننا ہے آپ نے ہم سے کہا ارے آپ خدا کو نہیں مانتے ؟ دیکھئے
اتنی بڑی زمین جس نے بنادی وہ خدا نہ ہو گا تو کون ہو گا۔ ہم نے کہا ٹھیک کہتے
ہیں آپ۔ ایک دوسرا پوچھتا ہے کہ خدا ہونے کی دلیل کیا ہے کہ خدا کوئی ہے؟
کہنے لگے اتنا بڑا آسمان کیا بغیر بنانے والے کے بن گیا کہا کوئی ہے۔ تیسرے
نے پوچھا کیا دلیل ہے ؟ کہا اتنا بڑا چاند، اتنا بڑا سورج کیا بغیر بنانے والے
کے بن گیا۔ جو آیا سامنے قرآن نے اتنے دلائل اکٹھا کر دیئے ہیں کسی کو زمین
دکھلا کے قائل کیا، کسی کو آسمان کا حوالہ دے کے سمجھایا، کسی کو چاند سورج کے ذریعہ سمجھایا،
کسی کو ستاروں کے ذریعہ سمجھایا، کسی کو بارش کے قطروں سے سمجھایا، کسی کو صحرا کے
ذرّوں سے سمجھایا، سب کو سمجھالیا۔ مگر ہمیں یہ سارے ذرائع (توجّہ کریں)، ہمیں مطمئن
کرنے کے لئے یہ سارے ذرائع کیوں استعمال کئے گئے؟ اس لئے کہ ہمارے
لئے یہ دلیل بن سکتے ہیں۔ (کاش میری بات ضائع نہ ہو) ہمارے لئے دلیل
بن سکتے ہیں۔ ہم اس وقت پیدا ہوئے جب آپ ہم کو سمجھانے کے لئے
زمین دکھلائیں گے۔ آپ اس وقت پیدا ہوئے جب ہم آپ کو سمجھانے
کے لئے آسمان دکھلائیں گے۔ وہ اس وقت پیدا ہوئے جب ان کو سمجھانے
کے لئے چاند سورج دکھلائیں گے۔ لیکن جو اس وقت پیدا ہوا جب نہ کہیں
زمین کا پتہ تھا، نہ آسمان کا نشان تھا، نہ چاند سورج تھے نہ ستارے سیّارے

تھے وہ خدا کو کیسے پہچانے گا؟ اس کے پہچاننے کا ذریعہ کیا ہوگا۔ سب نے خدا کو پہچانا ہے تو مخلوقات کے ذریعہ پہچانا ہے۔ محمدؐ نے پہچانا ہے تو خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا ہے۔ (صلوات)

ورنہ اگر نور محمدیؐ بھی کائنات کے ذریعہ خدا کو پہچانتا تو وہ تو پہلے پیدا ہو گئے تھے کائنات کا پتہ بھی نہ تھا۔ کائنات کی کل اوقات ہی یہ ہے کہ جو آپ روزانہ پڑھتے رہتے ہیں، سُنتے رہتے ہیں اِنِّیْ مَاخَلَقْتُ سَمَاءً مَّبْنِیَّۃً وَلَا اَرْضًا مَّدْحِیَّۃً یہ آسمان یہ زمین یہ ساری کائنات بنائی ہے انھیں کے طفیل میں، انھیں کی محبّت میں بنائی ہے، انھیں کے واسطے بنائی ہے۔ یہ پہلے بنے ہیں کائنات بعد میں بنی ہے لہٰذا ان کی معرفت کے لئے اس کائنات کو ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ میں نے جہاں سے بات شروع کی ہے پلٹا کے لاتا ہوں اس لئے پہلا فقرہ (توجہ کریں)، پہلا فقرہ جو کسی اللہ کی معرفت رکھنے والے کی زبان سے سننے میں آیا تو وہ مولائے کائنات کا فقرہ دعائے صباح میں تھا یَا مَنْ دَلَّ عَلٰی ذَاتِہٖ بِذَاتِہٖ اے میرے پروردگار جس نے اپنی ذات کی طرف راہنمائی کی، اپنی ذات ہی کے ذریعہ یَا مَنْ دَلَّ عَلٰی ذَاتِہٖ بِذَاتِہٖ اے وہ خدا جس نے اپنے کو پہچنوایا مگر اپنے ہی ذریعہ پہچنوایا نہ زمین کے ذریعہ نہ آسمان کے ذریعہ، اس لئے ہم تو اس دن سے پہچانتے ہیں جب یہ سب پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔

توجہ کریں یہ مولاؑ کا اعلان تھا، اے وہ پروردگار جس نے اپنے کو پہچنوایا اپنی ذات کے ذریعہ اور یہ سلسلہ آلِ محمدؐ میں چلا۔ ایک علیؑ کی آواز تھی یَا مَنْ دَلَّ عَلٰی ذَاتِہٖ بِذَاتِہٖ دوسرے کی آواز آئی بِکَ عَرَفْتُکَ پروردگار! تجھ کو تیرے

ہی ذریعہ پہچانا ہے ورنہ اور ہمیں پہچنوانے والا کون ہوگا۔ اب آپ نے فرق پہچانا؟ ساری دنیا نے خالق کو مخلوقات کے ذریعہ پہچانا، آلِ محمدؐ نے خالق کو خالق کے ذریعہ پہچانا ہے۔

یَا مَنْ دَلَّ عَلٰی ذَاتِہٖ بِذَاتِہٖ۔ اے وہ پروردگار جس نے اپنی ذات کی طرف راہنمائی کی ہے اپنی ذات کے ذریعہ۔ اس کا کمال ہی اس کی ذات کو پہچنوانے کا ذریعہ ہے۔ وہ تخلیق آسمان و زمین کا محتاج نہیں ہے کہ انھیں بنائے تو اسے پہچانا جائے۔ اس کا کمالِ ذات وہ ہے جو اسے پہچنوانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ توجہ کی آپ نے؟ یہ ہے مولائے کائناتؑ کا ارشاد۔ بس ایک فقرہ سُن لیجئے۔ ایک جلیل القدر عالم سے پوچھا گیا کہ یہ جو ہم کتابوں میں دیکھتے ہیں مفاتیح الجنان میں آپ دیکھیں اور کتابوں میں جو دعاؤں کی کتابیں وہاں جہاں سے دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے دعائے کمیل، دعائے مشلول، دعائے ابوحمزہ۔ سب سے پہلے دعا نقل کی جاتی ہے دعائے صباح، اور یہ دعائے صباح نقل کیجاتی ہے مولائے کائناتؑ کے نام سے۔ دعائے صباح کس کی ہے؟ مولائے کائناتؑ کی! اور اتفاق ایسا ہے کہ دعا کی کتاب میں دعا نقل ہوتی ہے مگر کتاب میں راویوں کا سلسلہ نقل نہیں ہوتا ہے۔ اگر آپ روایت کی کتابیں پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ جو حدیث نقل کی جاتی ہے کلینی نے فلاں سے لیا، انھوں نے فلاں سے لیا، انھوں نے فلاں سے نقل کیا ہے اور انھوں نے مولائے کائناتؑ سے نقل کیا ہے۔ دیکھنے والے نے دیکھا کہ دعائے صباح لکھی ہے اور یہ لکھا ہے کہ مولائے کائناتؑ کی دعا ہے مگر راویوں کے نام درمیان کے کہاں ہیں (توجہ کریں)، تو اس نے

ایک جلیل القدر محقق بصیر عالم سے پوچھا کہ یہ بتائیے یہ کس کی دعا ہے (توجہ کر رہے ہیں آپ ؟) یہ دعائے صباح کس کی ہے ؟ کہا مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ کی۔ کہا اس کی دلیل کیا ہے ؟ کہا دعائے صباح۔ دعائے صباح کے کلام علیؑ ہونے کی دلیل کیا ہے ؟ کہا دعائے صباح۔ امت اسلامیہ میں کوئی ایک ڈھونڈ کے لاؤ جو اس لہجے میں بولنا جانتا ہو، جو یہ کہہ سکتا ہو کہ ہم نے خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا ہے۔ غور کیا آپ نے ؟ اسی لیے جب یہ ذکر آیا کہ نہج البلاغہ کے کلام علیؑ ہونے کی دلیل کیا ہے ؟ تو اسی فقرہ کو پھر دُہرا دیا گیا راویوں کو بعد میں تلاش کیجیے گا — نہج البلاغہ کے کلام علیؑ ہونے کی دلیل خود نہج البلاغہ ہے کس کے پاس بلاغت کا یہ نہج ہے ؟ کس کے پاس یہ فکر ہے، کس کے پاس یہ انداز کلام ہے، کون دنیا میں بولنے والا ہے ؟ سارے بولنے والے نہ مر گئے ہیں، نہ ان کی تاریخیں مر گئی ہیں۔ بس جتنے پڑھے لکھے پیدا ہوتے ہیں سب جانے پہچانے لوگ ہیں کسی ایک کو بتاؤ جو اس لہجہ میں بولنا جانتا ہو جو اس منزل کمالِ معرفت پر فائز ہو ساری امت نے ڈھونڈ کر نکالا ایک ابن عباس کو اور کسی کا تو نام بھی نہیں آتا منزل علم میں، میری لفظوں کو نہ بھولئے گا منزل علم میں سوائے ابن عباسؓ کے اور کسی کا نام بھی نہیں آتا ہے وہی مفسر قرآن ہیں وہی حِبرُ الاُمَّۃِ ہیں۔ وہ سارے کمالات کے مالک ہیں، باقی لوگ حکام ہیں، سلاطین ہیں، شخصیت والے ہیں، پیسے والے ہیں، مگر علم کی منزل میں سب سے اونچا نام ابن عباس کا لیا جاتا ہے جو حِبرُ الاُمَّۃِ مفسرِ قرآن ہیں۔ اچھا ہوا کوئی ایسا سمجھدار پیدا ہو گیا۔ اس نے ابن عباسؓ ہی سے پوچھ لیا کہ سب کہتے ہیں کہ آپ سے بڑا عالم امت میں کوئی نہیں ہے تو ہم آپ ہی سے

اس مسئلے کو پوچھیں گے آپ کی نظر میں علیؑ کا علم کیسا ہے؟ آپ بتائیے کہ آپ کی نگاہ میں علیؑ کا علم کیسا ہے؟ ابن عباس نے کہا اگر تم علم کی بات نہیں سمجھ سکتے ہو تو میں بالکل سامنے کی مثال دے کر سمجھاؤں تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ علمِ علیؑ کیسا ہے۔ اچھا یونہی سمجھا دیجئے؟ کہا تم نے کبھی دریا دیکھا ہے، سمندر دیکھا ہے؟ کہا ہاں دیکھا ہے۔ کبھی قطرہ بھی دیکھا ہے؟ کہا قطرہ بھی دیکھا ہے۔ کہا اگر دونوں کو دیکھا ہے تو دریا کو سمجھو علیؑ، قطرے کو سمجھو ابن عباس۔ (صلوات)

اور اس کا بہترین ثبوت مولائے کائناتؑ نے خود فراہم کر دیا۔ ابن عباس مولاؑ کے سامنے آ گئے کہا یا علیؑ ہم چاہتے ہیں کہ بسم اللہ کی تفسیر بیان کریں؟ اب جو شروع ہو گئی تفسیرِ بسم اللہ رات تمام ہو گئی تفسیر تمام نہ ہو سکی اور فرمایا ابن عباس یہ رات کیا ہے اور دن کیا ہے؟ اگر وقت اجازت دیتا اور میرا سلسلۂ بیان جاری رہتا تو اتنا بیان کرتا کہ سترّ اونٹوں پر بار کیا جائے۔ یہ بسم اللہ کیا کوئی معمولی شئی ہے، سارا قرآن سمٹ کے اسی بسم اللہ میں اور اسی بائے بسم اللہ میں آ گیا ہے، دنیا کیا جانے بسم اللہ کیا ہے؟ انھیں رات بھر بٹھائے رکھا اور رات بھر بسم اللہ پڑھاتے رہے۔ اب اس لفظ کے معنی آپ لوگ خوب پہچانیں گے ۔۔ نہ سورۂ ناس، نہ سورۂ یٰسٓ، نہ سورۂ رحمٰن، رات بھر علیؑ ابن عباس کو بسم اللہ پڑھاتے رہے۔ بسم اللہ سے تو تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، اگر کمالِ ابن عباس کو کبھی پہچان لینا تو اندازہ ہو گا کہ جس نے ابن عباس کو بسم اللہ پڑھائی اُس ذات گرامی کا نام ہے علیؑ۔ (صلوات)

میں بات کو سمیٹنا چاہتا ہوں، ورنہ مسئلہ بہت تفصیلی ہے۔ انشاء اللہ کبھی

موقع ہوگا تو ان مسائل کے بارے میں گذارش کروں گا۔ پروردگار عالم نے اس کائنات میں کتنے دلائل بیان کئے ہیں اپنی وحدانیت کے لئے۔ اس کے بعد خود انسان کے اندر کتنے دلائل رکھے ہیں اپنی وحدانیت اور اپنے کمال کے لئے۔ اس کے بعد پروردگار عالم نے اپنی ذات اقدس کو کیسے پہچنوایا ہے کہ میرے کمال سے مجھے پہچانو میں خدا ہوں، میرے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ان تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے خاتمۂ کلام میں ایک لفظ گذارش کرنا ہے، بہرحال جہاں تک سلسلۂ کلام پہونچ گیا اس کے لئے یہی موقع مناسب ہے کہ وہ آخری بات بھی گذارش کردی جائے باقی انشاء اللہ آئندہ دیکھا جائے گا۔ محمد حنفیہ (مولائے کائناتؑ کے فرزند) محمد حنفیہ سے خطاب کرکے مولائے کائناتؑ نے توحید پروردگار کے دلائل بیان فرمائے۔ اس میں ایک دلیل بہت سامنے کی اور بہت مختصر جو میں آپ کے سامنے گذارش کررہا ہوں کہا مختصر۔ یوں سمجھ لو لَوْ کَانَ لِرَبِّكَ شَرِيْكٌ اگر تمہارے خدا کا کوئی شریک ہوتا یعنی خدا کے علاوہ کوئی اور بھی خدا ہوتا تو یہ خدا جو ہمارا تمہارا خدا ہے، جس نے اتنے انبیاء بھیجے، اتنے مرسلین بھیجے، اتنے راہنما بھیجے، اتنی کتابیں بھیجیں، اتنے صحیفے بھیجے یعنی اس کے ہونے کے تو یہ سب ثبوت ہیں۔ اگر کوئی اور بھی خدا ہوتا۔ تو کیا خالی بیٹھ کے اس کے نظام کو دیکھ رہا ہے، ارے کوئی ایک نبی ادھر سے بھی آیا ہوتا، کوئی ایک صحیفہ وہاں سے بھی آیا ہوتا، ایک مذہب، دین، شریعت کچھ ادھر سے بھی آیا ہوتا، لیکن کہیں سے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ اگر کوئی شریک ہوتا تو جیسے یہ اپنے نظام کو چلارہا تھا ویسے ہی وہ بھی اپنے نظام کو چلاتا جب کوئی نظر نہیں آتا ہے

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اور مل گیا ہوتا تو یہاں قانون بنانے کی ضرورت ہی کیا ہوتی؟ میں نے ایک لفظ کہا ہے اس کے معنی پر غور کیجیے گا۔ یہ روزانہ جو حکومتوں میں، ملکوں میں، علاقوں میں، شہروں میں، گاؤں میں لوگ اکٹھا ہوتے ہیں قانون حیات بنانے کے لئے یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ کسی کے پاس ادھر کا کچھ نہیں ہے ورنہ اگر کسی بھیجنے والے نے قانون بھیج دیا ہوتا تو انہیں بیٹھ کر طے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہوتی؟ ان کا کل کام یہ ہوتا کہ بنے ہوئے قانون کو سمجھیں۔ دیکھئے قانون بنانے کی فکر اس بات کی علامت ہے کہ کسی کے پاس کوئی قانون نہیں اور جو قانون ہے وہ ایک قانون ہے جو پروردگار کا بھیجا ہوا ہے۔ اے محمد حنفیہ! تمہارے خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت کی سب سے نمایاں دلیل یہ ہے کہ سارا نظام اسی پروردگار کا ہے۔ نظام کائنات بھی اسی کا ہے، نظام حیات بھی اسی کا ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا ہوتا تو کچھ بھیجتا، کچھ کرتا، کہیں اس کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ یہاں تک آنے کے بعد ایک لفظ جو مجھے گذارش کرنا ہے لفظ آج محفوظ کر لیں معنی کل گذارش کروں گا۔

یہ اسلام جو اپنے عقائد کو شروع کرتا ہے توحید پروردگار سے اور سب سے پہلے اگر کوئی سرحدِ اسلام میں قدم رکھنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے توحید کا اقرار لیا جاتا ہے یا توحید کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پہلا کلمہ ہے، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد کا کلمہ ہے، یعنی شروع ہوتی ہے بات توحید پروردگار سے۔ پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ توحید خدا ہے یہ کلمۂ توحید ہے اسلام کا آغاز (توجہ کریں)، یہ کلمۂ توحید ہے

اسلام کی بنیاد یہاں سے بات شروع ہوتی ہے اب یہ جائے گی کہاں یہ بات جو
کلمۂ توحید سے شروع ہوئی ہے جائے گی کہاں ؟ خدا غریق رحمت کرے مرحوم
کاشف الغطاءؒ نے کیا حسین جملہ استعمال کیا ہے کہ اگر تم اسلام کے اوّل و آخر کو
پہچاننا چاہتے ہو تو پہچانو اسلام شروع ہوتا ہے کلمۂ توحید سے۔ اس لفظ کو میرے
بچے آج یاد کرلیں معنی کل گذارش کروں گا۔ اسلام شروع ہوتا ہے کلمۂ توحید سے
اور تمام ہوتا ہے توحیدِ کلمہ پر۔ یعنی بات شروع ہوگی کلمۂ توحید سے، پہلے کلمۂ توحید
پڑھو۔ جب بات کلمۂ توحید سے شروع ہوگی تو آخر میں سب کا کلمہ ایک ہوجائے گا۔
ابتدا ہے کلمۂ توحید، انتہا ہے توحیدِ کلمہ۔ اب وہ انتہا کب سامنے آئے گی یہ مسئلہ
بعد کا ہے انشاء اللہ آئندہ گذارش کروں گا۔ تو اسلام یا کلمۂ توحید یا آخر میں توحیدِ کلمہ
مولاؑ نے دلیل کیا بیان کی ؟ اتنے انبیاء آئے، اتنے مرسلین آئے، اتنی کتابیں آئیں،
اتنے صحیفے آئے اور کسی کی طرف سے کچھ اور نہیں آیا یہی تو میں عرض کر رہا تھا اور
چونکہ ایک کی طرف سے آیا اتنے بہت سے آئے مگر اختلاف نہ ہوسکا (بس
جلدی جلدی آپ سُن لیں دو چار کلمے بات تمام کردوں انشاء اللہ باقی دوسری رات
دوسرے موضوعات کے ذیل میں آئندہ گذارش کروں گا) دو چار فقرے تو قرآن مجید
میں یونہی پائے جاتے ہیں بطور مثال باقی آپ نظام کو رکھیں گے آپ کو اندازہ
ہوجائے گا سرکار دو عالم سے چھ سو سال پہلے سلسلۂ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر اور
ان کے بارے میں تو کوئی غلط بیانی کر بھی نہیں سکتا، سوچیے میں نے کیا کہا ؟ —
سلسلۂ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر اور ان کے بارے میں کوئی غلط بیانی کر بھی نہیں
سکتا اس لئے کہ اس کے بارے میں کرنا آسان ہوتی ہے جو مر جاتا ہے جو مر کے

چلا گیا اسی کی طرف سے جو چاہے بیان دیتے رہیں آپ اس لئے کہ اب تو وہ رہا نہیں لیکن اگر کوئی زندہ موجود ہے تو اس کے بارے میں غلط بیانی آسان نہیں ہوتی ہے وہ فوراً کہہ دے گا جھوٹ بول رہے ہو میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ غور کیا ہے۔ اس سلسلے کے آخری پیغمبر ہیں جناب عیسیٰؑ سلسلۂ بنی اسرائیل کے۔ بھولئے گا نہیں۔ اور جناب عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن مجید نے نقل کیا مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ میں خود تو پیغمبر ہوں لیکن میں اس آنے والے پیغمبرؐ کی بشارت دے رہا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ تو عیسیٰؑ پہلے آئے تو انھوں نے کیا کہا میرے بعد ایک نبی آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔ اب سرکارِ دو عالمؐ آئے وہ اعلان کرتے ہیں مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ جو کچھ مجھ سے پہلے آچکا سب کی میں تصدیق کر رہا ہوں۔ ایک مثال میں نے عرض کر دی ہے باقی آپ قرآن میں پڑھ لیں گے۔ یعنی چونکہ سب ایک خدا کے بنائے ہوئے تھے (کاش میری بات ضائع نہ ہو) چونکہ سب ایک خدا کے بھیجے ہوئے تھے لہٰذا جو پہلا آیا اس نے بعد والے کی بشارت دی۔ جو بعد میں آیا اس نے پہلے والے کی تصدیق کی۔ یہ کہتے رہے وہ آئیں گے انھوں نے آکے کہا وہ آئے تھے۔ ارے دس بیس کہیں اکٹھا ہو جائیں تو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں اتنا اتحاد کہ ہر پہلے والا بعد والے کی بشارت دے۔ اور ہر بعد والا پہلے والے کی تصدیق کرے (توجہ کریں) وہ مبشر بن کے آیا یہ مصدّق بن کے آیا (اب میری بات کو پہچانا آپ نے) کہ جب بات کلمۂ توحید سے شروع ہوتی ہے تو توحیدِ کلمہ پر تمام ہوتی ہے، چونکہ ایک جگہ سے آئے تھے لہٰذا پہلے والا بعد والے

کا مبشر بن کے آیا۔ بعد والا پہلے والے کا مصدق بن کے آیا۔

یہ تو حال ہو گیا انسانوں کا، اس کے بعد کتابیں شروع ہوئیں (توجہ کریں) ہر آنے والی کتاب اگلی کتاب کی خبر دے رہی ہے۔ ہر بعد میں آنے والی کتاب بعد میں آنے والی کتاب کی تصدیق کر رہی ہے۔ توجہ کی آپ نے ؟۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء آئے سب کا وہی حال۔ اتنے صحیفے آئے سب کا وہی حال۔ اتنی کتابیں آئیں سب کا وہی حال۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ جب بات کلمۂ توحید سے شروع ہوتی ہے تو توحید کلمہ پر تمام ہوتی ہے۔ یعنی جب سب خدا کے بنائے ہوئے ہیں بس میں نے بات کو سمیٹ دیا معنی ذہن میں سوچتے رہئیے گا۔ جب سب خدا کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تو سوا لاکھ میں جھگڑا نہیں ہوتا ہے۔ سیکڑوں صحیفے آجائیں جب بھی اختلاف نہیں۔ سب یا مبشر ہوں گے یا مصدق ہوں گے اور جو ادھر کی پیداوار ہوتے ہیں وہ انھیں غلط کہے گا یہ انھیں غلط کہے گا، یہ ان کی تردید کرے گا وہ ان کی تردید کرے گا جب اختلاف کلمہ پیدا ہو جائے تو سمجھو بنیاد کلمۂ توحید نہیں ہے۔ (صلوات)

اس لئے ہمارے یہاں یہ گنجائش نہیں ہے سرکار دو عالمؐ نے فرمایا اَلْاَئِمَّةُ بَعْدِیْ اِثْنَا عَشَرَ میرے بعد بارہ راہنما ہوں گے یہ نہیں کہا کہ میں تو جا رہا ہوں اس کے بعد دیکھو کیا ہوتا ہے اب حالات کے اوپر ہی ہو سکتا ہے دو چار دس بیس نہیں ہو سکتا ہے، ہزار دو ہزار پانچ ہزار نہیں بعد بس کیا ہو گا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اب جو ہو گا ہمارے بعد محشر میں معلوم ہو جائے گا۔ ہمارے بعد کتنے آئے۔ نہیں حضورؐ نے کہا ہمارے بعد بارہ ہوں گے اس کے بعد نام بتا دیئے۔ پہلا

یہ، دوسرا وہ، تیسرا وہ، چوتھا وہ، اور مبشر کس کو کہتے ہیں اور آئندہ کی خبر دینے والا ایسا سرکار دو عالمؐ نے ایسا حساب واضح کر دیا سب بتا کے چلے گئے اور یہی وجہ ہے کہ جو بھی بعد میں آیا وہ کتنے ہی بڑے کمال کا مالک ہو مگر نبی کا کلمہ پڑھتا ہوا آیا۔ قربان جائیے اتنا شریف تو ہم نے دنیا میں سوچا بھی نہیں۔ میں نے ایک لفظ کہا عزیزو شاید یہ لفظ نیا ہو لیکن ذہن میں محفوظ رکھیے گا دیکھنا تو بڑی بات ہے ہم نے اتنا شریف انسان دنیا میں تو سوچا بھی نہیں (توجہ کریں) کہ لوگ اسے خدا بنانے کی فکر میں ہوں اور وہ اپنے کو غلام بنا کے پیش کرے اتنا بڑا نبی کا پہچاننے والا دنیا میں سوچا نہیں جا سکتا ہے جو صاحب معرفت تھے علیؑ۔ ادھر سے آواز آئی ہے کہ ہمیں تو آپ خدا دکھائی دیتے ہیں کہا کیسی باتیں کرتے ہو اَنَا عَبۡدٌ مِّنۡ عَبِیۡدِ مُحَمَّدٍ میں ان کا کلمہ پڑھ رہا ہوں جب انسان اس ظرف کا مالک ہو کہ اتنے بڑے کمال کے ماننے والے پیدا ہو جائیں اور اس کے بعد بھی اسی کا کلمہ پڑھے تو ایسا انسان حقدار ہوتا ہے کہ اسے یوں سامنے لایا جائے کہ خود پس منظر میں چلے جائیں۔ (صلوات)

وہ نبی کا کمال کردار تھا کہ اتنا ہاتھوں پر بلند کیا کہ اب یہی سامنے دکھائی دے رہے ہیں۔ اب تو نبوت کا چہرہ نظر بھی نہیں آرہا ہے اب تو سامنے دوسرا ہی کوئی نظر آرہا ہے (توجہ کریں) تو حضورؐ نے سوا لاکھ کے درمیان حضورؐ نے چلتے چلتے یہ کام کیا انھیں دیکھو جب انھیں دیکھو گے تب مَیں سمجھ میں آؤں گا۔ اگر انھوں نے ان کو سامنے رکھا تو علیؑ کی زندگی گواہ ہے کہ جب تک دنیا میں رہے ہمیشہ نبی کو سامنے رکھا اپنی شخصیت کو آگے نہیں بڑھایا۔ (صلوات)

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اگر یہ قرآن خدا کے علاوہ کسی اور کے گھر سے آیا ہوتا، اگر یہ مالک کے علاوہ کسی اور کا بنایا ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔ لیکن چونکہ خدا کی طرف سے آیا ہے لہٰذا چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں۔ کوئی آیت دوسری آیت کی تردید نہیں کر سکتی۔ ایک آیت دوسرے سے ٹکرا جائے یہ نہیں ہو سکتا ہے چھ ہزار صامت آیتوں کو دیکھا۔ بس میں نے بات تمام کر دی۔ چھ ہزار خاموش آیتوں کو دیکھا، ایک لاکھ چوبیس ہزار بولتے ہوئے انسانوں کو دیکھا اور دونوں کو ایسے ہی دیکھا چونکہ اِدھر والے تھے لہٰذا کوئی اختلاف نہ پیدا ہو سکا تو ہم نے اُدھر والوں کو پہچان لیا، رسولوں سے پہچان لیا، انبیاء سے پہچان لیا، کتابوں سے پہچان لیا۔ اب جسے بھی یہ کہنا ہو کہ ہم ادھر سے آئے ہیں وہ پہلے اتحادِ کلمہ تو پیدا کرے، پہلے شخصیت کو قربان کرنے کا حوصلہ تو پیدا کرے لیکن واقعاً جو عقیدۂ توحید کے مالک ہوتے ہیں ان سب کی بات ایک ہوتی ہے۔ چونکہ خدائے واحد کے نمائندے تھے لہٰذا کوئی اختلاف نہیں پیدا ہو سکتا، خدائے واحد کے صحیفے ہیں لہٰذا کوئی اختلاف نہیں پیدا ہو سکتا۔ جب بنیاد توحید پر ہوتی ہے تو اختلاف کہاں سے پیدا ہوگا۔ جب توحید سمجھی نہیں جاتی، جب اِدھر والے درمیان میں آتے ہیں تو اختلاف پیدا ہوتا ہے، جب اُدھر کے نمائندے سامنے آتے ہیں تو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

جتنا عقیدۂ توحید انسان کے دل و دماغ میں اُترتا جائے گا اُتنا ہی انسان کے کلمہ میں اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ اس لئے ہم نے دیکھا جن کی تربیت اس شان سے ہوئی کہ انھیں کلمۂ توحید اور عقیدۂ توحید کے سانچہ میں ڈھال دیا گیا اب بچے

ہیں تو وہی کہہ رہے ہیں، بڑے ہیں تو وہی کہہ رہے ہیں، مردوں کی وہی آواز ہے، خواتین کا وہی لہجہ ہے، غلام وہی کہہ رہے، آزاد وہی کہہ رہے ہیں، کوئی اختلاف تو پیدا ہوجاتا مگر کہیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا ـــ بلکہ منزلِ قربانی میں ہر ایک، ایک دوسرے سے یوں آگے بڑھ رہا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ زندگی کیا ہے، اگر دوبارہ زندہ ہوجائیں پھر انھیں کے قدموں میں رہیں گے۔ دوسرا کہتا ہے دوبارہ کا ذکر کیا ہے، اگر ستّر مرتبہ مار کے پھر زندہ کیا جائے تو موقف میں تبدیلی نہیں پیدا ہوگی۔ تیسرا آواز دیتا ہے اگر ہزار مرتبہ قتل کئے جائیں، لاش کو جلا دیا جائے، خاکستر کو ہوا میں اُڑا دیا جائے اور اس کے بعد دنیا میں آئیں تو اسی مقام پر رہیں گے۔ توحید والوں کی منزل میں اختلاف نہیں پیدا ہوتا ورنہ ایک سبب سے کتنے اسباب پیدا ہوتے جن اسباب کی بنا پر اختلاف پیدا ہوسکتا تھا۔ (میں اس منزل پر اپنے بیان کو تمام کردینا چاہتا ہوں چند منٹ سے زیادہ گذارش نہیں کروں گا)۔

ہم نے دنیا میں دیکھا ماں کے حوصلے الگ ہوتے ہیں، بچّوں کے حوصلے الگ ہوتے ہیں۔ اگر خدا نکردہ اور آپ نے شاید دنیا میں دیکھا ہو کہ محلّے میں کوئی اختلاف پیدا ہوجائے، کوئی جھگڑا پیدا ہوجائے تو گھر کے جوان کا یہ حوصلہ ہوتا ہے کہ باہر نکل جائے۔ خون میں گرمی ہے، بازوؤں میں دم ہے، شجاعت ہے، ہمّت ہے، طاقت ہے۔ جوان چاہتا ہے باہر جاکے دیکھے کیا ہو رہا ہے اور ماں کا جذبہ کیا ہوتا ہے۔ جیسے ہی یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا بچّہ گھر سے باہر نہ نکل جائے ماں سب سے پہلے دروازہ بند کرتی ہے، اِسے ماں تا روک رہی

ہے، اُسے شجاعت لیجانا چاہتی ہے۔ کتنے واقعات ایسے ہیں جو صبح و شام آپ دیکھتے رہتے ہیں۔ کہ ماں اور بیٹے کے عمل میں اختلاف پیدا ہو گیا یا نہیں؟ وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے ماں اپنی ممتا اور محبت کی بنا پر اسے روکنا چاہتی ہے۔ یہی حال زوجہ و شوہر کا ہوتا ہے، اگر کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو شوہر میدان میں جانا چاہتا ہے، زوجہ کہتی ہے مجھے کس کے سہارے چھوڑے جاتے ہو؟ جب دنیا میں کوئی ایسا موقع آیا تو ایسے اختلافات ہزاروں دیکھنے میں آئے، ایسے اختلافات لاکھوں دیکھنے میں آئے۔ مگر ایک منزل ایسی بھی دیکھی جہاں جو حوصلہ بیٹے کا ہے وہی حوصلہ ماں کا ہے۔ جو جذبہ شوہر کا ہے وہی جذبہ خاتون کا ہے۔ ورنہ کہاں دنیا میں کوئی ایسی ماں پیدا ہوگی جو رات بھر اپنے بچے کو سامنے بٹھا کے کہے بیٹا جب قربانی کا وقت آجائے تو پہلے تم قربان ہو جانا۔ میں نے ابھی عرض کیا ہے مائیں بچوں کو باہر جانے سے روکتی ہیں، چاہے کوئی چلا جائے بچے نہ جانے پائیں۔ مگر کربلا کی مائیں وہ ہیں جو رات بھر بچوں کو یہ سمجھا رہی ہیں بیٹا وہ نہ جانے پائیں تم چلے جانا۔ وہ قربان نہ ہونے پائیں تم قربان ہو جانا۔ اے بیٹا دیکھو بنی ہاشم کا کوئی جوان نہ جانے پائے پہلے تم جا کے قربان ہو جانا۔ اور یہ ان کا ذکر نہیں ہے جو پرانے چاہنے والے ہیں، جو اس راستہ سے ساتھ آئے ہیں، جو ابھی راستہ سے ساتھ آگئے ہیں ان کا بھی یہی عالم ہے کہ بیٹا دیکھو پہلے تم قربان ہو جانا بنی ہاشم کا کوئی بچہ نہ جانے پائے۔ اسی عالم میں کربلا کی رات گذر گئی اور جب قربانی کا وقت آگیا ماں نے اپنے لال کو بُلایا اور کہا بیٹا اب وقت آگیا ہے۔ میرے لال میں چاہتی ہوں تم جاؤ اور

مولاؑ سے اجازت لے لو اور میدان میں جاؤ اور جا کے قربان ہو جاؤ۔ جوان
بیٹا ماں کے پاس سے اٹھا اور مولاؑ کے سامنے دست ادب جوڑ کے کھڑا ہو گیا
آقا مجھے بھی میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔ کیا حسینؑ صورت حال کو
نگاہ میں نہیں رکھتے ہیں، امام سے بہتر حقائق کو کون پہچانے گا؟ ایک طرف
یہ ماں ہے جس کی زندگی کا سہارا یہ بیٹا ہے۔ ایک طرف یہ زوجہ ہے جو اپنے
باپ کے گھر سے رخصت ہو کر آئی ہے اور شوہر کے گھر جانا بھی نصیب نہیں
ہوا ہے۔ امامؑ خاموش ہیں منزل قربانی بھی نگاہ میں ہے۔ رہ جانے والوں
کے حالات بھی نگاہ میں ہیں۔ ادھر اصرار بڑھتا چلا جا رہا ہے ایک مرتبہ اُدھر
سے آواز آئی مولاؑ اجازت دید یجئے، آقا اجازت دید یجئے۔ حسینؑ نے اجازت
دی۔ جوان بیٹا ماں کے سامنے آیا کہا اماں اجازت مل گئی۔ کہا پھر یہاں
کیوں آئے؟ اجازت مل گئی تو جاؤ میدان میں جا کے قربان ہو جاؤ۔ جوان
بیٹا چلا میدان میں آیا جہاد کرتا رہا، زخم کھاتا رہا، خون میں نہاتا رہا اور اِن
ساری منزلوں کے طے ہونے کے بعد ایک مرتبہ پلٹ کے آیا اور ماں کے
سامنے کھڑا ہو گیا هَلْ رَضِيتِ عَنَّا يَا اُمَّاهُ اماں اب تو خوش ہو گئیں؟ آپ
کا بیٹا خون میں نہا کے آیا ہے، آپ کا بیٹا زخمی ہو کر آیا ہے، آپ کا بیٹا جہاد کر کے
آیا ہے۔ کہا بیٹا مگر میں نے تجھے زندہ واپس آنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔
کہاں اب دنیا میں کسی ماں میں یہ حوصلہ پیدا ہو گا۔ ماں نے کہا بیٹا جلدی جاؤ
یہ آخری منزلیں ہیں بیٹا رخصت ہو کے چلا در خیمہ کے قریب پہونچا دیکھا
زوجہ سر جھکائے کھڑی ہے جیسے ہی شوہر نے مڑ کے زوجہ کو دیکھا مومنہ یہاں

کیوں کھڑی ہے ؟ ماں نے یہ منظر دیکھا کہا بیٹا یہ زوجہ سے باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے میرے لال یہ قربانی دینے کا وقت ہے یہ زوجہ سے باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ مومنہ کیا کہنا چاہتی ہے وہ آپ سے یوں نہ کہوں گی چلئے پہلے مولاؑ کے سامنے وہاں چل کے کہوں گی۔ وہب زوجہ کو لئے ہوئے مولاؑ کی بارگاہ میں آئے فرمایا وہب کیوں آئے ؟ مولاؑ میں نہیں آیا بلکہ مجھے یہ مومنہ لے کے آئی ہے۔ بس عزیزو دو منٹ مجلس تمام ہوئی اور میری بہنیں بھی سُن رہی ہیں ذرا اپنے حوصلوں کو دیکھیں اور اس ماں کا کلیجہ دیکھیں اور اس خاتون کا حوصلہ دیکھیں کہا مولاؑ میں نہیں آیا یہ لیکے آئی ہے۔ کہا مومنہ کیا کہنا چاہتی ہے ؟ کہا آقا کچھ نہیں کہنا ہے آپ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ میدان میں جا رہے ہیں۔ کچھ دیر میں جا کے یہ قربان ہو جائیں گے لیکن آقا آپ کو معلوم ہے کہ باپ کا گھر چھوٹ گیا اب تو شوہر قربان ہونے جا رہا ہے۔ مولاؑ ! اتنی اجازت تو دیجئے کہ میں سیدانیوں کے خیمے میں چلی جاؤں تاکہ عالمِ غربت میں میں تنہا تو نہ رہ جاؤں۔ امام حسینؑ نے سر جُھکا لیا آنکھوں میں آنسو آگئے اس لئے کہ اسے کیا معلوم کہ میرے بعد کیا ہونے والا ہے۔ رخصت ہو کے جانے والا چلا، جیسے ہی میدان کی طرف چلا ایک مرتبہ آہٹ محسوس کی کہ جیسے کوئی آرہا ہے پیچھے مڑ کے دیکھا زوجہ چلی آرہی ہے کہا مومنہ عورتوں سے جہاد ساقط ہے، یہ تو میدان میں کیوں آرہی ہے ؟ کہا وہب جو کچھ میں نے دیکھا وہ تم نے نہیں دیکھا۔ اگر تم نے منظر دیکھ لیا ہوتا تو یہ نہ پوچھتے کہ تو میدان میں کیوں آئی۔ کہا جلدی بتاؤ کیا دیکھا ؟ کہا تمھارے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ آقا سر جُھکائے

بیٹھے ہیں اور مرثیہ پڑھ رہے ہیں واغربتاہ واغربتاہ ہائے میری بیکسی
چاہنے والے سب مرے جا رہے ہیں۔ اے وہب میں یہ منظر نہ دیکھ سکی۔
رونے والو! یہ چاہنے والی تھی جو مولاؑ کی بیکسی کو نہ دیکھ سکی۔ مگر کوئی
بہن کے کلیجے سے پوچھے، بھائی کو مقتل میں اکیلا دیکھا شمر کا خنجر، حسینؑ کا گلا،
زینبؑ فریاد کر رہی ہے او پسر سعد میرا ماں جایا۔۔۔۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ

مجلس ۵

عبادت اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا۔ (صلوات)

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں تمھیں جیسا ایک انسان ہوں۔ مگر میری طرف مسلسل یہ وحی نازل ہوتی رہتی ہے کہ تمہارا اللہ ایک ہے۔ جو بھی اسکی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

توحید پروردگار سے متعلق جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس کے چوتھے مرحلہ پر کچھ باتیں اقسام توحید ہی سے متعلق گذارش کرنا ہیں:۔

۱۔ دو دن پہلے میں نے آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ توحید پروردگار کے چار مرحلے ہیں پہلا مرحلہ ہے توحید ذات پروردگار۔ یعنی اللہ کی ویسی وحدانیت کا اقرار کیا جائے جس میں کسی طرح کے دو ہونے کا امکان نہ پایا جاتا ہو۔ دو سے مل کر ایک بنا ہے نہ ایک سے دو ہونے کی کوئی گنجائش ہے۔

۲۔ صفات کی منزل میں بھی انسان توحید کا قائل رہے کہ مالک کے صفات عین ذات ہیں، اس کے صفات کہیں الگ سے نہیں آئے کہ وہ کسی کا محتاج ہو جائے کوئی اسے باکمال بنائے وہ عین کمال ہے، اس کے کمالات اپنے ہیں، وہ اپنے کمالات میں کسی کا محتاج نہیں ہے اور ہر صاحب کمال اپنے کمال میں اس کا محتاج ہے۔

۳۔ تیسرا مسئلہ ہے توحید افعال کا کہ پروردگار عالم جو کام انجام دیتا ہے وہ اپنے اعمال وافعال میں کسی کا محتاج نہیں ہے اور نہ کوئی اس کے عمل میں شریک ہے وہ اپنے اعمال کو خود انجام دیتا ہے۔ اگر کائنات کو بنانا ہے تو خود بناتا ہے۔ اگر اپنی بنائی ہوئی مخلوقات کو پالنا ہے تو وہ اپنے بندوں کو پالنا بھی جانتا ہے۔ وہ اپنے اعمال میں نہ کسی کو شریک بناتا ہے اور نہ کسی کا محتاج ہے۔

۴۔ چوتھا مرحلہ ہے توحید عبادت کا جس کو میں نے دو دن پہلے اس لئے نہیں عرض کیا تھا چونکہ مسئلہ زیادہ اہم اور سنگین ہے اور اس کے لئے تفصیلات کی ضرورت ہے۔ یہ مرحلہ توحید عبادت کا یعنی ہر انسان کی ذمہ داری ہے کہ اپنا معبود اور اپنے لئے قابل عبادت فقط پروردگار کو قرار دے اس کے علاوہ کوئی قابل عبادت اور کوئی قابلِ بندگی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بار بار انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا "وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ" تمہارے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ خبردار اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔ خود اسی آیت کریمہ میں "وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا" جو اللہ سے ملنا

چاہتا ہے جو مالک کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ عمل صالح کرے مگر اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ وہ اکیلا معبود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا پروردگار ہے اس کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جا سکے۔

یہ اصل بنیادی مسئلہ ہے لیکن اصل مسئلہ کو پیش کرنے سے پہلے دو باتیں گذارش کرنا انتہائی ضروری ہیں اور انھیں آپ یاد رکھیں گے اور جہاں تک میری آواز پہونچ رہی ہے وہ سب سُنیں بھی اور سمجھیں بھی۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کسی قوم کے عقیدہ کے بارے میں اگر کسی کو دریافت کرنا ہے تو اسی قوم کے صاحبانِ نظر سے دریافت کرے کہ آپ کا عقیدہ کیا ہے؟۔ کسی کو اپنے خیال کو دوسری قوم پر لادنے کا کوئی حق نہ دیا گیا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ شانِ اسلام کے خلاف ہے کہ مسلمان کسی کے بارے میں خود اپنے گھر میں کوئی عقیدہ تیار کرے اور اس کے بعد کہے کہ فلاں تو فلاں عقیدہ کا قائل ہے۔ وہ جس بات کا قائل ہے نہ بے نام ہے نہ بے نشان ہے، اس کی کتابیں موجود ہیں، اس کا لٹریچر موجود ہے، اس کے بولنے والے موجود ہیں، اس کے بتانے والے موجود ہیں۔ آپ اس کے عقیدہ کو خود اس سے دریافت کریں۔ اگر بحث کرنا ہے تو بحث کا راستہ کُھلا ہوا ہے، مگر تہمت کا راستہ نہیں کھولا گیا ہے اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ افترا کرنا، تہمت لگانا ان لوگوں کا کام ہے جو بے ایمان ہوتے ہیں۔ صاحبانِ ایمان کسی پر اتہام نہیں لگایا کرتے۔ لہٰذا کسی کے عقیدے کے بارے میں اگر کسی کو دریافت کرنا ہے تو جو عقیدے والے ہیں ان سے دریافت کرے وہ بتائیں گے کس کے بارے میں ہمارا

عقیدہ کیا ہے؟ اگر وہ صحیح ہے تو صحیح ہے، اگر غلط ہے تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اسے سمجھائیں مگر اپنے پاس سے کسی کے عقیدہ کو تیار نہ کریں۔ یہ بات خلاف شرافت بھی ہے خلاف انسانیت بھی ہے اور خلاف اسلام و ایمان بھی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے جو اسی کی فرع ہے وہ یہ ہے کہ ہم جہانتک اپنے عقائد، اپنے افکار، اپنے نظریات کو دنیا کے سامنے رکھتے ہیں۔ ہمارے افکار، ہمارے عقائد، ہمارے نظریات کی بنیاد ہے جس کا نام ہے قرآن و سنّت۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس نہ کوئی دوسری بنیاد ہے، نہ ہم اپنے مسائل کو آپس کے جھگڑوں سے طے کرتے ہیں، نہ آپس کی قیادت سے طے کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دو مسلمان کسی مسئلہ پر آپس میں بحث کر رہے ہوں لیکن ان کی بحث سے نہ مذہب طے ہونے والا ہے اور نہ ان کے جھگڑے سے کوئی مسئلہ حل ہونے والا ہے۔ یہ میں اس لئے گذارش کر رہا ہوں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض سادہ لوح عوام خود اپنے مذہب کو نہیں جانتے۔ وہ مذہب کا فیصلہ یوں کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں مذہب کا جھگڑا چل رہا ہے، وہ پاؤں کے بل کھڑے ہوتے ہیں لہٰذا ہم کو سر کے بل کھڑا ہونا چاہیئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ ایسا کرتے ہیں ہم کو ویسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہمارا ان سے اختلاف ہے لہٰذا بس جہاں اختلاف ہے وہاں اختلاف ہوگا۔ لیکن اختلاف کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ انسان اپنی انسانیت کو کھو بیٹھے۔ اختلاف کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ انسان اپنی شرافت سے عاری ہو جائے اور شرافت سے الگ ہو جائے کہ وہ پیر کے بل کھڑے ہوئے لہٰذا ہم سر کے بل کھڑے ہوں گے تا کہ ہمارا ان کا اختلاف برقرار رہے، اختلاف کوئی مذہب نہیں ہے۔

فکر و منطق مذہب ہے، عقل و فکر کا فیصلہ، وہ مذہب ہے۔ جھگڑا کوئی مذہب نہیں ہے کہ یہ اُن کے خلاف اپنی بات کہیں، وہ اِن کے خلاف اپنی بات کہیں معلوم ہوا نہ اِنھیں اپنا مذہب معلوم ہے نہ اُنھیں اپنا مذہب معلوم ہے۔ اِنھوں نے اُن سے لڑ کے اپنا مذہب طے کیا ہے اور اُنھوں نے اِن سے لڑ کر کے اپنا مذہب طے کیا ہے۔ اور جب دونوں اپنی اپنی برادری میں گئے تو معلوم ہوا جو یہ کہہ رہے تھے وہ ان کا مذہب نہیں تھا اور جو وہ کہہ رہے تھے وہ ان کا مذہب نہیں تھا۔ ایسی حماقتیں صبح و شام سامنے آتی ہیں ظاہر ہے جہلاء عوام الناس ایسی حماقتیں کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ وہ جو ذمہ داران قوم و مذہب ہوتے ہیں انھیں ان سارے مسائل کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ بات آپ یاد رکھیں گے کہ کسی مذہب کی بنیاد نہ جھگڑا ہے نہ لڑائی ہے نہ اختلاف ہے نہ فساد ہے۔ جو مذہب قرآن و سنّت کی بنیاد پر قائم ہوا ہے وہ قابل قبول ہے جو جھگڑوں سے پیدا ہوا ہے۔ وہ کوشش کریں گے کہ یہ جھگڑے برقرار رہیں تا کہ مذہب باقی رہے۔

میں نے اپنے ایک دوست سے جن کو دنیا کی سیاست (Politics) سے زیادہ دلچسپی تھی میں نے ان سے کہا تھا کہ قوم کا ایک شعبہ آپ سنبھالے ہوئے ہیں اور قوم کا ایک شعبۂ بندگی ہم سنبھالے ہوئے ہیں، مگر ہمارے اور آپ کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ پایا جاتا ہے۔ ہمارا کاروبار اُس وقت چلتا ہے جب قوم میں سکون ہوتا ہے، جب دل و دماغ کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے تو کہا یہ جاتا ہے، تب عبادت سمجھ میں آتی ہے،

تب رکوع و سجود سمجھ میں آتے ہیں، تب خضوع وخشوع پیدا ہوتا ہے، ورنہ انسان پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو خالی ڈیوٹی تو انجام دیدیتا ہے مگر وہ توجہ نہیں پیدا ہو پاتی ہے جو پُرسکون حالات میں پیدا ہوتی ہے (توجہ کریں)، تو ہمارا کام اس وقت چلتا ہے جب قوم میں سکون پیدا ہو جائے تاکہ جب بندے خدا کی طرف متوجہ ہو کے فرض بندگی کو ادا کر سکیں۔ آپ کا کاروبار ہی اس وقت چلتا ہے جب قوم میں ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔

یہ میرا موضوع نہیں ہے یہ کچھ مسائل ہیں جن کو کسی نہ کسی شکل میں تو بہر حال آپ تک پہونچانا ہے جس کو ہمارے ملک کی زبان میں نیتا گیری کہتے ہیں یعنی آدمی کو پالیٹیشین (Politician) بننے کا شوق ہے۔ ہم کو لوگ کہیں کہ آپ بھی قوم کے مشکل کشا ہیں۔ ہمارے بارے میں بھی کہا جائے کہ قوم کے سارے مسائل آپ حل کرتے ہیں۔ ان بیچاروں کی ساری پریشانی یہ ہے کہ جو ۲۴ گھنٹے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ قوم میں کوئی ہنگامہ رہے تاکہ ہم ہنگامے میں کود پڑیں اور مسئلے کو حل کریں تو لوگ کہیں کہ ہاں اگر یہ نہ ہوتے ——— اتنا شعور کس کے پاس ہے جو یہ سوچے کہ یہ نہ ہوتے تو آگ ہی نہ لگتی۔ بجھانے کا کیا ذکر ہے لیکن دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ خالی یہی چاہتے ہیں کہ قوم میں کوئی ہنگامہ ہوتا رہے تاکہ ان کی بھی قیادت سلامت رہے، ان کا بھی ذکر خیر ہوتا رہے۔ لیکن مذہب کوئی ایسی تعلیم کسی کو نہیں دیتا ہے اور کوئی مذہب نہیں دیتا ہے۔ یہ تنہا میرا آپ کا مسئلہ نہیں ہے کوئی مذہب اس بات سے راضی نہیں ہے۔

تو پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کے مذہب اور عقیدے کی بنیاد اختلاف نہیں ہے کوئی جھگڑا نہیں ہے، اسلام کی بنیاد قرآن و سنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ (توجہ کریں)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مذہب کے مسائل قیادت سے نہیں طے ہوتے کہ فلاں مقام پر ایسا ہوا تھا لہٰذا یہاں بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ مذہب اگر ہم ہی طے کرلیں گے تو اللہ و رسول کا کام ہی کیا رہ جائے؟ پھر قرآن و سنّت کی ضرورت ہی کیا رہ جائے گی۔ یہ اختیار ہمیں آپ کو نہیں دیا گیا ہے۔ کہاں کیا ہوا تھا؟ وہاں جو بھی ہوا ہو آپ سے کہا گیا ہے وہ آپ کو کرنا ہے۔

میں زیادہ دور آپ کو نہیں لے جاؤں گا مگر چونکہ ساری باتیں مسئلہ عبادت سے متعلق ہیں، اس لئے گذارش کر رہا ہوں۔ مثال کے طور پر دو حقیقی بھائی ہیں، ایک ماں ایک باپ سے پیدا ہونے والے۔ ایک ابوظبی میں رہتا ہے ایک دوبئی میں رہتا ہے۔ آج کے دن وہ آگیا، اپنے بھائی سے ملاقات بھی ہو جائے گی، مجلس عزا میں شریک بھی ہو جائیں گے۔ دو حقیقی بھائی برابر سے مصلّے پر کھڑے ہوئے نماز پڑھنے کے لئے اور دونوں ظہر کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک نے اپنی نماز دو رکعت پر تمام کردی، دوسرا ابھی نماز کو آگے بڑھا رہا ہے جب تک چار رکعت پوری نہ ہو جائے نماز مکمل نہیں ہو سکتی۔ کیا کہا جائے گیا بھائیوں میں اختلاف ہو گیا؟ کہا کہ دو بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اب بتائیے تو جھگڑا گھر گھر پہونچ گیا۔ وہ بیچارے

آئے تھے بھائی سے ملنے کے لئے اور بھائی نے اختلاف کا اعلان کر دیا کہ وہ دو پڑھ رہے تھے یہ چار پڑھ رہے ہیں۔ یا وہ لڑنے کے لئے آئے تھے کہ وہ چار پڑھیں گے تو ہم دو پڑھیں۔ یا یہ اختلاف کا اعلان کرنا چاہتے تھے کہ تم دو پڑھو گے تو ہم چار پڑھیں گے آپ کیا کہیں گے؟ اسے بھائیوں کا جھگڑا کہا جائے، اسے بھائیوں کا اختلاف کہا جائے۔ نہیں۔ اس لئے کہ اگر مذہب انھوں نے خود بنایا ہوتا (توجہ کریں) اگر قانون بندگی انھوں نے خود بنایا ہوتا تو اسی کا نام جھگڑا ہوتا اسی کا نام فساد ہوتا۔ مگر چونکہ دونوں ایک خدا کے بندے ہیں۔ میری بات ضائع نہ ہو۔ دونوں ایک خدا کے بندے ہیں۔ اسی خدا نے ان سے کہا دو پر ختم کرو۔ اسی خدا نے ان سے کہا کہ چار رکعت مکمل کرو۔ چونکہ دونوں خدا کے بندے ہیں لہٰذا عمل میں اختلاف ہو گیا۔ مگر اسے اختلاف نہیں کہا جاتا۔ توجہ کی آپ نے؟ یعنی جب انسان منزل بندگی میں آئے گا تو ہر ایک کو وہ کرنا ہے جو اس کا فرض بندگی ہے۔ اس سے کوئی تعلق نہیں داہنی طرف یہ کیا کر رہے ہیں، بائیں طرف وہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ یہ دیکھئے کہ آپ کا فرض بندگی کیا ہے۔ ورنہ اگر اتحاد میں دو بھائیوں کی نماز ایک جیسی ہو گئی تو گھریلو جھگڑوں کو اوائڈ کرنے کے واسطے ہر شوہر کو دو چار دن نماز چھوڑنا بھی پڑے گی۔ اب میں دیکھوں کتنا سمجھے آپ؟ (صلوات)

مگر ایسا تو نہیں ہے اسلام کوئی ایسا اتحاد تو چاہتا نہیں ہے اس لئے کہ مسئلہ ہم نے طے نہیں کیا ہے۔ اگر مسئلہ ہمارا ہوتا تو ہم طے کر لیتے کہ جب

پڑھیں گے تو دونوں ساتھ پڑھیں گے اور جب چھوڑیں گے تو دونوں ساتھ چھوڑیں گے۔ مگر مسئلہ ہمارے طے کرنے کا نہیں ہے۔ عبادت اور بندگی کے معنی یہ ہیں کہ اختیار کسی اور کے ہاتھ میں ہے، عبادت اور بندگی کے معنی یہ ہیں کہ اختیار مالک کے ہاتھ میں ہے۔ مالک ان سے کہتا ہے کہ پڑھو تو شوہر کو پڑھنا ہے۔ مالک زوجہ سے کہتا ہے چھوڑ دو تو اسے چھوڑ دینا ہے۔ مسئلہ تمھارے میل جول کا نہیں ہے۔ مسئلہ بندگیٔ پروردگار کا ہے۔ اب مجھے ایک لفظ کہنا ہے یہانتک اگر آپ میرے ساتھ چلے یعنی اتنی دیر تک سب کی سمجھ میں آیا تو بھائی بھائی کا عمل مختلف ہو گیا۔ مگر ہونا وہی ہے جو خدا کہے (توجہ کریں) شوہر زوجہ کا عمل مختلف ہو گیا مگر ہونا وہی ہے جو خدا کہے۔

کاش کوئی یہ کہنے والا پیدا ہو جاتا کہ نماز ہی تو ہے۔ لاکھ آپ دو بئی سے آئے ہوں بھائی کی محبّت میں دو۲ رکعت اور پڑھا دیجئے اس کا نام کوئی رقص تو نہیں ہو جائے گا، اس کا نام کوئی گانا تو نہیں ہو جائے گا، نماز ہی تو کہی جائے گی۔ آپ نے کہا نماز ہے نماز، نماز خدا بناتا ہے، بندے کو بنانے کا حق نہیں ہے۔ نہیں توجہ کی میں نے کیا کہا۔ کہنے لگے جب قصر و اتمام کا مسئلہ آیا تو کسی نے نہیں کہا نماز ہی تو ہے دو کی چار بنا دو۔ سب نے کہا نہیں بنا سکتے لاکھ نماز ہو۔ مگر نماز وہ ہے جس کو خدا بناتا ہے آپ کو بنانے کا حق نہیں ہے۔ جب شوہر و زوجہ کا مسئلہ آیا تو ہم نے کہا برائے اتحاد یہ یہ پڑھ رہے ہیں آپ بھی پڑھ لیجئے آپ انھیں کی زوجہ ہیں۔ کہا کیسے پڑھ لیں

خدا نے منع کیا ہے۔ ارے خدا نماز سے کیسے منع کر دے گا نماز ہی تو پڑھنا ہے؟ کہا مگر وہ نماز کیسے ہو گی جس کی خدا اجازت نہ دے گا۔

اتنی مثالیں اسلام نے اسی لئے پیش کر دیں تاکہ مسلمان کو یہ ہوش رہے نماز خدا بناتا ہے، بندے نماز نہیں بنایا کرتے (توجہ کریں) اگر دو رکعت یہ بنا دیں تو نماز نہیں۔ اگر تین دن تک وہ بناتی رہیں تو نماز نہیں، جو خدا بنائے گا وہ نماز ہے۔

اب تو اندازہ ہوا کہ شکل نماز کا نام نماز نہیں ہے، حکم پروردگار نماز کو نماز بناتا ہے۔ اب آپ گھنٹوں پڑھتے رہیے، منٹوں پڑھتے رہیے، درجنوں پڑھتے رہیے، جتنی چاہے پڑھیے اگر خدا نے بنایا ہے تو نماز کہی جائے گی، ورنہ شکل نماز ہو گی روح بندگی نہ ہو گی۔ (صلوات)

اکثر لوگ بہت آسانی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ نماز ہی تو ہے، روزہ ہی تو ہے، نہیں، ہی تو نہیں ہے خدا بنائے گا وہ ہے، مالک نے ہمیں حکم دیا ہے، ہم خدا کے بندے ہیں ہم قیاسات کے بندے نہیں ہیں۔ کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو ویسا بھی ہونا چاہیئے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو وہ کام بھی ہو جانا چاہیئے، ہو جانا چاہیئے ہم کون کہنے والے ہیں، ہم مالک کے بندے ہیں جو اس نے کہہ دیا ہے اسی کو تسلیم کرنا ہے۔ جو سرکارِ دو عالمؐ پیغام لے آئے ہیں اسی پیغام کے مطابق عمل کرنا ہے، کسی آدمی کو دین و مذہب میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔

یہ تین باتیں میں نے تمہیداً گزارش کی ہیں، اور اگلے سات دن تک

اس کے نتائج آپ دیکھتے رہیں گے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مذہب آپ کے قیاسات سے طے نہیں ہوتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مذہب آپس کے جھگڑوں سے طے نہیں ہوتا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مذہب تہمت وافترا سے طے نہیں ہوتا۔

توجہ کی آپ نے؟ لہٰذا ہمارے بارے میں کسی کو کچھ دریافت کرنا ہو تو ہم سے پوچھئے ہمارا عقیدہ کیا ہے؟۔ توجہ کی آپ نے؟۔ ہم عبادت کو تنہا ذات واجب تک محدود جانتے ہیں۔ سوائے پروردگار کے اور کوئی عبادت کا اہل نہیں ہے اب یہاں پر ایک جملہ گذارش کرنا ہے ذرا اس پر آپ توجہ فرمائیے گا۔ اچھا یاد آگیا یہ فقرہ ضروری بھی تھا۔ یہ جو ہم کلمہ پڑھتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ اس کے معنی کیا ہیں؟ ان سے پوچھا گیا اس کے معنی کیا ہیں؟ آپ جو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہوئے ہیں اس لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگے کوئی معبود نہیں ہے سوا خدا کے۔ کہا کس نے آپ سے کہہ دیا سوائے خدا کے۔ یہ کروڑوں آدمی جو پتھروں کے سامنے سجدہ ریز ہیں یہ کیا ان کے معبود نہیں ہیں؟ اگر معبود نہیں ہیں تو کیا سمجھ کے سجدہ کر رہے ہیں۔ غور کیا آپ نے جو لوگ درختوں کی خدائی کے قائل ہیں کیا درخت ان کے خدا نہیں ہیں؟۔ جو چاند سورج کی خدائی کے قائل ہیں کیا وہ ان کا معبود نہیں ہے؟ معبود تو بہت ہیں ارے حد یہ ہے کہ تین سو ساٹھ تو کعبہ کے اندر تھے آپ ان کو بُت کہتے ہیں، جنھوں نے لا کے رکھا تھا ان سے پوچھئے یہ کیا ہیں؟۔ معبود ہی تو کہیں گے؟۔ اگر آپ کہیں کوئی خدا نہیں ہے سوائے

خدا کے ۔ تو یہ سب ان کے خدا ہی تو ہیں ۔ اگر آپ نے کہا کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے تو یہ سب معبود ہی تو ہیں اور کیا ہیں ؟ یہ جو ہم نے کلمہ پڑھا ہے اس کے معنی کیا ہوئے ؟ اب سب مجھے دیکھ رہے ہیں ۔ ارے کلمہ کیلئے میں نے تھوڑی پڑھا ہے، کلمہ آپ نے بھی تو پڑھا ہے ۔ تو کیا سمجھ کے پڑھا تھا کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے ۔ لاکھوں معبود پائے جاتے ہیں، کوئی خدا نہیں کروڑوں خدا پائے جاتے ہیں ۔ جدھر دیکھئے خداؤں کا انبار لگا ہوا ہے ۔ تو آخر اس لا الٰہ الا اللہ کے معنی کیا ہیں ؟ لفظ الٰہ کے معنی معبود یعنی کوئی معبود نہیں ۔ لیکن معبود تو بہت ہیں یہ ان کی عبادت کر رہے ہیں ۔ حد یہ ہے کہ ایک معبود تو اندر بیٹھا ہوا ہے ۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ ۔ پیغمبرؐ! ان سے پوچھئے کیا تم نے ان کو بھی دیکھا ہے کہ جن کا خدا خود ان کا نفس ہے، ان کے خواہشات ہیں ۔ اور ایسا خدا ہے کہ اصل خدا کی بات کو ٹھکرا دیتے ہیں، خواہشات کو نہیں ٹھکراتے ہیں ۔ غور کیا آپ نے ؟ ۔ پتھروں سے لے کے سورج تک اور باہر سے لے کے اندر تک معبودوں کا تو انبار لگا ہوا ہے کیسے مسلمان کہتا ہے کوئی معبود نہیں ہے ۔ اتنے خدا دنیا میں پائے جاتے ہیں کیسے کہا جائے کوئی خدا نہیں ہے، خدا تو بہت ہیں ۔ تو آخر اس لفظ کے معنی کیا ہوئے ؟ اس کلمہ کے معنی کیا ہوئے ؟ ۔ اب اس مقام پر علمائے اسلام نے اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے اور سمجھانے کے لئے ایک لفظ استعمال کیا ہے ۔ اور میں چاہتا ہوں آپ اسی لفظ کو پہچان لیں باقی مسائل خود ہی حل ہو جائیں گے اور وہ یہ ہے کہ یہ نہ کہئے کہ کوئی خدا نہیں ہے ۔ خدا تو

بہت ہیں یہ نہ کہیے کوئی معبود نہیں ہے معبود تو بہت ہیں۔ جس کے عبادت گذار مل جائیں وہی معبود ہو جاتا ہے۔ خود قرآن مجید نے کہا اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا کہ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطَانَ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے ہیں آدم کے اور عبادت کرتے ہیں شیطان کی۔ اگر اولادِ آدم شیطان کی عبادت کرے تو شیطان معبود نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے گا۔ غور کیا آپ نے؟ بھائی جس کو عبادت کرنے والے مل جائیں وہی معبود ہو جائے گا۔ اس لئے علماء نے کہا آپ سمجھے نہیں اس کلمہ کے معنی کیا ہیں؟ اب کلمے کا ترجمہ یوں کیجیے لا الٰہ الا اللہ کوئی معبود جو واقعاً معبود کہے جانے کے لائق ہو۔ غور کیا؟۔ کوئی خدا جو واقعاً خدا کہے جانے کے لائق ہو کوئی نہیں ہے الا اللہ سوائے اللہ کے۔ ایسا نہیں ہے کوئی معبود نہیں ہے، معبود تو بہت ہیں معبود۔ برحق کوئی نہیں ہے سوائے اس کے۔ خدائے برحق کوئی نہیں ہے سوائے اس کے۔ اب اس لہجے کے معنی پہچانے آپ نے؟۔ کاش میری بات واضح ہو جائے۔ اگلے جملہ سے سب واضح ہو جائے گا۔ لیکن میں یہی سمجھانا چاہتا ہوں اپنے بچوں کو۔ تو کیا کہا ہم نے کوئی معبود نہیں ہے، یعنی واقعاً جس کو معبود کہا جائے ایسا کوئی نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ کوئی خدا نہیں ہے لاکھ بناؤ خدا، مگر کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ایک واقعاً کا اضافہ کرنا پڑے گا۔ یعنی جو واقعی خدا کہا جائے وہ کوئی نہیں ہے سوائے اللہ کے، جو واقعی معبود کہا جائے وہ کوئی نہیں ہے سوائے اللہ کے۔

اگر اس لہجہ کے معنی سمجھ گئے کہ کہا تو یہ ہے کہ معبود کوئی نہیں ہے مگر مطلب

یہ ہے کہ وہ معبود جو واقعاً معبود کہے جانے کے لائق ہو، وہ خدا جو واقعاً خدا کہے جانے کے لائق ہو وہ سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں ہے۔ اگر اس کلمہ کو سمجھ لیا تو آگے سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی تلوار ہی نہیں ہے، ارے بازار میں جو دس درہم کی بک رہی ہے وہ بھی تلوار ہے، جو سو روپئے کی مل رہی ہے وہ بھی تلوار ہے، جو ہزار روپئے کی ہے وہ بھی تلوار ہے۔ تو کہنے والا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ سوائے ذوالفقار کے کوئی تلوار نہیں ہے۔ یہ سب تلواریں ہی تو ہیں انھیں خنجر تو نہیں کہا جائے گا۔ تو آپ کیا کہیں گے وہی لہجہ جو توحید سے سیکھا ہے۔ اب میری بات آپ پر واضح ہو گئی وہی لہجہ جو ہم نے توحید سے سیکھا لا الٰہ الا اللہ کوئی خدا جو خدا کہے جانے کے لائق ہو سوائے اللہ کے نہیں ہے۔ اب پہچانو کوئی تلوار جو تلوار کہے جانے کے لائق ہو سوائے ذوالفقار کے ایسی کوئی تلوار نہیں ہے۔

اب تیسرے جملے کے معنی پہچانو۔ کوئی جوان جو جوان کہے جانے کے لائق ہو۔ سن و سال قد و قامت کے جوان تو لاکھوں مل جائیں گے مگر جو مرد میدان کہے جانے کے لائق ہو وہ کوئی نہیں لَا فَتیٰ اِلَّا علیؑ۔ تو جو خدا کہے جانے کے لائق ہے وہ وہ ہے باقی کوئی نہیں ہے۔ جو تلوار کہے جانے کے لائق ہے وہ ذوالفقار ہے۔ باقی کوئی نہیں ہے جو مرد میدان کہے جانے کے لائق ہے وہ علیؑ ہیں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ (صلوات)

بس عزیزانِ محترم، اس سے زیادہ میں تمہید میں وقت نہیں لے سکتا ہمارے اسلامی عقائد کی بنیاد پر معبود تنہا پروردگار ہے باقی سب اس کے بندے ہیں۔ اس لئے ہم نے روز اوّل کلمہ پڑھا ہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

سرکارؐ سے بڑا انسان اس دنیا میں کون ہوگا؟ پیغمبر اسلامؐ سے بالاتر کوئی ہستی قابل تصوّر نہیں ہے۔ اول کائنات سے آج تک اور آج سے قیامت تک سرکارؐ جیسا نہ کوئی انسان پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہونے والا ہے۔ ہم ان کو تو بندہ کہتے ہیں خدا کس کو کہیں گے۔ نہیں غور کیا آپ نے میں نے کیا کہا۔ کوئی ہم سے کہے آپ فلاں کو خدا مانتے ہیں۔ ارے دیوانو اتنا تو سوچا ہوتا جو ان سے بڑے بڑے ہیں ان کو تو ہم بندہ کہتے ہیں۔ جو سرکار دو عالمؐ ساری دنیا سے افضل ہیں انھیں تو ہم بندہ کہہ کے کلمہ پڑھتے ہیں، ہم کسی اور کو خدا کیسے کہہ دیں گے، ہم کسی اور کی خدائی کے کیسے قائل ہو جائیں گے؟ ہمارا معبود صرف ایک ہے باقی سب اس کے بندے ہیں، بس فرق جتنا ہے وہ بندگی میں ہے۔ توجہ کریں۔ فرق بندگی میں پایا جاتا ہے۔ ہم بھی بندے ہیں آپ بھی بندے ہیں۔ آپ کی بندگی ہم سے بہتر ہے، ہماری بندگی آپ سے کمزور ہے۔ مگر نہ آپ خدا ہیں نہ میں۔ خدا وہی ایک ہے۔ جتنے درجے طے ہوئے ہیں وہ بندگی کے اعتبار سے طے ہوئے ہیں، وہ بندگی کے اعتبار سے طے ہوئے ہیں، اور یہی وجہ ہے بندگی کی آخری منزل جب سامنے آئی تو گہوارہ سے آواز آئی اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ۔ توجہ کریں۔ دیکھا آج ایک ایسا بندہ بھی ہے جس کو لوگ خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں، مگر وہ آواز دے رہا تھا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اب اندازہ ہوا کہ یہ کمال احتیاط عیسیٰ بن مریمؑ تھا قبل اس کے کہ جاہل خدا کا بیٹا کہیں، گہوارہ سے اعلان کر دیا میں خدا کا بندہ ہوں۔ اسے کہتے ہیں کمالِ بندگی کہ خدائی رشتہ ملنے والا تھا مگر رشتہ کو توڑ دیا بندگی کے سامنے۔ مجھے لفظ کہنے دیجئے مگر اتنا فرق تو پھر رہ گیا کہ عیسیٰؑ نے خود اپنے کو

بندہ کہا تھا۔ نہیں توجہ کی آپ نے میں نے کیا کہا معاذ اللہ نبی خدا ہیں غلط نہیں کہہ سکتے۔ مگر عیسیٰؑ کا کمال بندگی یہ ہے کہ گہوارہ سے اعلان کیا مگر خود اپنے کو بندہ کہا۔ ایک بندگی کی منزل وہ ہوتی ہے جہاں بندہ اپنے کو بندہ کہتا ہے اور ایک منزل وہ ہوتی ہے کہ جس کا بندہ ہے۔ میں اپنے کو آپ کا چاہنے والا کہوں یہ اور ہے، آپ مجھے اپنا چاہنے والا کہہ دیں یہ اور ہے۔ دعوائے محبت تو سب کر سکتے ہیں مگر اُدھر سے سند مل جائے یہ آسان کام نہیں ہوتا۔ گہوارہ میں ابن مریم بولے تو کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ معراج میں خدا بولا تو آواز آئی "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ" وہ اپنے بندے کو لے گیا اس کا کمالِ بندگی کیا ہوگا کہ جس کی بندگی کا اعلان عرش اعظم سے پروردگار کر رہا ہے۔ (صلوات)

اور جب مالک نے اپنا عبد اور بندہ کہہ کے اپنی بارگاہ میں بُلایا تو بندے نے بندگی کی لاج رکھ لی "دَنٰی فَتَدَلّٰی" اس منزلِ قرب میں جانے کے بعد سرکارؐ جا کے بیٹھ نہیں گئے۔ اس لفظ پر توجہ کریں۔ قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے اور روایات میں تفصیلات موجود ہیں۔ منزلِ قرب میں جانے کے بعد ان بلندیوں تک جانے کے بعد کہ جہاں مَلک بھی نہ جا سکا۔ اور مَلک کیا سید الملائکہ بھی نہ جا سکا جہاں جبرئیل آواز دے رہے ہیں میرا منتہیٰ یہی ہے، میں اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ اگر ذرا بھی آگے بڑھ جاؤں جل کے خاکستر ہو جاؤں گا۔ جہاں ملک مقرب ٹھہرا ہوا ہے سرکارؐ وہاں جا رہے ہیں۔ مگر وہاں جانے کے بعد نہ کھڑے ہو گئے نہ بیٹھ گئے بلکہ مالک کی بارگاہ میں سر جھکا دیا۔ یعنی جب مالک نے مجھے بندہ کہہ کے بُلایا ہے تو میری ذمہ داری ہے کہ پہونچتے ہی پہلا کام وہ ہو کر

میرا فرض بندگی ادا ہو جائے۔ توجہ کی آپ نے؟ تو عرش اعظم کی بلندی پر سرکار دو عالم کو سجدہ کرتے دیکھا۔ ایک عجب لفظ گذارش کر رہا ہوں۔ ارے دو ہی جگہیں تو خدا کی ہیں ورنہ وہ تو لامکان ہے۔ کاش میری محنت ضائع نہ ہو۔ دو ہی جگہیں جو خدا کی ہیں ورنہ وہ تو لامکان ہے۔ لامکان ہونے کے بعد بھی اس نے دو مکان اپنے بنا رکھے ہیں۔ توجہ کریں۔ بلندیوں پر جاؤ تو عرش اس کی منزل ہے، زمین پر آؤ تو کعبہ اس کا مکان ہے۔ یہ دو ہی جگہیں ہیں جن کو اس نے اپنا بنایا۔ اب تلاش کرو کہ کمال بندگی کی منزل کون ہے؟ اس کی بندگی کا جواب کہیں نہ ملے گا۔ جو وہاں جائے تو عرش اعظم پر سجدہ کرے یا یہاں پیدا ہو کر کعبہ میں سجدہ کرے۔ (صلوات)

جس کی زندگی کا آغاز سجدۂ پروردگار سے ہوتا ہو، جو خاک کعبہ پر قدم رکھنے کے بعد پیشانی سجدہ میں رکھتا ہو اُس کے بارے میں کہا جائے کہ وہ خدا ہے یا کوئی اسے خدا سمجھتا ہے۔ کوئی دیوانہ ہو گیا ہے جو اسے خدا سمجھے گا۔ کوئی حقائق کا انکار کر دے گا جو اس کو خدا سمجھے گا اور یہ تو مالک کا یہ اہتمام تھا کہ خدا کے گھر میں تھیں جناب مریمؑ، وہ بھی اللہ ہی کا گھر تھا خدا ہی کے گھر میں تھیں جناب مریمؑ۔ لیکن جب وقت آ گیا تو کہا باہر جاؤ۔ اور بنت اسد باہر تھیں آواز آئی اندر آ جاؤ۔ یہ فرق کیوں پیدا ہو گیا؟ یہ لفظ میں نے کبھی کہا تھا مگر نئے مجمع کے سامنے لفظ کو اس لئے دُہرانا چاہتا ہوں تاکہ میری بات واضح ہو جائے۔ یہ اندر ہیں ان سے کہا باہر جاؤ۔ وہ باہر ہیں اُن سے کہا گیا اندر آ جاؤ۔ دیوار شق ہو جائے نیا دروازہ بن جائے اندر آ جاؤ۔ پروردگار ایسا کیوں ہو گیا؟ پروردگار نے کہا تم نہیں جانتے ہیں دونوں کے بارے میں گمراہ ہونیوالوں

جانتا ہوں۔ میں دونوں کے بارے میں بہکنے والوں کو جانتا ہوں۔ عیسیٰؑ کے بارے
ں جو بہکیں گے وہ بیٹا کہیں گے (متوجہ ہیں آپ؟) عیسیٰؑ کے بارے میں جو
کیں گے وہ خدا کا بیٹا کہیں گے۔ اس کے بارے میں جو بہکے گا تو اسے خدا کہے گا۔
کنے والوں کا انداز بھی ایک جیسا، نام بھی ایک جیسا۔ توجہ کریں۔ وہ بہکے تو بیٹا
ہ کے، یہ بہکے تو خدا کہہ کے۔ انداز بھی ایک جیسا جو بیٹا کہہ کے بہکے وہ نصاریٰ
ے گئے، جو خدا کہہ کے بہکے وہ نصیری کہے گئے۔ پروردگار نے دونوں کا انتظام
ر دیا اے مریمؑ! تم باہر چلی جاؤ، ورنہ تمھارا بیٹا اگر میرے گھر میں پیدا ہو گیا تو
لموں کو کہنے کا موقع مل جائے گا کہ جس کا تھا اس کے گھر میں پیدا ہوا، جس کا بیٹا
ا اس کے گھر میں پیدا ہوا۔ ابن اللہ ہونے کی سند مل جائے گی۔ لہٰذا مریم تم باہر
لی جاؤ۔ بنت اسد! تم آجاؤ تاکہ یہ تمھارا بیٹا میرے گھر میں پیدا ہو۔ دنیا کو ہوش
ہے جو پیدا ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا، جو پیدا کرتا ہے وہ خدا ہوتا ہے۔ (صلوات)

لہٰذا مالک کائنات نے خود اس حقیقت کو واضح کر دیا، اور بندے کا
ال کردار تھا کہ خاکِ خانۂ حق پر قدم رکھا تو پیشانی سجدۂ معبود میں رکھ دی۔ یہ
ہے کمال بندگی۔ اور ظاہر ہے اللہ کے جو بندے بندگی کی قدر و منزلت جانتے
ں، وہ جانتے ہیں کہ دنیا خدا بھی بن جائے تو خدائی میں کچھ نہیں رکھا خدائے برحق
منزل الگ ہے باقی سب خدا بھی بن جائیں تو خدا میں کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے
ہ بندگی میں ہے۔ توجہ کریں۔ جو کچھ ہے وہ بندگی میں ہے۔ انسان کا کمال
رگی میں ہے، انسان کا کمال خدا بننے میں نہیں ہے۔ اور اگر آپ اس کی مثال
ہتے ہیں تو بہت سامنے کی مثال ہے۔ لاکھوں من لکڑی جمع ہو گئی، شعلے بھڑک گئے

لگے۔ اب مسئلہ خالی یہ ہے کہ ایک بندۂ خدا کو آگ میں ڈالنا۔ واقعہ تو آپ کو یاد ہے قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ ایک بندۂ خدا ہے جو نمرود کو خدا نہیں مانتا، خدائے برحق کی خدائی کا اعلان کرتا ہے۔ اس ایک انسان کو جلا دینا ہے۔ آگ تیار ہو گئی، شعلے بھڑک رہے ہیں۔ مگر یہ ابراہیمؑ آگ میں جائیں کیسے؟ اب سب پریشان ہیں کہ ابراہیمؑ آگ میں کیسے جائیں؟ تدبیریں ہو رہی ہیں، ترکیبیں طے ہو رہی ہیں اور سُنتے رہتے ہیں آپ، اخیر میں طے ہوا کہ منجنیق میں رکھ کر دور سے پھینک دیا جائے۔ میں نے اس مقام پر کبھی ایک جملہ کہا تھا کہ دور سے پھینکنے کی کیا ضرورت ہے؟ نہیں غور کر رہے ہیں آپ؟۔ دور سے پھینکنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم نے دور سے ابراہیمؑ کو منجنیق میں رکھ کر پھینکا، درمیان میں تیز ہوا چل گئی، وہ کہیں اور چلے گئے، ساری محنت برباد۔ اچانک ہوا چل گئی۔ چلئے کوئی خدا نہیں ہے تمھاری نظر میں جو ہوا چلانے والا ہے، لیکن اگر اچانک ہوا چل گئی اور وہ کہیں اور چلے گئے تو اتنی مہینے بھر کی محنت سب برباد ہی تو ہو جائے گی تو ایسی حماقت کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ آپ کہیں گے تو کریں کیا؟ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں ہوتا تو مشورہ دیتا۔ لیکن بہرحال اتنی بات لوگوں کی عقل میں آنی چاہئے تھی کہ دور سے پھینکنے کے بعد اعتبار نہیں پیدا ہوتا کہ گئے کہ نہیں گئے، پہونچے کہ نہیں پہونچے؟ جلے کہ باقی رہ گئے؟ کون جانے۔ اے حضرت نمرود! آپ تو خدا ہیں، ابراہیم بندۂ خدا ہیں، آسان سی بات ہے ابراہیمؑ کا بازو پکڑئیے اور بیچ شعلوں کے درمیان لے جلئیے اور جب تک جل کر خاک نہ ہو جائیں واپس نہ آئیے گا۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ خدا کی مخالفت کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آئندہ کوئی آپ کے خلاف سوچنے کی ہمت نہ کرے گا۔ حضور بہترین بات ہے آپ تو خدا ہیں، آپ کا تو کچھ بگڑے گا نہیں

براہیمؑ جل جائیں گے، آپ کو اطمینان ہو جائے گا دشمن جل گیا۔ مگر یہ نمرود، یہ سوچنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ غور کر رہے ہیں آپ؟۔ کوئی یہ رائے دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہے، یعنی خدا ہو کے ڈر رہا ہے کہ جل جائیں گے۔ بس میں نے ایک لفظ کہا باقی آپ سوچ لیجئے گا۔ وہ خدائی کا دعویٰ کر کے ڈر رہا ہے کہ اگر آگ میں گئے تو جل جائیں گے۔ اور ابراہیم فضا میں مطمئن ہیں۔ ملک نے کہا سہارا دوں؟ آواز دی اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے، میرا خدا مجھے بچانے والا ہے۔ اب آپ نے اندازہ کیا کہ خدائی لرز رہی ہے بندگی مطمئن ہے۔ خدا بننے والا جانے کی ہمّت نہیں کر پا رہا ہے، بندگی کرنے والا مطمئن نفس کے ساتھ جا رہا ہے۔ اب تو اندازہ ہوا کہ بندوں کے خدا بن جانے میں کچھ نہیں رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ بندگی میں رکھا ہے۔ (صلوات)

اس لئے بنیادی مسئلہ اسلام کا یہ ہے کہ معبود ایک ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ سب اس کے بندے ہیں۔ کسی کی بندگی کمزور ہے، کسی کی بندگی طاقتور ہے۔ کسی کی بندگی کم ہے، کسی کی عبادت زیادہ ہے۔ ایک ایسا انسان بھی مل سکتا ہے اور ایک ایسا انسان بھی پیدا ہو سکتا ہے جو بندگی کا حق ادا کرے کہ اس ادا کا نام بندگی ہو جائے۔ لیکن بالآخر یہ سب بندے ہی ہوں گے، ان میں کوئی خدا نہیں ہو جائے گا۔ حد یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا بندہ پیدا ہو جائے کہ خدا خود اس کے سامنے لوگوں کے سر جُھکا دے۔ ہم تو اسے بھی خدا نہیں کہتے۔ بس یہ آخری لفظ ہے باقی انشاءاللہ آئندہ گذارش کروں گا۔ اس نکتہ پر غور کریں قرآن مجید کا قصّہ ہے، یہ کوئی داستان نہیں ہے نہ یہ کوئی روایت

ہے، نہ کوئی تاریخی افسانہ ہے، یہ قرآن مجید کی داستان ہے۔" اس موقع کو یاد کرو جب پیکرِ آدمؑ تیار ہو رہا تھا اور ہم نے کہا جب پیکر آدمؑ میں روح پھونک دی جائے تو اے آسمان کے رہنے والے فرشتو "فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ"۔ یہ پہلا حکم تھا، اس کے بعد نتیجہ سامنے آیا "فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" سارے فرشتوں نے سجدہ کر لیا تو کیا آدمؑ خدا ہو گئے؟ بتائیے کوئی ایک مسلمان یہ سوچنے والا پیدا ہوا کہ جب آدمؑ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ خود پروردگار نے ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے دیا؟۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا وہ تھا جس نے حکم دیا۔ اور معاذ اللہ دوسرا خدا یہ ہے جس کے سامنے معصوم فرشتوں سے سجدہ کرا دیا، تو کیا آدمؑ خدا ہو جائیں گے؟ نہیں ہوں گے!۔ کسی میں جرأت ہے جو کہہ سکے کہ آدمؑ خدا ہو گئے؟ نہیں ہو گئے۔ حالانکہ خدا نے آدمؑ کے سامنے فرشتوں سے، گناہگار انسانوں سے نہیں، دو چار پیسے پہ سجدہ کر لینے والوں سے نہیں، دولت دنیا کے ہاتھوں بک جانے والوں سے نہیں، عرش کے رہنے والے معصوم فرشتوں سے سجدہ کرا دیا، مگر اس کے بعد بھی آدمؑ خدا تو نہیں ہو گئے۔ توجہ کریں۔ کیوں نہ ہو گئے؟ اس لئے کہ مالک نے کہا کہ سجدہ کرو۔ میری بات پر توجہ کریں۔ اس لئے کہ خود پروردگار نے کہا کہ ان کے سامنے خود سجدے میں گر جاؤ۔ اگر آدمؑ نے کہا ہوتا تو خود جناب آدمؑ کی توحید خطرے میں پڑ جاتی، خدا بننا تو بعد کا مسئلہ تھا۔ مگر مسئلہ یہ نہیں ہے بندے نے کہا مجھے سجدہ کرو۔ مالک نے کہا تو مالک تو جہاں جھکا دے گا وہیں جھک جائیں گے۔ توجہ کر رہے ہیں؟۔ مالک جہاں حکم دے دیگا۔ اسی لئے میں نے کہا تھا ہمارے مذہب میں حسابات نہیں چلتے ہیں، مذہب میں قانون خدا چلتا ہے۔ قانون خدا نے آدمؑ کے سامنے لتنے

فرشتوں کو جھکا دیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ فرشتوں نے سجدہ کیا حکم خدا سے۔ مگر آدمؑ تو کوئی خدا نہیں ہو گئے، جناب آدمؑ کوئی معبود تو نہیں ہو گئے۔ اگر خدا نے جھکا دیا تو آسمان والوں کو بھی جھکنا چاہیئے اور اگر پروردگار منع کر دے تو ہم بھی نہ جھکیں گے۔ یہاں حسابات نہیں لگتے۔ وہاں یہ ہو سکتا ہے تو یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ جو ہو سکتا ہے وہ آپ سے بہتر خدا جانتا ہے۔ کیا ہو سکتا ہے؟ کیا نہیں ہو سکتا یہ مالک آپ سے بہتر جانتا ہے۔

قانون الٰہی کیا ہے؟۔ توجہ کر رہے ہیں؟۔ میں چاہتا ہوں اس مقام پر یہ دو لفظیں ہیں جنھیں آپ سُن لیں اور بعد میں جا کر پڑھ لیں اور پڑھنا ضروری ہے یہ بات دونوں جگہ پائی جاتی ہے۔ جب حرم امیر المومنینؑ میں زیارت کرنے والا جاتا ہے تو زیارت کے بعد کہا گیا دو رکعت نماز پڑھو نماز زیارت، جو ہدیہ ہے اس معصومؑ کے لئے جس کی زیارت کے لئے گئے ہیں۔ یہ حرم امیر المومنینؑ میں نجف میں بھی یہ فقرہ پایا جاتا ہے اور حرم سید الشہداؑ میں کربلا میں بھی یہ فقرہ پایا جاتا ہے جب دو رکعت نماز ہو جائے۔ پہلے آئے سلام کیا، زیارت پڑھی، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، ہدیہ ہے یہ اللہ کے اس بندے کے لئے جو اس مرقد مقدس میں آرام کر رہا ہے۔ جب نماز تمام ہو گئی تو کہا یہ دعا پڑھو۔ مفاتیح الجنان میں یہ دعا موجود ہے پڑھ لیجئے گا۔ اب یہ دُعا پڑھو، پروردگار! اِنِّیْ صَلَّیْتُ ھَاتَیْنِ الرَّکعَتَیْنِ۔ میرے مالک! یہ میں نے جو دو رکعت نماز پڑھی ہے یہ میری طرف سے ہدیہ ہے اس صاحبِ قبر کے لئے۔ پروردگار! لَکَ صَلَّیْتُ وَلَکَ رَکَعْتُ وَلَکَ سَجَدْتُ۔ پروردگار! یہ نماز بھی تیرے لئے ہے، یہ رکوع بھی تیرے

ان کی بارگاہ ہیں، مگر یہ واسطے ہے، یہ سجدہ بھی تیرے واسطے ہے، ان کے روضہ میں ہے نماز تیرے لئے ہے، یہ رکوع تیرے لئے ہے، یہ سجدہ تیرے لئے ہے کیوں ؟ لِاَنَّهٗ لَا تَکُوْنُ الصَّلٰوۃُ وَالرُّکُوْعُ وَالسُّجُوْدُ اِلَّا لَکَ. اس لئے کہ نماز ہوگی تو تیرے لیے ہوگی، رکوع ہوگا تو تیرے لئے ہوگا، سجدہ ہوگا تو تیرے لئے ہوگا۔ یہ تیرا قانون ہے، اسی قانون پر عمل کیا ہے۔ یہ دونوں جگہ فقرہ ہے، زیارت امیر المومنینؑ کے ساتھ بھی اور زیارت مظلوم کربلا کے ساتھ بھی۔ ہمیں مالک حکم دیدے تو ہم کیا ہیں آسمان کے فرشتوں کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر پروردگار کہے پڑھو یہاں مگر میرے لئے تو پڑھیں گے وہیں، مگر اسی کے لئے جو کہنے والا ہے۔

کوئی ہمارے اوپر الزام نہ لگائے، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے ان کو خدا کہہ دیا ہے ہم نے ان کو مان لیا ہے۔ میں نے پہلے کہا تھا کہ مذہب کسی کے الزامات سے طے نہیں ہوتا ہے۔ ہمارا لٹریچر موجود ہے، ہماری دعائیں موجود ہیں، ہماری زیارتیں موجود ہیں، ہماری کتابیں موجود ہیں لَا تَکُوْنُ الصَّلٰوۃُ وَالرُّکُوْعُ وَالسُّجُوْدُ اِلَّا لَکَ۔ پروردگار یہ بندگی تیرے واسطے ہے ان کی بارگاہ میں تو نے کہا ہے یہاں پڑھیں گے، کہیں اور حکم دے گا وہاں پڑھیں گے۔ کہا انھیں ہدیہ کردو، انھیں ہدیہ کردیں گے۔ کہا کسی کو نہیں کہا میرے لئے ہوگی تو تیرے لئے ہوگی۔ جیسے تو کہتا جائے گا ہم ویسے ہی کرتے جائیں گے اس لئے کہ ہم بندے تیرے ہیں۔ اور ہم نے درس بندگی انھیں سے سیکھا ہے، ہمیں بندگی کا سبق انھوں نے سکھایا ہے۔ جو تو نے کہا ہم نے ویسے کر دیا۔

یہ دو جگہ یہ فقرہ کیوں دُہرایا گیا، آج مجھے یہی لفظ عرض کرنا ہے اسے یاد رکھیں گے

آپ ۔ یہی جملہ کہلایا گیا روضۂ امیر المومنینؑ میں اور یہی فقرہ دوبارہ پڑھوایا گیا روضۂ سید الشہداءؑ میں، اس لئے کہ منزل کمال میں (میری بات پر غور کریں گے) انسان کا کمال دو ہی طریقوں سے پہچانا جاتا ہے یا فضائل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے (توجہ کریں) یا فضائل و کمالات کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے، یا مصائب کو برداشت کرنے اور مصائب کے مقابلے سے پہچانا جاتا ہے۔ منزلِ فضائل میں جس کے کمال کو سب سے زیادہ پہچانا گیا وہ ذاتِ علیؑ ہے۔ منزلِ مصائب میں جس کے کمال کو سب سے زیادہ پہچانا گیا وہ ذات حسین بن علیؑ ہے۔ اور یہاں آنے کے بعد کہا اب یہ کہو کہ بندگی تیرے واسطے ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان سے کچھ سیکھا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ جس کی بارگاہ میں آئے ہو اس سے درس بندگی سیکھا ہے۔ ان کا تو حال یہ ہے کہ آئے تو کعبہ میں سجدہ کیا گئے تو مسجد کوفہ میں سجدہ کیا۔ آئے تو خاک مدینہ پر سجدہ کیا اور گئے تو خاک کربلا پر سجدہ کیا۔ وہ اپنے مالک کی عظمتوں کا اعلان کر رہے ہیں۔ وہ دنیا کو درس بندگی دے رہے ہیں۔ لہٰذا ان سے سبق سیکھا ہے تو اس انداز سے دُہراؤ۔

اب اس مقام پر ایک جملہ جو آپ کے ذہنوں میں گھوم رہا ہے کسی نے بڑی اچھی بات کہی جب پروردگار نے اتنا باکمال بنایا تھا، اپنے بندوں کو جب مالک نے اتنا باکمال بنایا تھا۔ کسی کو عرش اعظم پر لے گیا، کسی کے لئے اپنا گھر زچہ خانہ بنا دیا، کسی کو کوئی کمال دے دیا۔ جب اتنا باکمال بنایا تھا تو جیسے کل آدمؑ کے لئے سجدہ کرا دیا تھا۔ ہر مسلمان سے کہا ہوتا کہ زندگی میں دو سجدے پیغمبرؐ کے واسطے کرنا۔ کوئی مسلمان انکار کر دیتا؟ اگر پروردگار کہہ دیتا کون انکار کرنے والا

ہے۔ آپ کرتے نہ کرتے میں تو کر ہی لیتا۔ اگر مالک کا حکم ہوتا تو یقیناً کرتا۔ جب پروردگارِ عالم نے جناب آدمؑ کے واسطے فرشتوں کو جھکا دیا تو فخرِ آدمؑ کے سامنے بھی دو چار سجدے کرا دئے ہوتے کہ ان کی عظمتوں کا اعلان ہو جاتا۔ جیسا سوال ویسا جواب۔ پوچھنے والے نے جیسا سوال کیا، جواب دینے والے نے اتنا ہی حسین جواب دیا کہ اس میں ان کی کمزوری نہیں ہے کمزوری تمھاری ہے کہ کیوں پروردگار نے حکم نہ دیا؟ اس میں ان کے کمال کی کمی نہیں ہے، یہ تو تمھارے نفس کی کمزوری ہے۔ آدمؑ کے سامنے سب نے سر جھکا دیا مگر کوئی ایک خدا کہنے والا نہیں پیدا ہوا جن کو آدمؑ کے سامنے جھکایا تھا انھوں نے سجدہ کر لیا مگر خدا نہیں کہا۔ یہاں حکم سجدہ نہیں آیا تب تو یہ حال ہے کہ ایک چھوٹی قوم سہی مگر پیدا ہو گئی۔ کہیں حکم سجدہ آ گیا ہوتا تو دنیا کا کیا نقشہ بنتا۔ مالک تمھاری کمزوری کو پہچان رہا تھا۔ تو پروردگار مگر ان کے کمال کو کیسے پہچانا جائے؟ کہا اس سے پہچان لو کہ اُن کے سامنے پیشانیوں کو جھکایا تھا اِن کے سامنے دلوں کو جھکا دیا۔ (صلوات)

بس عزیزانِ محترم، میں اپنی گفتگو کو آج اسی مقام پر تمام کر رہا ہوں۔ اسلام کا معبود ایک ہے دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ سب کا کام اسی کی بندگی کرنا ہے۔ انبیاءؑ نے اسی کی عبادت کی، مرسلین نے اسی کا سجدہ کیا، ائمہ معصومینؑ نے، اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی کے سامنے سر جھکایا اور سب سے کہا ہمارے ساتھ چلو اور اس کی بارگاہ میں سر جھکاؤ۔ ہمارے ساتھ چلو، ہمیں دیکھتے جاؤ ہم کیا کر رہے ہیں تم بھی وہی کرتے جاؤ تاکہ بندگی کا حق تو ادا ہو جائے۔ اور جن لوگوں نے اس سبق کو سیکھ لیا انھوں نے وہ کمال حاصل کر لیا جہاں تک دنیا کے دوسرے انسان نہ پہونچ سکے۔ کربلا میں

کون باکمال ہے جو نہیں پایا جاتا، کمال کی ساری قسمیں ایک مقام پر جمع ہو گئیں۔
کل میں نے آپ کے سامنے باکمال خواتین کا تذکرہ کیا تھا۔ آئیے آج ان کا تذکرہ
کریں کہ جن کو کہا جاتا ہے "عبد"۔ مگر یہ یاد رہے کہ جس کو خدا کا عبد کہا جاتا ہے وہ
اور ہوتا ہے، جس کو خدا کا بندہ کہا جاتا ہے وہ اور ہے، اور جس کو غلام کہا جاتا ہے
یہ اور ہے۔ اگرچہ لفظ عبد دونوں جگہ استعمال ہوتا ہے، مگر عبد خدا الگ ہوتا ہے
اور یہ عبید اور غلام جن کو غلام کہا جاتا ہے یہ الگ ہوتے ہیں۔ مگر وہ غلام جن کا خالی
کام گھر کے کام انجام دینا ہوتا ہے گھر کی خدمت انجام دینا ہے انھوں نے گھر والوں
کے ساتھ رہ کر کتنا بڑا کمال کردار حاصل کر لیا، کتنی عظیم منزل حاصل کر لی کہ انسان
تصوّر نہیں کر سکتا ہے اس منزل کا۔ عاشور کی رات ہے فرزند رسول الثقلین آنے
والے دن کا نچا ہنے والوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ کل قربانی کا دن ہے، سب
راہ خدا میں قربان ہونے والے ہیں۔ اِن کا ذکر آیا اُن کا ذکر آیا، حبیب کا تذکرہ ہے،
زہیر کا ذکر ہے، مسلم کا ذکر ہے، بُریر کا تذکرہ ہے۔ مگر ایک سیاہ رنگ کا انسان جو سماجی
اعتبار سے غلام اس کا کوئی تذکرہ نہیں آتا ہے پریشان ہے۔ فرزند رسولؐ کیا ہم
غلاموں کو راہِ خدا میں قربان ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ مولاؑ ہم میں کوئی کمزوری
پائی جاتی ہے؟ اتنا ہی تو ہے کہ ہمارا رنگ سیاہ ہے، اتنا ہی تو ہے کہ میرے پسینے
سے بو آتی ہے، اتنا ہی تو ہے کہ مجھے غلام کہا جاتا ہے اس کے علاوہ میرے جذبۂ قربانی
میں تو کوئی کمی نہیں ہے۔ میرے جذبۂ بندگی میں تو کوئی کمی نہیں پائی جاتی ہے۔ آقا میں
نہیں جانتا کہ آپ کا فیصلہ کیا ہوگا؟ آپ کا فیصلہ تو بعد میں سامنے آئے گا۔ لیکن
مولاؑ میں جانتا ہوں کہ اگر میری محبّت سچّی ہے، اگر میرا جذبۂ غلامی صادق ہے تو مجھے

یقین ہے کہ جس منزل پر آپ کے سارے چاہنے والے ہوں گے اس منزل قربانی پر مجھے بھی پہونچائے گا۔ وقت گذرتا رہا یہاں تک عاشور کے دن جب قربانی کا سلسلہ شروع ہو گیا (بس دو چار منٹ اور انشاء اللہ آپ بہت مثاب ہوں گے)۔ یہ دو منزلیں ہیں جن کا تذکرہ کرنا ہے اور بیان کو تمام کر دینا ہے۔

جب عاشور کے دن قربانی کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک مرتبہ چاہنے والا ابوذر کا غلام جون مولاؑ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو گئے۔ آقا! مجھے بھی جانے دیجئے، چاہنے والے سب قربان ہو رہے ہیں۔ آقا! مجھے بھی قربان ہونے کا موقع دیجئے۔ امام حسینؑ خاموش ہیں۔ جون نے اپنی بات کو دُہرایا مولاؑ! کیا مجھے اس لئے اجازت نہیں مل رہی ہے کہ غلاموں کو راہِ خدا میں قربان ہونے کا حق نہیں ہے۔ کیا سیاہ رنگ والے انسانوں کو راہِ خدا میں قربان ہونے کا حق نہیں ہے؟ امام حسینؑ نے فرمایا۔ نہیں جون خبردار یہ نہ سوچنا، اسلام میں رنگ و نسل کا ایسا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مگر کیا کروں تمھیں تو معلوم ہے کہ میرا بیٹا بیمار ہے۔ میرے گھرانے میں قربانیوں کے بعد جو ایک باقی رہ جانے والا ہے وہ میرا لال بیمار ہے۔ اے جون میں نے تم کو روک کے رکھا ہے اسکی تیمارداری کے لئے۔ میں نے تمھیں بچا کے رکھا ہے بیمار کربلا کی خدمت کے واسطے، ان کی تیمارداری کے واسطے۔ جون تم بھی قربان ہو جاؤ گے تو میرے لال کا دیکھنے والا کون ہوگا؟ سنو گے اربابِ عزا کہا پھر مولاؑ میں کیا کروں؟ کہا میں نے تمھیں بچا کے رکھا ہے سید سجادؑ کے واسطے، جاؤ جا کے ان سے دریافت کرو وہ کیا کہتے ہیں۔ نہ سن سکو گے رونے والو۔ ایک مرتبہ جون بیمار کربلا کے خیمہ کی پُشت پر آئے، پُشت خیمہ پر آ کے کھڑے ہوئے آواز دی مولاؑ! مولاؑ نے غلام کی آواز سُنی، آنکھ کھُل گئی کہا جون خیریت تو ہے، کیوں

آئے؟ کہا میں بابا کے پاس گیا تھا میدان کی اجازت کے لئے کہ مولاؑ مجھے بھی جانے دیجئے۔ فرمایا کہ میں نے تمھیں بیمار کی خدمت کے لئے بچا کر رکھا ہے ان سے جا کے دریافت کرو دیکھو کیا کہتے ہیں؟ (سن سکو گے عزیزو) ایک مرتبہ بیمار کی آواز آئی۔ جون اگر میرے مقدر میں نہیں ہے کہ میں اپنے بابا پر قربان ہو جاؤں تو مجھے کسی تیماردار کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جا کے میری طرف سے قربان ہو جاؤ۔ ہاں رونے والو اجازت ملی، جون پلٹ کے آئے کہا مولاؑ سنئے، بیمار نے تو اجازت دے دی ہے۔ حسینؑ نے کہا اچھا جاؤ پھر خدا حافظ اَجْرُکُمْ عَلَی اللّٰہِ۔

ایک چاہنے والا تھا میدان میں گیا، جہاد کرتے کرتے گھوڑے سے گرنے لگا۔ حسینؑ کو آواز دی۔ حسینؑ آئے لاشہ کو اٹھوایا خیمہ میں لا کے رکھا اے بہن اس کا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ میرا چاہنے والا ہے، اس چاہنے والے کا ماتم سیدانیوں کو کرنا ہے۔ لو علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں اور ایک حبش کے رہنے والے غلام کا ماتم۔ دوسرا فقرہ سنو مجلس تمام ہو جائے۔

یہاں تو سیدانیوں کو روتے دیکھا اور دوسرا غلام جب گھوڑے سے گرا حسینؑ دوڑ کے مقتل میں آئے، دیکھا چاہنے والا زخموں سے چور ہو کے غش کھا گیا ہے۔ مولاؑ بیٹھ گئے، سر اٹھا کے زانو پر رکھا۔ روایت کا فقرہ ہے کہ رخسارہ پر رخسارہ رکھ دیا۔ بس مجلس تمام ہو گئی رونے والو! اب جو حسینؑ کے آنسو بہے اور آنسو رخسار پر ٹپکے تو غلام نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں ارے مولاؑ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کے رخسار پیغمبرؐ کے رخسار پر کہاں مجھ جیسا غلام؟ کہا تو نے راہِ خدا میں قربانی دی ہے، یہ تیرا مجھ غریب پر حق ہے کہ میں تیرے غم میں آنسو بہاؤں۔ اُدھر سیدانیاں اِدھر نبی زادہ یہ چاہنے والوں کی قربانیاں اور ایسے ایسے آنسو بہانے والے!

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس نمبر ۶

المُلکُ لِلّٰہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۔ ۔ ۔

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں، مگر میری طرف پروردگار کی طرف سے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود فقط ایک ہے۔ جو اس سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

توحید پروردگار کے متعلق جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے پانچویں مرحلہ پر ایک شعبۂ توحید کے کچھ تفصیلات اور بھی آپ کے سامنے گذارش کرنا ہیں۔

کل میں نے یہ عرض کیا تھا کہ عبادت صرف ذات واجب کے لئے ہے اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت ہی نہیں ہے۔" وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

اِلَّآ اِیَّاہُ ۔

آج یہ گذارش کرنا ہے کہ حقیقی ملک اور واقعی مالکیت صرف پروردگار کے لئے ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ "تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ" بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھوں میں ملک ہے۔

قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کی طرف انسان کو متوجہ کیا کہ یہ کُل کائنات، یہ سارا ملک پروردگار کا ہے۔ اس کی مالکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اس دنیا پر نگاہ ڈالیئے تو "بِیَدِہِ الْمُلْکُ" سارا ملک اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس دنیا کے بعد دوسرے عالم پر نگاہ ڈالیئے تو آواز آتی ہے "لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ" بتاؤ آج ملک کس کا ہے۔ اس کے بعد ایک ہی آواز فضا میں گونجتی ہے "لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ" سوائے خدائے واحدِ قہّار کے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس ملک کا مالک اور صاحبِ اختیار ہو۔

اس سلسلہ میں چار باتیں قابل توجہ ہیں جن کو مختصر الفاظ میں گذارش کرنا ہے، تفصیلات پر آپ غور کریں گے:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ پروردگار کے لئے جو مالکیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی کچھ اور ہیں۔ اور ہمیں اور آپ کو جو مالک کہا جاتا ہے تو اسکے معنی کچھ اور ہوتے ہیں۔ ملکیت کا ایک تصوّر ہے واقعی ملکیت، جہاں مالک اپنی ملکیت کا صاحب اختیار ہو۔ اور ملکیت کا ایک تصوّر ہے قانونی، جہاں مالک کو اپنی ملکیت کا کچھ اختیار نہیں ہوتا فقط قانون نے صاحب اختیار بنا دیا ہے لہذا صاحب اختیار کہا جاتا ہے ورنہ اس کے علاوہ مالک کا اُس کی ملکیت پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ مثال کے طور پر میں نے بازار سے یہ رومال خریدا ہے، قانون یہ

کہتا ہے کہ خریدنے سے پہلے بیچنے والا اس کا مالک تھا جب آپ نے قیمت ادا کر دی تو اب آپ اس کے مالک ہو گئے۔ مالک بدل گیا۔ پہلے مالک کوئی اور تھا، اب مالک کوئی اور ہو گیا ہے۔ مگر ملکیت جس حال میں تھی اسی حال میں ہے، اس میں کوئی تغیّر پیدا ہونے والا نہیں ہے۔ یعنی اگر میں یہ چاہوں کہ رومال خریدنے کے بعد مجھے فی الحال پیسے کی ضرورت ہے مجھے فی الحال رومال کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس رومال سے کہوں کہ مجھے فی الحال تیری ضرورت نہیں ہے مجھے پیسے کی ضرورت ہے اور تو میری ملکیت ہے۔ تیرا فرض ہے کہ جو میں کہوں اس کے مطابق کام کرے۔ لہٰذا تجھے فی الحال نوٹ بن جانا چاہیئے۔ اگر انسان صبح سے شام تک تسبیح لے کر پڑھتا رہے تو رومال کی صحت پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مالک تو کہے جاتے ہیں مگر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔

قرآن مجید نے دنیا کے مالکوں کو متوجہ کیا " لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا" دیکھو زمین پر چلو تو اکڑ کے نہ چلو۔ آپ نے دیکھا ہوگا جو لوگ ذرا غرور رکھتے ہیں، جن میں ذرا تکبّر پایا جاتا ہے، جن کے پاس چار پیسے آگئے ہیں، کوئی عہدہ مل گیا ہے ان کے زمین پر چلنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں۔ یا یوں چلیں گے جیسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آرہی ہو، اور یا یوں چلیں گے کہ سر اتنا اُٹھ جائے کہ سربلندی دور سے نظر آنے لگے۔ قرآن مجید آواز دے رہا ہے اے ابن آدمؑ! ہوش میں آجا۔ زمین پر اکڑ کے نہ چلو اس لئے کہ تم دو میں سے کوئی کام نہیں کر سکتے " اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا"۔ نہ زمین کو ٹھوکر مار کے شگافتہ کر سکتے ہو، نہ سر اُٹھا کے پہاڑوں کے برابر ہو سکتے ہو۔ تمھیں تو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ پہاڑ تو جمادات میں ہے تم

اس کے برابر بھی اونچے نہیں ہو سکتے۔ حد یہ ہے کہ وہاں جا کے بھی اونچے نہیں ہو سکتے یہاں بیٹھ کے کیا ہو جاؤ گے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مغرور جب پہاڑ کی آڑ لیتا ہے تو اس منحوس کی وجہ سے پہاڑ بھی ڈوب جاتا ہے۔ اتنا بڑا طوفان، طوفانِ نوحؑ کے نام سے آیا۔ ساری دنیا ڈوب رہی ہے، ساری دنیا غرق ہو رہی ہے۔ باپ بیٹے کو آواز دے رہا ہے" یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَعَنَا" آ بیٹا میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔" لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ" آج کوئی امرِ خدا سے بچانے والا نہیں ہے۔" سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ" میں پہاڑ پر جا رہا ہوں پہاڑ مجھے بچا لے گا۔ شاید وہ خود بچ جاتا۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا؟۔ اگر یہ منحوس نہ گیا ہوتا تو شاید پہاڑ ہی ڈوبنے سے بچ گیا ہوتا مگر جب عذابِ الٰہی کا پانی وہاں تک جائے کہ اسے ڈبونا ہے جو پہاڑ پر گیا ہے تو نتیجہ یہ ہے کہ پہاڑ بھی ڈوبے گا۔ بجائے اس کے کہ یہ اس کو بچاتا اسی نے اس کو ڈبو دیا۔ غور کیا آپ نے؟۔ تو انسان تو اتنی بلندی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ کس بات پر اکڑ رہا ہے۔

روایات میں یہ فقرہ پایا جاتا ہے کہ جب کوئی انسان زمین پر اکڑ کے چلتا ہے تو زمین زبانِ حال سے آواز دیتی ہے: چند دنوں اور انتظار کر لو، ٹھوکر مارو برداشت کریں گے، ٹاپیں مارو، برداشت کریں گے، جو انداز چاہو اختیار کرو سب برداشت کریں گے۔ بس اتنے دن جتنے دن تم اوپر رہو گے ورنہ جس دن ہماری گود میں آ گئے جس دن ہمارے قبضہ میں آ گئے اس دن ایسے پیس ڈالیں گے کہ نشان بھی نہ ملے گا۔ غور کیا آپ نے؟۔

میں دس، بیس، پچاس ایکڑ کا مالک ہوں، ہر قانون میں لکھا ہوا ہے اتنا خطہ

اِن کا ہے۔ یہ خطہ کے مالک ہیں۔ مگر جب زمین میں دفن کر دئے گئے، دس سال کے بعد کسی کو خیال پیدا ہوا کہ چلئے دیکھیں اب مولانا کا حال کیا ہے۔ اس لئے کہ اتنی بڑی زمین کے مالک ہیں۔ ملکیت کو تو حق نہیں ہے کہ مالک کو ہاتھ لگائے۔ نہیں توجہ کی آپ نے۔ ملکیت کو تو یہ اختیار نہیں ہے کہ مالک کو ہاتھ لگائے مالک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ ملکیت کو جیسے چاہے الٹ پلٹ کر دے۔ اب جب زمین کو کھودا گیا ڈھونڈ رہے ہیں کہ جن کو سپرد کر کے گئے تھے وہ کہاں چلے گئے، اب کوئی نام و نشان نہیں مل رہا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟ کہ قانون نے آپ کو صاحبِ اختیار بنا دیا تھا مگر آپ صاحبِ اختیار نہیں تھے۔ ورنہ اگر واقعاً صاحبِ اختیار ہوتے تو سَو سال بھی گذر جاتے زمین کی کیا مجال تھی جو آپ کو ہاتھ لگا دیتی۔ زمین کی مجال ہے جو اپنے مالک کو ہاتھ لگا دے؟۔ مگر ظاہر ہے کہ انسان کا مٹی میں مل جانا یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان فقط قانونی ملکیت رکھتا ہے، واقعاً اپنی ملکیت پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اسی لئے پروردگار نے جب اپنی مالکیت کا اعلان کیا تو صاف لفظوں میں کہا" تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" پروردگار تنہا مالک نہیں ہے بلکہ ہر شے پر اختیار بھی رکھتا ہے۔ جب تک چاہے گا اس مٹی کو مٹی رکھے گا، جب تک چاہے گا پانی کو پانی رکھے گا، جب تک چاہے گا آگ کو آگ رکھے گا، جب تک چاہے گا ہوا کو ہوا بنا کے رکھے گا، جب تک چاہے گا زمین کو زمین رکھے گا، جب تک چاہے گا آسمان کو آسمان رکھے گا، جب چاہے گا پورے نظام کو اُلٹ دے گا۔" یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ" نہ زمین، زمین رہ جائے۔ نہ آسمان، آسمان رہ جائے۔ اُس دن تو اندازہ ہوگا کہ مالک

کسے کہتے ہیں۔ جب ساری کائنات کا نقشہ بدل جائے تب یہ اندازہ ہوگا کہ مالکیت کے معنی کیا ہوتے ہیں۔

تو پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دنیا میں ساری ملکیتیں جتنی پائی جاتی ہیں یہ خالی قانون کے الفاظ ہیں جنھوں نے مالک بنا رکھا ہے، ورنہ واقعتاً مالک کوئی نہیں ہے، واقعتاً صاحبِ اختیار کوئی نہیں ہے۔ قانون جس کو جتنا چاہے آگے بڑھا دے اور قانون جب چاہے انسان کو کھینچ کے اس کی اوقات تک پہونچا دے۔ یہ تو قانون کے کھیل تماشے ہوتے ہیں اس کے علاوہ اس کی واقعیت کچھ نہیں ہوتی۔ آج حکومت نے ایک کاغذ کو معتبر بنا دیا ہے اسے ہزار روپئے کا نوٹ کہا جاتا ہے۔ کل قانون نے اپنا اعتبار کھینچ لیا آج کوئی دو روپئے میں بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ سادہ کاغذ لیں گے تو لکھنے لائق تو ہوگا، یہ تو لکھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ غور کیا آپ نے؛ یعنی قانون نے اتنا اونچا بنا دیا۔ قانون ہی نے کھینچ کر اس کی اوقات تک پہونچا دیا۔ نہ واقعتاً پہلے وہ ہزار کے قابل تھا نہ وہ روپئے کے قابل ہے، جو تھا وہی تھا اس لئے کہ قانون کبھی اوپر لے جاتا ہے کبھی نیچے لے آتا ہے۔

معمولی آدمی سڑک پر ٹہل رہا ہے کوئی سلام کرنے کی زحمت نہیں کرتا، قانون نے عہدہ دار بنا دیا۔ جس سڑک سے گذر گئے، لوگ منتظر کھڑے ہیں سلام کرنے کے لئے۔ اگلے الیکشن میں ہار گئے۔ اب وہ منتظر ہیں ہر ایک کو سلام کرنے کے لئے۔ کوئی سلام لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یہ سب قانون کے تماشے ہیں، اس میں واقعیت کچھ نہیں ہوتی ہے۔ یہ تو انسان فریب خوردہ ہے، دھوکہ کھائے ہوئے ہے جو ان باتوں کی کوئی حقیقت سمجھتا ہے ورنہ اس دنیا کی کیا حقیقت ہے۔ یہ دنیا

کا کھیل ہے جو چل رہا ہے اور ہر آدمی اس پر خوش ہو رہا ہے۔ واقعاً کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔ مگر پروردگار جب اپنے کو مالک کہتا ہے تو ملک خدا کا مطلب یہ ہے کہ ذرّے سے لے کر آفتاب تک سب اس کے اختیار میں ہیں۔ اسے کسی قانون نے مالک نہیں بنایا وہ تو خود ہی قانون بناتا ہے۔ توجہ کی آپ نے؟

پہلا فرق جو دنیا کی مالکیت میں اور مالک الملک کی مالکیت میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سب کی مالکیت قانونی ہے۔ لیکن مالک کی ملکیت واقعاً حقیقی ہے کہ وہ صاحبِ اختیار ہے، صاحبِ قدرت ہے۔

دوسرا مسئلہ جو اس مقام پر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ مالک نے کہا "بِیَدِہِ المُلْکُ"، ملک ہمارے ہاتھ میں ہے۔ کون سا ملک؟ اس زمانہ میں دو ہی چیزیں ہیں کہ جن کی گنتی بتانا مشکل ہے۔ مردم شماری کے بارے میں تو ہمیشہ یہ کہا جاتا تھا کہ کسی ملک کی صحیح مردم شماری ممکن ہی نہیں ہے اور واقعاً ممکن نہیں ہے۔ اگر واقعاً ساری حکومت سارا زور لگا دے کہ مردم شماری مکمل ہو جائے تو ہو ہی نہیں سکتی اس لئے کہ یہ کام بھی ایک منٹ میں تو ہوگا نہیں۔ غور کریں۔ چھوٹے سے چھوٹا ملک جہاں لاکھ دو لاکھ کی آبادی ہو اگر آپ وہاں کی مردم شماری کرنا چاہیں اور آپ چاہیں کہ ایک منٹ کے اندر پورے ملک کے افراد کو گن لیا جائے یہ ہو نہیں سکتا اور جہاں ایک منٹ گذر گیا۔ بتایئے جہاں ایک منٹ گذر گیا یا آبادی بڑھ گئی یا آبادی گھٹ گئی۔ ایک منٹ پہلے ہم نے شمار کیا تھا کہ ملک کے اندر رہنے والے دس لاکھ آدمی ہیں۔ جتنی دیر میں شمار کرتے ہیں معلوم ہوا ایک صاحب چلے گئے۔ مردم شماری غلط ہو گئی یا دو بچے پیدا ہو گئے یہ حساب غلط ہو گیا۔

کام وہ ہے جو ہو ہی نہیں سکتا۔ غور کیا آپ نے ؟ یہ تو پُرانی بات ہوگئی، ہر دَور
ں یہ کہا جاتا تھا کہ صحیح مردم شماری کا دنیا میں کوئی امکان ہی نہیں ہے جب تک کوئی
یسا گننے والا پیدا نہ ہو جائے کہ جس کی نگاہ میں کل کائنات رہے تو ایسے گننے کی
ضرورت نہیں ہے وہ پہلے ہی سے سب جانتا ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم شمار کرنا چاہیں گے
و کبھی شمار صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں دو مسئلے اور پیدا ہو گئے کہ جن کا
مار کرنا مشکل ہوتا ہے، جن کا حساب لگانا مشکل ہوتا ہے۔ ایک کا نام ہے فیشن۔
کثر لوگ کہتے ہیں آج کل یہ فیشن چل رہا ہے۔ ان سے کون پوچھے کہ آج کل کے
عنی کیا ہوتے ہیں۔ موضوع سے متعلق ہو یا نہ ہو لیکن بہرحال کچھ ضروری مسائل
یں جن کا ضمناً ذکر آجانا ضروری ہے۔

اخبار میں ایک واقعہ پڑھا۔ ایک صاحب دُکان پر گئے اور اپنی خاتون
کے لئے انھوں نے کپڑا خریدا اور جیسے ہی کپڑا لیا ویسے ہی لے کے بھاگے۔
کاندار سمجھا یہ چُرا کے جا رہے ہیں۔ اُس نے اُن کا پیچھا کیا۔ اب آگے آگے
ہ، پیچھے پیچھے یہ۔ یہاں تک کہ دروازہ تک پہونچ گئے۔ وہ دروازہ پہ جا کے
ھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا بھائی صاحب آپ کو شرم نہیں آتی ہے کہ آپ کپڑا لے آئے
ور پیسے بھی نہیں دیئے۔ کہنے لگے کیا آپ سمجھتے ہیں میں کوئی چور ہوں کوئی بے ایمان
وں پیسے نہیں دوں گا؟ تو اگر آپ بے ایمان نہیں ہیں تو دے کے آئے ہوتے؟
ہا خطرہ یہ تھا کہ جتنی دیر میں آپ کا حساب کریں فیشن بدل نہ جائے۔

کس وقت کون سا جنون اس دنیائے انسانیت پر طاری ہو جائے کوئی
ہیں جانتا۔ دیوانے تو وہ ہیں جو اس فیشن کے پیچھے مر رہے ہیں جس کا کوئی

اعتبار نہیں ہے۔ آپ یقین جانئے کہ انسانی زندگی کھلونا بن کے رہ گئی ہے۔ جتنے بڑی طاقت والے، پیسے والے ہیں وہ اس کھلونے سے صبح سے شام تک کھیلتے رہتے ہیں۔ صبح ٹی وی میں آیا آج کل فیشن یہ ہے وہ اس کا انتظام کرنے کے واسطے دوڑ پڑے، شام کو معلوم ہوا فیشن بدل گیا۔ اس لئے کہ ان کو تو اپنا مال بیچنا ہے اور جب کوئی احمق بننے کے لئے تیار ہو۔ کسی ہوشیار نے بڑی اچھی بات کہی تھی کہ اگر لوگ دیوانے بننے کے لئے تیار ہوں تو جو نہ بنائے وہ خود ہی دیوانہ ہے، لہٰذا عقلوں کو کھلونا بنا لیا گیا ہے، ذہنوں کو تماشا بنا لیا گیا ہے اور ہر انسان اسی کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

خاص طریقہ سے خواتین، خالی بتا دیجیے آج کل فیشن یہ چل رہا ہے۔ وہ یہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں کرتی ہیں کہ یہ کام اچھا ہے، بُرا ہے، ہماری شان کے مطابق ہے، نہیں ہے۔ ہماری غیرت کے ہم آہنگ ہے یا نہیں ہے۔ بس فیشن ہے لہٰذا ہونا چاہیئے ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔ ارے کبھی یہ بھی سوچ لیا کیجئے، کہ آپ کا خدا کیا کہے گا؟ کبھی یہ بھی خیال کر لیا کیجئے کہ آپ کا پیغمبرؐ کیا کہے گا؟ کبھی یہ سوچ لیا کیجئے غیب کے پردہ میں بیٹھنے والا کیا کہے گا؟ یا ہمیشہ یہی خیال ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ کہنے والے تو مر کے چلے جائیں گے۔ سامنا ان کا نہیں کرنا ہے، سامنا رب العالمین کا کرنا ہے۔ غور کیا آپ نے؟

تو ایک مسئلہ فیشن کا ہے کہ جس کے بارے میں یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کس وقت صحیح راستہ کیا ہے اور آج کل کیا چل رہا ہے اور وہی دورِ حاضر میں ملکوں کا ہو گیا ہے۔ توجہ کریں۔ پہلے تو انسانوں کی گنتی مشکل تھی اب تو ملکوں کی گنتی مشکل

ہے۔ آج معلوم ہوا کہ حساب لگایا دنیا میں مثلاً اتنے ملک پائے جاتے۔ صبح نہیں ہونے پائی، ابھی اخبار میں خبر چھپنے نہیں پائی معلوم ہوا فلاں ملک میں انقلاب آگیا ہے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے لیجئے ایک ملک اور بڑھ گیا۔ غور کیا آپ نے؟ کہیں ایسا ہے کہ بڑھ گیا، کہیں ایسا ہے کہ گھٹ جائے۔ بہرحال دنیا میں یہ سارے ملک پائے جاتے ہیں۔ ہر ملک کا کوئی نہ کوئی مالک ہوگا، ہر ملک کا کوئی نہ کوئی حاکم ہوگا لیکن اتنی بڑی دنیا میں سو، ڈیڑھ سو، دو سو جتنے ملک پائے جاتے ہیں یا جتنے پیدا ہونے والے ہیں ان سارے ملکوں کی پہچان کیا ہے؟ توجہ کریں۔

آپ کا ملک، ہمارا ملک، اِن کا ملک، اُن کا ملک، سارے ملک۔ یہ یہاں کے رہنے والے، وہ وہاں کے رہنے والے۔ اِن ملکوں کی پہچان کیا ہے؟ جب کسی ملک کی پہچان آپ تلاش کریں گے۔ جب کسی ملک کی شناخت کرنا چاہیں، جب کسی ملک کو پہچاننا چاہیں تو ہمیشہ ملک پہچنوایا جاتا ہے اپنی چار دیواری سے۔ چار دیواری سے مراد یہ دیوار نہیں ہے جس کو حدود اربعہ کہا جاتا ہے۔ فلاں ملک کتنا بڑا ہے؟ کہنے لگے اس کے مشرق میں فلاں ملک ہے، مغرب میں فلاں ملک ہے، شمال میں یہ ہے، جنوب میں وہ ہے۔ یعنی چاروں حدیں ملک کی معلوم ہو گئیں، ملک معلوم ہو گیا۔ توجہ کریں۔ یعنی ہر ملک کو پہچاننے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اس کی چاروں حدیں معلوم ہو جائیں۔ ملک معلوم ہو جائے گا لیکن جب تک چاروں حدیں نہیں معلوم ہوں گی اس وقت تک صحیح ملک معلوم نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو فتنہ اٹھانے والے ہوتے ہیں وہ کبھی حدوں کو طے ہی ہونے نہیں دیتے، تاکہ آپ کہتے رہیئے یہ ہمارے ملک میں ہے، وہ کہیں ہمارے ملک میں ہے اور یوں ہی آپس میں

لڑتے رہیئے۔ تماشہ دیکھنے والے تماشہ دیکھتے رہیں۔

تو ہر ملک پہچانا جاتا ہے اپنے حدود سے۔ اے پروردگار! تو نے اعلان کیا "تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ" بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھوں میں ملک ہے۔ تو مالک تو یہ بتا دے تیرے ہاتھوں میں کون سا ملک ہے۔ توجہ کریں۔ تیرے ہاتھوں میں کون سا ملک ہے؟ میں ملکوں کے نام نہیں لینا چاہتا ہوں آپ سب جانتے ہیں۔ تیرے ہاتھوں میں کون سا ملک ہے؟ مشرق والا تیرا ہے یا مغرب والا تیرا ہے یا شمال کا ملک تیرا ہے یا جنوب والا تیرا ہے؟ مشرق قریب، مشرق بعید کون سا ملک تیرا ہے؟ ۔ توجہ کر رہے ہیں آپ؟۔ تو بس میں ایک لفظ گذارش کروں گا، اگر ملک خدا کو پہچاننا چاہتے ہو تو آسان طریقہ پہچاننے کا ہے ملکوں میں چار دیواری قائم کر دو بندوں کا ملک ہے۔ ملکوں کے حدود اربعہ طے کر لو یہ بندوں کا ملک کہا جائے گا۔ ساری دیواروں کو توڑ دو پروردگار کا ملک کہا جائے گا۔ ملک خدا کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مشرق میں یہ ہے، مغرب میں وہ ہے، شمال میں یہ ہے، جنوب میں وہ ہے۔ وہ آواز دیتا ہے "لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" مشرق تو خود ہی اس کا ہے، مغرب تو خود ہی اس کا ہے۔ اس کے بارے میں کون کہے گا مشرق میں کیا ہے، مغرب میں کیا ہے؟ مشرق بھی اس کا ہے، مغرب بھی اس کا ہے (توجہ کی آپ نے؟) تو سب کے ملک کی حدیں طے ہیں جیسا بھی ہو، چاہے قانونی ہو یا اصل ہو مگر حدیں طے ہیں۔ ملک پروردگار وہ ہے جس کی کوئی سرحد نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ملک خدا میں قانون خدا نافذ ہوگا۔ میں نے ایک

لفظ کہا ہے یعنی آپ گھر پر سوچیے گا۔ جب کبھی ملک خدا میں قانون خدا نافذ ہوگا تو سرحد میں تلاش نہ کیجیے گا۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار نے اپنے ملک کے لئے قانون بنایا تو وہ قانون نہ زمین کا تھا نہ آسمان کا تھا۔ نہ انسانوں کا ہے، نہ جنّاتوں کا ہے، نہ فرشتوں کا ہے، سب اس کے ملک میں ہیں سب کے لئے ہے۔ میں کل اس کی تفصیل گذارش کروں گا۔ آج صرف دو لفظیں یاد رکھیے گا۔ سب کا ملک وہ ہے کہ جس میں قانون ہے اختیار نہیں ہے۔ مالک کا ملک وہ ہے کہ جہاں اختیار ہی اختیار ہے۔ سب کا ملک وہ ہے جس کی سرحدیں معین ہیں۔ ملک خدا وہ ہے جس کی کوئی سرحد معین نہیں ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ ساری کائنات کا مالک ہے۔ اتنی بات تو ہماری سمجھ میں آگئی تو توحید پروردگار کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کو مالک الملک مانا جائے، یعنی کل کائنات اس کی اور سارا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے۔ حد یہ ہے کہ "اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ" موت وحیات بھی اسی کے ملک میں شامل ہے۔ موت بھی اسی کی ملک ہے حیات بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ کل کائنات اس کے اختیار میں ہے۔ تو وہ کائنات کا مالک اور حقیقی مالک ہے۔ اب اگر اتنی دیر کی میری بات آپ پر واضح ہوگئی ہو تو مجھے ایک گذارش کرنا ہے۔ اب وہ پروردگار جو کل کائنات کا مالک، ساری کائنات کا صاحب اختیار وہ اپنے حبیبؐ سے کہتا ہے میرے حبیب دعا کرو۔ توجہ کر رہے ہیں آپ؟۔ وہ اپنے حبیب سے کہتا ہے، میرے حبیبؐ، میری بارگاہ میں دُعا کرو۔ کیا دُعا کرنا ہے؟ "قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ" آپ کہیے پروردگار تو ملک کا مالک ہے۔ اب تو ملک

پہچان لیا۔ اے پروردگار تو ملک کا مالک ہے۔ ملک خدا تو معلوم ہوگیا، کُل کائنات ملک خدا ہے اور قانون نہیں واقعی اختیار یہ ہے ملک خدا۔ پروردگار تو مالک الملک ہے "تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ" تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے۔ توجہ کریں۔ جب مالک الملک کہہ کے یہ کہا کہ جس کو چاہتا ہے تو ملک دیتا ہے۔ اب تو اندازہ ہوگیا قانون والا نہیں۔ اس لئے کہ وہ قانون والے ملک کا مالک نہیں ہے، وہ حقیقی ملک کا مالک ہے تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ تو صاحب اختیار ہے جس کو چاہے گا دے دیگا، جس سے چاہے گا لے لیگا۔

اب تو اندازہ ہوگیا کہ جو ملک خدا ہے اس کے بارے میں کہتا ہے دعا کرو۔ میرے حبیب! مجھ سے کہو کہ تو جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے اب تم مجھ سے مانگو۔ جب بندہ خدا سے مانگے گا مالک الملک سے، اور وہ ملک دے گا تو اس کا دیا ہوا ملک قانون کی بازی گری نہیں ہوگا، اس کا دیا ہوا ملک واقعی اختیار ہوگا یعنی اتنا اختیار تو ہونا ہی چاہیئے کہ اگر زمین کا اختیار دیا ہے تو جب تک چاہے گا مٹی رہے گی، جب مالک کے دیئے ہوئے اختیار سے چاہے گا یہی سونا ہوجائے گی۔ جب تک چاہے گا پانی، پانی رہے گا، جب چاہے گا تو ہاتھ کا دھوون جواہرات بن جائے گا۔ جب تک چاہے گا آگ، آگ رہے گی، جب چاہے گا آگ گلزار ہوجائے گی۔ جب تک چاہے گا پانی برستا رہے گا، جب چاہے گا بارش رُک جائے گی۔ جب تک چاہے گا چاند ایک رہے گا، جب چاہے گا ٹکڑے ہوجائے گا۔ جب تک چاہے گا آفتاب مغرب میں ڈوبے گا، جب چاہے گا نکل آئے گا۔ (صلوات)

تو عزیزانِ محترم! کوئی اس کے مقابلہ میں مالک نہیں ہے۔ انسان اپنا

مالک نہیں ہے تو کائنات کا مالک کیا ہو گا؟ اپنا صاحب اختیار نہیں ہے تو کائنات کا صاحب اختیار کیا ہو گا؟ وہ جس کو اختیار دے گا وہ صاحب اختیار ہو گا۔ جتنا اختیار دے دیگا اُتنے کا صاحب اختیار ہو جائے گا۔ اگر ہم نے کوئی اختیار دیا ہے تو اتنے کے صاحبِ اختیار ہم ہیں۔ اگر ہم کو صاحبِ اختیار کچھ نہ بنایا ہوتا تو نہ کہیں ثواب کا پتہ ہوتا اور نہ عذاب کا۔ توجہ کریں۔ ارے دنیا کو الٹ پلٹ کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے، اُٹھنے بیٹھنے کا اختیار تو اس نے ہم کو بھی دیا ہے۔ کھانے پینے کا اختیار تو ہم کو بھی دیا ہے۔ چلنے پھرنے کا اختیار ہم کو بھی دیا ہے۔ اسی لئے تو حساب لیتا ہے کہ جو اختیار دیا تھا اس کو کہاں استعمال کیا؟ ہم نے جو طاقت دی تھی اس کو کہاں استعمال کیا؟ تو دیا تو سب کو ہے لیکن ظاہر ہے کہ سب کو برابر دیا بھی نہیں جا سکتا۔ اگر عطا کرنے والا صاحب فہم ہے، اگر عطا کرنے والا حقیقتوں کو جانتا ہے تو کتنا ہی بڑا کریم کیوں نہ ہو مگر سب کو برابر نہیں دے سکتا۔ آپ گھر سے نکلے اور ہزار درہم جیب میں لے کر نکلے اس عزم و ارادہ کے ساتھ کہ یہ محرم کا زمانہ ہے، راہِ پروردگار میں، بندگانِ خدا کی یاد میں، اللہ کے غریب بندوں میں اسے تقسیم کردیں گے۔ آپ آگے بڑھے۔ جیسے ہی گھر سے باہر نکلے ایک فقیر دکھائی دیا جو ہاتھ پھیلا کے سامنے آگیا۔ آج آپ ہزار درہم بانٹنے کے ارادہ سے نکلے ہیں تو کیا ہزار درہم اُٹھا کر اسی کو دے دیں گے کہ فرصت ہو جائے۔ ایک آدمی مل گیا دے دیا فرصت ہو گئی کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ان کو دس دیا جائے، ان کو بیس دیا جائے۔ ایک کو دے دیا منّت پوری ہو گئی۔ نہیں کوئی کرنے والا نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ جو مانگنے والا ہے جیسے ہی اس نے

ہاتھ پھیلایا ہم نے اس کی اوقات کو دیکھا، اس کے حالات کو دیکھا۔ ہم نے کہا اس کے واسطے سو درہم بہت ہیں۔ غور کیا آپ نے؟۔ بلکہ اگر ہم نے سو دیدیا ایک صاحب نے سو دیکھ کے ٹوکا مولانا! اب یوں نہ لٹائیے۔ ارے اسں بیچارے کو دس دے دیا ہوتا اس کا کام چل جاتا۔ کتنے ہی صاحبان غیرت ہیں، صاحبانِ عزت ہیں، جو ہاتھ پھیلا کے نہیں مانگتے ہیں ان کو دیجئے تو کوئی ثواب ہوگا۔ انھیں دینے سے کیا فائدہ ہوگا۔

دوسرا آدمی ہمارے سامنے آیا وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے مگر ہم جانتے ہیں کہ اس کے حالات کیا ہیں ہم نے اس کو اٹھا کے پانچ سو درہم دے دیا۔ اب کوئی آدمی کہے جناب اس نے مانگا تو سو دیا اور انھوں نے تو ہاتھ پھیلایا بھی نہیں اور آپ نے ان کو پانچ سو دے دیا۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ مگر سبھی یہی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا مسئلہ یہ نہیں ہے اگر ہمارے اندر غرور ہوتا تو ہم انتظار کرتے کب ہاتھ پھیلائیں تو دیں گے مگر میں مغرور نہیں ہوں میں کریم ہوں اور نافہم نہیں ہوں سمجھ دار ہوں۔ میں جانتا ہوں کس کی اوقات کیا ہے؟ کتنا پیسہ کون سنبھال سکے گا اس کے حوالے کر دیا۔ تو بانٹنے والا تو بانٹ رہا ہے، لیکن لینے والے کے ہاتھ میں طاقت کتنی ہے، لینے والے کی جیب میں جگہ کتنی ہے جب تک گنجائش نہ دیکھ لی جائے اگر دے دیا جائے تو خدا جانے کس راہ پر چلا جائے خدا جانے کہاں جا کے بہک جائے یہ تو دینے والے کا اپنا کمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ ایسے ہوں گے جو زندگی بھر مانگتے رہیں گے اور یہی شکایت رہے گی مانگتے ہیں خدا دیتا نہیں ہے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ابھی ہاتھ

پھیلایا بھی نہیں خالی یہ کہ اگر خدا سے کہہ دیں۔ ابھی منزلِ سوال نہیں آئی " لَوۡ سَئَلُوا اللّٰهَ اگر اللہ سے سوال کر دیں، اگر خدا سے کہہ دیں تو مالک ان کے کہنے کی بنا پر بات کی لاج رکھنے کے لئے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا، اس لئے کہ مالک سے بہتر اپنے بندے کو کون پہچانتا ہے؟ صلاحیت پیدا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کو یہی شکوہ ہوتا ہے کہ مانگتے ہیں مگر ملتا نہیں ہے۔ مگر ایسے بندے بھی ہیں جو مانگتے ہیں تو ملتا ہے، ہاتھ نہیں پھیلاتے تو ملتا ہے۔ اس لئے کہ مانگ کے لے کر مغرور ہو جائے اسے نہیں دیا جاتا، بغیر مانگے مل جائے اور سر سجدہ میں جُھکا دے اسی کو دیا جاتا ہے۔ (صلوات)

میں بات مختصر کروں تو پروردگار عالم جس کو اختیار دیتا ہے، جس کو واقعاً ملک دیتا ہے صاحب اختیار بناتا ہے خالی قانون کے لفظوں میں نہیں لکھا جاتا ہے کہ یہ فلاں علاقہ کے مالک ہو گئے واقعاً خدا بندے کو صاحب اختیار بناتا ہے مگر وہی بناتا ہے تُعۡطِی الۡمُلۡكَ تو جس کو چاہے دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ یعنی جو تھوڑا بہت اختیار ہے وہ بھی نہیں رہ جاتا اس کی بھی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی ہے۔

فقرہ آپ کو یاد ہی ہے جب جناب موسیٰؑ فرعون کے سامنے آئے اور کہا فرعون میں خدا کا نمائندہ ہوں، میں اپنے مالک کا پیغام لے کے آیا ہوں، میں جس خدا کو مانتا ہوں تو بھی مان لے۔ اب جو حلیہ جناب موسیٰؑ کا ہے، معمولی لباس، معمولی انداز۔ فرعون نے دیکھا اپنے درباریوں کو دیکھا اور مُسکرا کے کہا آپ کو ملاحظہ فرمائیے آپ آئے ہیں مجھ سے اپنے خدا کا کلمہ پڑھوانے کے لئے، آپ کو اتنا ہوش بھی

نہیں ہے کہ میرے اختیارات کیا ہیں ؟ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ میرے
قدموں میں نہریں جاری ہیں۔ یہ چلے ہیں مجھ سے بات کرنے کے لئے اور مجھ سے
کلمہ پڑھوانے کے لئے آئے ہیں۔ تو فرعون نے کیا کہا' یہ نہیں کہا کہ میں رب اعلیٰ
ہوں وہ تو قوم سے کہتا تھا (کاش میری بات ضائع نہ ہو) دیکھئے جناب موسیٰ
سے نہیں کہا میں تو خود ہی رب اعلیٰ ہوں' تم کس خدا کا پیغام لے کے آئے ہو
بلکہ لوگوں کو سمجھایا یہ موسیٰ مجھ سے بات منوانے کے لئے آئے ہیں۔ یہ موسیٰ
مجھے پہچانتے نہیں ہیں میں اتنا بڑا صاحب اختیار ہوں کہ میرے قدموں میں نہریں
جاری ہیں۔ یعنی جہاں میرا محل بنا ہوا ہے اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اتنا بڑا
صاحب اختیار اس کا مطلب کیا ہوا کہ اپنی مالکیت کو سمجھانے کے لئے (کاش
میری بات میرے بچّوں تک منتقل ہو جائے) اپنے اختیار کو سمجھانے کے لئے
کا ہے کا حوالہ دیا۔ نہ خزانے کا حوالہ دیا نہ لشکر کا حوالہ دیا' نہ درہم و دینار کا حوالہ
دیا۔ حوالہ دیا میرے قدموں میں نہریں جاری ہیں۔ توجہ کی آپ نے ؟۔ تو جب
فرعون نے اپنی مالکیت کو سمجھانے کے لئے پانی کا سہارا لیا تو پروردگار نے کہا
جس پانی کے صدقے میں یہ اپنی مالکیت کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو سہی' یہیں لاکر
اس کو سمجھایا جائے کہ مالکیت کسے کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک محل میں رہا خدائی
چلتی رہی' جیسے ہی دریا کے درمیان آیا ویسے ہی ڈبو دیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے
کہ وہ دینا بھی جانتا ہے وہ لینا بھی جانتا ہے۔ اور دونوں منظر ایک جگہ دیکھ لے
جو خدا بنا تھا وہ ڈوب رہا ہے' جو بندہ خدا تھا وہ سب کو لیکے پار نکل رہا ہے۔ (صلوات
بس عزیزان محترم ! یہ دو مرحلے' دو منزلیں مختصر ہیں جو بطور نتیجہ کے گذارش

کر رہا ہوں ۔ تو کُل کائنات کا مالک کون ہے ؟ پروردگار بِیَدِہِ الْمُلْکُ سارا ملک اس کا ہے ۔ تو جب سارا ملک اسی کا ہے ۔ توجہ کریں ۔ تو جب سارا ملک اسی کا ہے یہ تو ہم نے ساری دنیا میں دیکھا ہے، ملکوں سے لے کے گاؤں تک جو کہیں کا صاحب اختیار ہوتا ہے، وہاں آپ ایک دفتر کے آفیسر بنا دئے گئے ۔ وہ دفتر آپ کے حوالے کر دیا گیا ۔ یہ کارخانہ آپ کے حوالہ کر دیا گیا ۔ یہ فیکٹری آپ کے حوالہ کر دی گئی ۔ تو جس کا صاحب اختیار آپ کو بنا دیا گیا تو اگر وَرکَر (WORKER) رکھنا ہوگا تو آپ رکھیں گے، اگر لیبَر رکھنا ہوگا تو آپ طے کریں گے، اگر کلرک رکھنا ہوگا آپ طے کریں گے، اگر آفیسر بنانا ہوگا آپ بنائیں گے ۔ اس لئے کہ جو جس علاقے کا صاحب اختیار ہے ۔ نہیں توجہ کی آپ نے ۔ ابھی تو دیکھنا ہے کون خدا کو مالک الملک مانتا ہے، یا سب خالی کہتے ہیں خدا تو مالک الملک ہے ۔ باہر سے تو مالک الملک ہے اندر سے سب اپنے کو سمجھتے ہیں ۔

توحید کا تقاضہ یہ ہے کہ کائنات ایک ملک ہے خدا اس کا مالک ہے ۔ لہٰذا اسے واقعاً مالک الملک مانا جائے ۔ اگر نہ مانا جائے گا تو شرک ہو جائے گا توحید نہ ہوگی ۔ توجہ کی آپ نے ؟ ۔ تو اگر میں ایک چھوٹے سے خطہ کے ایک کارخانہ کا مالک کہا جاتا ہوں تو کارخانے میں لیبَر سے لے کر انجینیَر تک جتنے ہوں گے سب میرے معین کئے ہوئے ہوں گے ۔ کارخانہ بنایا میں نے، فیکٹری کھولی میں نے در چار آدمی ایک صاحب کو لئے چلے آ رہے ہیں ۔ میں نے کہا آپ کی تعریف ؟ کہا یہ آپ کے یہاں کے منیجر ہیں ۔

آپ سُن رہے ہیں میری بات ؟ ۔ چار آدمی ایک صاحب کو لے کر آئے

میں نے کہا ان کو میں پہچانتا ہی نہیں ہوں۔ کہا آپ نہیں پہچانتے یہ آپ کے کارخانے کے منیجر ہیں۔ میں نے کہا بنایا کس نے ہے؟ کہا ہم لوگوں نے میٹنگ کرکے آپ کے کارخانے کا منیجر ان کو بنا دیا ہے۔ میں نے کہا کارخانہ آپ کے باپ کا تھا، کارخانہ آپ کا تھا؟ کارخانہ میرا، منیجر بنائیں گے آپ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ کارخانہ پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے، اس کے پیچھے کوئی سازش چل رہی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے میرا کارخانہ ہے تو چپراسی سے لے کر آفیسر تک میں طے کروں گا۔ اگر گاؤں کے صاحب اختیار آپ ہیں تو اول سے لے کر آخر تک سب آپ طے کریں گے۔ جو جہاں کا صاحب اختیار ہے۔ توجہ کریں۔ جو جہاں کا صاحب اختیار ہے وہاں کے چھوٹے سے لے کر بڑے تک سارے عہدہ دار وہ طے کرے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کو مالک الملک کس معنی میں مانا جاتا ہے۔ ارے اگر یہ ملک واقعاً ملک خدا ہے تو اس کے سارے منصب دار خدا ہی کے بنائے ہوئے تو ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جنھوں نے ملک خدا مانا آدمؑ کو مانا اس لئے کہ خدا نے صفی بنایا۔ نوحؑ کو مانا اس لئے کہ خدا نے نبی بنایا۔ ابراہیمؑ کو مانا اس لئے کہ اس نے خلیل بنایا۔ موسیٰؑ کو مانا اس لئے کہ اس نے کلیم بنایا۔ عیسیٰؑ کو مانا اس لئے کہ ان کو روح اللہ بنایا۔ پیغمبرؐ کو مانا اس لئے کہ ان کو حبیب بنایا۔ اور جب کسی کو مانیں گے تو اسی کو مانیں گے جس کو وہ بنائے گا۔ (صلوات)

اس مقام پر ایک لفظ گذارش کرنا چاہتا ہوں جو سب کو زبانی یاد ہے کہ ملک، ملک خدا ہے لہٰذا صاحب اختیار جو بھی ہوگا پروردگار عالم ہی اس کو معین کرے تو وہ اس کا صاحب اختیار ہوگا۔ اس لئے جب پیغمبرؐ سے کہا تو یہ نہیں کہا کہ

پیغمبرؐ آپ کسی کو حاکم بنا دیجئے یہ تو روز ہی آپ سُنتے رہتے ہیں یہ نہیں کہ پیغمبرؐ آپ کسی کو مولا بنا دیجئے آپ کون بنانے والے ہیں؟ آپ کیسے بنائیں گے یہ ملک آپ کا نہیں یہ ملک ہمارا ہے۔ "بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ" وہ پہونچا دیجئے جو خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جس کا ملک ہے وہی حاکم بنائے گا۔ آپ کو ہم نے بنایا تو آپ بھی جس کو بنائیں وہی ہو گا جس کو ہم کہیں گے۔ اسی لئے ہارونؑ کا نام بھی لے لیا مگر موسیٰؑ یہی کہتے رہے پروردگار تو وزیر بنا دے۔ تاکہ مالکیت کے اعتراف میں فرق نہ ہونے پائے۔

کسی نبی نے خدائی کارخانے میں مداخلت نہ کی۔ کسی ولی خدا نے اپنے اختیارات کا اظہار نہیں کیا۔ ملک، ملکِ خدا ہے "تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ" جس کو چاہے گا ملک دے گا جس کو چاہے گا لے گا، جس کو چاہے گا عزّت دے گا، جس کو چاہے گا ذلیل کر دے گا۔ جب وہ ملک دیتا ہے تو عزّت بھی دیتا ہے۔ میں نے ایک لفظ کہا پہچانئے گا۔ جب وہ ملک دیتا ہے تو عزّت بھی دیتا ہے، اور وہ جب ملک لے لیتا ہے تو عزّت بھی نہیں رہ جاتی۔ اپنے دریا میں فرعون کو اسی لئے ڈبویا تاکہ باعزّت مرنے بھی نہ پائے۔ اپنی زمین میں قارون کو اس لئے دھنسایا تاکہ باعزّت موت بھی نہ آنے پائے۔ اس لئے کہ جب وہ ملک لے لیگا تو عزّت بھی برقرار نہ رہے گی۔ اب پہچاننا ہے تو پہچان لو۔ پہچان لو خدا کا دیا ہوا ملک حسینؑ کے پاس تھا یا یزیدؑ کے پاس تھا۔ یہ لاکھوں اور کروڑوں کے مجمع میں نام حسینؑ کا عزّت کے ساتھ لیا جانا بلکہ نام حسینؑ کا علامتِ عزّت بن جانا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ وہ ہیں کہ

خدا نے جن کو صاحب ملک بنایا تھا۔ (صلوات)

اور اسی لئے میں نے عرض کیا تھا جو صاحبِ اختیار ہوتا ہے جب وہ اختیار دے گا تو اس کے اختیار کی شان کچھ اور ہو گی، اسی لئے آپ نے دیکھا ہم صاحبِ اختیار نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے مٹی ہے وہ مٹی رہے گی۔

ہمارا جی چاہے زندہ رہیں یا خود بھی مٹی میں مل جائیں مگر ہمارے کہنے سے مٹی میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہونے والا۔ ہم کو اللہ کا دیا ہوا اختیار حاصل نہیں ہے۔ جب مٹی کے اندر چلے گئے تو چار دن کے بعد مٹی میں مل گئے۔ مگر جن کو خدا نے صاحب اختیار بنایا ہے جب چاہو سَو سال کے بعد، ہزار سال کے بعد، بارہ سو سال کے بعد، چودہ سو سال کے بعد اب بات آگئی ہے تو ایک جملہ گذارش کرنا چاہتا ہوں اسے پہچانئے گا تاکہ میرا موضوع مکمّل ہو جائے زیادہ تفصیلات کا موقع نہیں رہ گیا ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پروردگار اپنی مخصوص مصلحتوں کی بنیاد پر اپنے نیک بندے، اپنے اولیاء، اپنے مخلص عبادت گذار بندے ان کو حالتِ مصیبت میں برداشت کرتا ہے کہ اس کے بغیر ان کے کمال کا اظہار نہیں ہو گا۔ یہ خود ایک مستقل موضوع ہے۔ یہ لفظ میں نے اس لئے کہہ دیا ہے کہ کبھی آپ پریشانی میں پڑ کر فریاد نہ کریں، اللہ مہربان ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں مومن ہوں، مسلمان ہوں، نمازی ہوں، روزہ دار ہوں اس کے بعد بھی پروردگار ہماری پریشانیوں کو دور نہیں کرتا، یہ ہماری معرفت کی کمی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ میں تو روز یہی سُنتا رہتا ہوں، یہ فریاد روز سنتا رہتا ہوں پتہ نہیں کیا بات ہے نماز برابر پڑھتے

ہیں، روزہ برابر رکھتے ہیں، قرآن بھی روزانہ پڑھتے ہیں، کار خیر بھی کرتے ہیں، یہ کام بھی کرتے ہیں وہ کام بھی کرتے ہیں، مگر دو مہینے ہو گئے بیماری جاتی ہی نہیں۔ تو کیا یہ نماز ڈاکٹر کی فیس ہے؟ اس نماز کا آپ کی بیماری سے کیا تعلق ہے؟ آپ اس لئے پڑھتے ہیں کہ بیماری چلی جائے؟ اگر اس لئے پڑھتے ہیں تو مت پڑھیے محنت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نماز پڑھی جاتی ہے قربۃ الی اللّٰہ تاکہ قرب خدا حاصل ہو جائے۔ چاہے صحت رہے، چاہے بیماری رہے اس کا نماز سے کیا تعلق ہے۔ لیکن چونکہ انسان بے معرفت ہے کچھ جانتا تو ہے نہیں خالی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ جتنے حرف شکایت ہیں یہ سب غلط ہیں۔ انسان کو سوچنا چاہیئے مالک جتنا ہمارے حال پر مہربان ہے اتنا کوئی مہربانی کرنے والا نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔

قربان جائیے عجب فقرہ میرے اور آپ کے چوتھے امام نے پروردگار عالم کے احسانات کو شمار کرتے ہوئے یہ کہا کہ جتنی منزلیں پیدائش کی تھیں ان ساری منزلوں سے گذرنے کے بعد جب مالک نے ہم کو دنیا میں بھیجا تو یہاں بھیجنے کے بعد پہلا کرم یہ کیا کہ ہمیں اس کی گود میں دیا جو مہربان ماں تھی۔ اب ذکر آ گیا ہے معرفت خدا کا تو اس جملے پر بھی توجہ کریں۔ رکھا تھا پہلے تو ماں کے شکم میں رکھا، دنیا میں بھیجا تو ماں کی گود میں رکھا۔ باپ ہی کے حوالے کر دیا ہوتا، لیکن ہم تو تجربہ کر کے سمجھ گئے کہ مالک کی مصلحت کیا ہے؟

صبح دفتر جانا ہے، سات بجے دفتر جانا ہے۔ گیارہ بجے یہاں سے نکلے، گھر پہونچتے پہونچتے گیارہ بارہ بج گئے۔ کھانے پینے کے بعد ایک بجے لیٹے اور

دو بجے بچہ چونک کے اُٹھ گیا اور رونا شروع کر دیا۔ اب دیکھئے باباجان کا جلال اور کسی پر تو بس چلتا نہیں دفتر جا کے جلال دکھلائیں۔ سلامتی سے گھر واپس آئیں گے؟ لہٰذا سارا جلال کسے دکھلائیں گے اس کمسن بچے کو جو جانتا بھی نہیں ہے کہ میرے رونے سے کس کو تکلیف ہو رہی ہے، کس کو آرام مل رہا ہے۔ ایک مرتبہ ڈانٹ دیا بچہ اور رو دیا اس لئے کہ لہجہ وہ دیکھا کہ جس کے بعد تو رونا ہی چاہیئے۔ یہ ڈانٹتے چلے جاتے ہیں اس کے گریہ میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اُدھر گریہ بڑھ رہا ہے اِدھر غصّہ بڑھ رہا ہے۔ آخر میں جب کچھ بس نہ چلا تو ماں سے کہا اٹھا کے پھینک دو چارپائی سے۔ میں اس مقام پر ایک لفظ کبھی کبھی کہہ دیا کرتا ہوں۔ خدا کرے کوئی نہ سمجھے۔ یہ کام اگر ماں نے کر لیا ہوتا تو کبھی یہ دن دیکھنے میں نہ آتے۔ مگر نو مہینے اس نے شکم میں رکھا اُسے یہ جلال نہیں آیا۔ غور کیا آپ نے؟۔ اس کے بعد ماں نے اپنی گود میں رکھا خونِ جگر پلا دیا، زحمتیں برداشت کیں، رات کی نیند حرام ہو گئی مگر اُٹھا کے پھینکا نہیں۔ یہ پروردگار کا کرم تھا کہ اس بے رحم باپ کی گود میں نہیں رکھا۔ مہربان ماں کی گود میں رکھا اس لئے ماں کا نام ہی ہو گیا مادرِ مہربان۔ غور کیا آپ نے؟۔ یہ مالک کا کرم ہی تو ہے اور کیا ہے۔ ورنہ انسان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں تھا ———— ۔ پروردگارِ عالم نے جس عالم میں رکھا اُسی عالم میں انسان آیا۔ تو مالک اپنے بندوں پر جتنا مہربان ہے اتنا کوئی نہیں ہے۔ جب ماں سے زیادہ، باپ سے زیادہ، اعزّا سے زیادہ، ہر ایک سے زیادہ، حد یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین سے زیادہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اس لئے کہ ساری کائنات میں جو رَحمَۃٌ لِلعَالَمِین تھا، اسے بھی اسی نے رَحمَۃٌ لِلعَالَمِین بنایا تھا۔ وہ خود

اس کی رحمت کا ایک نمونہ ہے۔ تو خدا جتنا اپنے بندے پر مہربان ہے، اتنا کوئی مہربان نہیں ہے۔

ہم خود اپنے اوپر اتنے مہربان نہیں ہیں جتنا خدا ہم پر مہربان ہے۔ اس کو بطور عقیدہ کے سمجھ لیجیے اور تجربات سے بعد میں سمجھتے رہیئے گا۔ اگر واقعاً انسان اس حقیقت کو جانتا ہے تو اگر وہ بیمار رکھتا ہے تو آپ کو بیمار رہنے میں کیا تکلیف ہے؟ اگر وہ غربت میں رکھنا چاہتا ہے تو آپ کو غریب رہنے میں کیا پریشانی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ آپ کے حق میں غربت ہی مصلحت ہو، آپ کے حق میں یہ بیماری ہی مصلحت ہو۔ اپنی مصلحت کو وہ جانتا ہے آپ تو نہیں جانتے ہیں، کیا اس کے علم کو چیلنج کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے؟ اتنی سی بات ذہن میں رکھیے گا۔

لہٰذا پروردگار اپنے بندوں پر مہربان ہے جس حالت میں رکھے گا بندے کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ میرا مالک اسی حال میں اگر رکھنا چاہتا ہے تو اسی حال میں ہم کو رہنا ہے، اس کے علاوہ انسان کو مزید کچھ سوچنے کا حق نہیں ہے یہ تو انسانوں کی عادت ہے جو فریاد کیا کرتے ہیں۔ مگر جو واقعاً اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں، جن کا ایمان حکمت پروردگار پر ہوتا ہے وہ کسی حال میں رہیں، نہ شکوہ نہ شکایت نہ فریاد۔ جس حال میں ہیں اسی حال میں مطمئن۔ یہی وجہ ہے ایک سوئی انگلی میں چبھ جائے تو فریاد کرنا ہمارا کام ہے۔ توجہ کریں۔ اور انیس سو اکیاون زخم لگ جائیں اور نفس مطمئن رہ جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ مالک کی مصلحتیں کیا ہیں، اور مالک کس پس منظر میں اپنے بندے کو کون سا مرتبہ دینا چاہتا ہے۔ اب وقت تمام ہو گیا کل انشاء اللہ مزید تفصیلات گذارش کروں گا۔

لٰہذا اتنا ایمان انسان کا حکمت الٰہی پر ہونا چاہیئے کہ پروردگار جس عالم میں رکھے اس عالم میں رہے۔ اور اگر فریاد کرنا ہے تو اسی سے فریاد کریں خبردار کسی غیر کے سامنے جا کے مالک کی شکایت نہ کرے، اس سے زیادہ پروردگار کو کوئی اور چیز ناگوار نہیں ہوتی۔ میری شکایت بندوں سے کرو گے، کیا بندہ میرے مقابلے میں کام آسکتا ہے؟ تو جو اللہ کے مخلص بندے تھے، جو اللہ کے نیک بندے تھے ان کا مکمل ایمان پروردگار پر تھا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مالک اپنے بندوں کو پریشانیوں میں دیکھتا ہے مظلوم دیکھتا ہے، ہر طرح کا ستم بندے پر ہو رہا ہے خدا دیکھتا ہے مگر اس مظلومیت کو برداشت کر لیتا ہے اس لئے کہ اس کے عوض میں بندے کو کچھ ملنے والا ہے اور بغیر اس مظلومیت کے ملنے والا نہیں ہے، لٰہذا پروردگار بہت مہربان ہے۔ مگر میرا بندہ اس مصیبت کو برداشت کر لے۔

ابراہیم تم آگ میں چلے جاؤ۔ ہم اگر آگ میں تمھارے جانے کے بعد آگ کو بجھا سکتے ہیں تو پہلے بھی بجھا سکتے تھے، مگر تمھیں کون سا مرتبہ ملے گا؟ تمھیں کون سا درجہ ملے گا؟ تم آگ میں چلے جاؤ گے آگ بھی بجھ جائے گی، درجہ بھی مل جائے گا، مرتبہ مل جائے گا خلیل کہے جاؤ گے۔ چلے تو جاؤ وہاں تک۔ اللہ اپنے بندے کو مصائب میں اس لئے دیکھ لیتا ہے تاکہ اس کے مقابلے میں کوئی ایسا اجر دیا جائے، کوئی ایسا مرتبہ دیا جائے جو اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے نیک بندوں کا یہی ایمان تھا جو ہر منزل پر ان کے نفس کو مطمئن بنائے ہوئے تھا۔ ورنہ کون ایسا ہوتا ہے جو راحتوں سے پریشانیوں

میں جانا چاہے، کون ایسا ہے جو سکون و اطمینان کی منزل سے نکل کے پریشانیوں کی منزل میں جانا چاہے۔ ہر آدمی پریشانی میں اطمینان ڈھونڈتا ہے، مگر اللہ کے نیک بندے ہر حال میں مطمئن رہتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ مالک جو ہمارے ساتھ برتاؤ کرے گا وہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا جیسا برتاؤ ہم سمجھتے ہیں۔ یہاں تک میں آپ کو لے آیا تاکہ مالکیت کے لئے آخری فقرہ گذارش کروں اور بات تمام ہو جائے۔

اے پروردگار تیرے بندوں نے بہت مصیبتیں برداشت کیں، تیری راہ میں لاکھوں زحمتوں کا سامنا کیا۔ اب جب مر کے چلے گئے تو کم سے قبر ہی میں جا کے آرام کر لیں۔ میرے مالک تیرے نیک بندے، تیرے مخلص بندے کوئی ان کی قبر کو کھولنے نہ پائے، کوئی ان کی قبر کو ہاتھ لگانے نہ پائے، زندگی میں بہت مصائب برداشت کئے اب قبر میں تو جا کے آرام سے سو جائیں۔ پروردگار نے کہا جتنی تم کو محبت ہے میرے بندوں سے (میں نے ایک لفظ کہا ہے جو بچے نہ سمجھے ہوں انھیں آپ سمجھا دیجئے گا) تاکہ آپ سمجھیں کہ خدا جب مالکیت دیتا ہے تو بندہ کی شان کیا ہوتی ہے۔ پروردگار! یہ تیرا بندہ مصائب برداشت کر کے دنیا سے گیا ہے قبر میں تو چین سے سو جائے، اس کی قبر کھلنے نہ پائے۔ اگر کوئی ظالم اس کی قبر کو ہاتھ لگانا چاہے تو ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ اگر کوئی ظالم ادھر نگاہ کرنا چاہے تو آنکھیں پھوٹ جائیں۔ تیرا بندہ مرنے کے بعد تو سکون سے رہے۔ پروردگار نے کہا مجھے مشورہ نہ دو، اگر ظالم یہ ظلم بھی کرنا چاہے گا تو جیسے زندگی میں اتنا ظلم کیا، اتنا ستایا میں نے برداشت کیا میرا بندہ

تھا مگر میں نے برداشت کیا۔ اگر یہ قبر کو ہاتھ لگائے گا تو میں اسے بھی برداشت کروں گا اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اس کے پیچھے بھی ایک بڑی مصلحت پائی جاتی ہے۔ کاش میری بات آپ کے ذہنوں تک منتقل ہو جائے۔ عزیزو دل تو یہی چاہتا تھا کہ جو اللہ کی راہ میں قربان ہو کے چلے گئے، جو اللہ کے نیک اور مخلص بندے چلے گئے، کوئی ان کی قبر کو ہاتھ نہ لگانے پائے۔

لیکن تاریخ نے کتنے واقعات دیکھے آج ان کی قبر کھولی جا رہی ہے، کل ان کی قبر کھولی جا رہی ہے۔ کبھی حرؑ کی قبر کو ہاتھ لگایا جا رہا ہے کبھی جناب آمنہؑ، کبھی یہ مظلوم کبھی وہ مظلوم۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ پروردگار! تیری مہربانیاں ان بندوں پر کہاں چلی گئیں؟ اگر کوئی ان قبروں کو ہاتھ لگائے تو کیوں نہیں ان پر عذاب نازل ہو جاتا؟ ــ پروردگار نے کہا مجھے مشورہ نہ دو، میں اس ظلم کو بھی اپنے بندوں کے لئے برداشت کر لوں گا، کم سے کم جب قبر کھلے گی اور لوگ لاش کو دیکھیں گے تب تو اندازہ ہو جائے گا کہ کس پر مٹی حکومت کرتی ہے ــ اور کون وہ ہے جس کو ہم نے صاحبِ اختیار بنایا ہے۔

ایک دو دن کی بات نہیں ہے ہزار سال کے بعد جب حرؑ کی قبر کو کھولا گیا۔ تاریخ کا واقعہ آپ سنتے رہتے ہیں، اتنا زمانہ گذر جانے کے بعد جب جناب حرؑ کی قبر کو کھولا گیا ــ دیکھیں شہیدِ راہِ خدا کیسے زندہ ہوتا ہے۔ کیسے کہا جاتا ہے کہ راہِ خدا میں قتل ہونے والے زندہ ہوتے ہیں ذرا دیکھ تو لیا جائے۔ تو دیکھا پیشانی پر ایک رومال بندھا ہوا ہے۔ یہ رومال کیسا ہے؟ بتانے والے نے کہا یہ وہی رومال تو ہے جو فرزندِ رسولؐ نے آخر وقت میں زخمِ سر پر باندھ دیا تھا۔ کہا یہ

تیرا مقدر رہے، یہ میری مادرِ گرامی کا رومال ہے۔ کہا اگر یہ دخترِ پیغمبرؐ کا رومال ہے تو اس سے بڑا تبرّک کیا ہو سکتا ہے، کیوں نہ اس رومال کو لے لیا جائے ہ۔ جیسے ہی رومال کو ہاتھ لگایا خون تازہ جوش مارنے لگا۔ اے پروردگار! اتنا بڑا ظلم مرنے کے بعد ہو رہا ہے تو نے کیوں برداشت کر لیا؟ کہا اگر میں برداشت نہ کروں گا تو کیسے معلوم ہوگا کہ میری راہ میں مرنے والے کیسے زندہ ہوتے ہیں؟

پروردگار اپنے نیک بندوں کے مراتب کی وضاحت کے لئے اُن سارے مصائب کو برداشت کرتا ہے جو اللہ کے نیک بندوں پر وارد ہوتے ہیں۔ تاکہ معلوم تو ہو جائے یہ شخصیتیں اور ہیں اور مٹی میں مل جانے والے اور ہوتے ہیں۔ قبر میں جانے کے بعد جو بے نشان ہو جائیں وہ اور ہوتے ہیں۔ قبر میں جانے کے بعد بھی جن کے جسم میں خون تازہ رہے وہ اور ہوتے ہیں۔

اسی لئے جن کو اللہ نے صاحبِ اختیار بنایا تھا اتنا صاحبِ اختیار بنا دیا کہ ان کے دیار و جوار میں کوئی دفن ہو جائے تو فشارِ قبر سے محفوظ ہو جائے۔

اے انصارِ حسین بن علیؑ! تمھاری عظمتوں پر ہماری جانیں قربان ہو جائیں۔ بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ تم پر ہم ہی نہیں ہمارے ماں باپ بھی قربان طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْاَرْضُ الَّتِیْ اَنْتُمْ فِیْهَا دُفِنْتُمْ تم خود طیّب و طاہر پاک و پاکیزہ، جس زمین میں دفن ہو گئے وہ زمین پاک و پاکیزہ ہو گئی۔

یہ حسینؑ ابن علیؑ کے وہ چاہنے والے تھے کہ دنیا کا سارا خون جس زمین پر بہہ جائے وہ زمین پاک بھی ہو تو نجس ہو جائے، مگر ان کا خون جہاں بہہ جائے وہ زمین طیّب و طاہر ہو جائے۔ وہ زمین پاک و پاکیزہ ہو جائے۔ یہ راہِ خدا میں قربان ہونے والے،

یہ حسینؑ کے ساتھ راہِ خدا میں قربانی دینے والے اور کیسے کیسے قربانی دینے والے!
دسترخوان پر بیٹھے ہیں، کھانا کھانا چاہتے ہیں۔ کسی کی آواز آئی۔ اُٹھے۔
دروازہ پر آئے کون؟ کہا اَنَا بَرِیْدُ الْحُسَیْنؑ میں حسینؑ کا قاصد ہوں۔ ارے
میرے مولاؑ کا قاصد۔ خیریت تو ہے؟ کہا تمھارے مولاؑ کا خط لے کے آیا ہوں۔ خط
لیا، آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا، خط کو کھولا۔ مِنَ الْحُسَیْنِؑ بْنِ عَلِیٍّؑ اِلَی الرَّجُلِ
الْفَقِیْہِ حَبِیْبُ بْنِ مَظَاھِرِ الْاَسَدِیْ۔ یہ خط حسینؑ بن علیؑ کا ہے، ایک مردِ فقیہ،
ایک مرد با فہم حبیب بن مظاہر کے نام۔ اے حبیب! تمھیں اتنا تو معلوم ہی ہے
کہ پیغمبرؐ سے ہمارا رشتہ کیا ہے؟ تم یہ جانتے ہو کہ پیغمبرؐ سے ہماری قرابت کیا ہے؟
اگر یہ نہیں جانتے ہو کہ ہمارے حالات کیا ہیں؟ ۔ تو معلوم ہو جائے ہم مصیبتوں میں
گھرتے جا رہے ہیں۔ ہم چاروں طرف سے نرغۂ اعدا میں گھرے جا رہے ہیں ۔ اے
حبیب! اگر ممکن ہو تو ہماری مدد کے لئے آؤ۔ جناب حبیب نے خط کو پڑھا خاموش
ہو کے بیٹھ گئے۔ زوجہ نے پوچھا کس کا خط ہے؟ کہا میرے مولا، میرے آقا حسینؑ بن
علیؑ کا خط ہے۔ کہا کیا لکھا ہے؟ کہا لکھا ہے کہ ہم مصیبتوں میں گھرتے جا رہے ہیں،
اگر ممکن ہو تو ہماری مدد کے لئے آؤ۔ زوجہ نے کہا حبیب تو ارادہ کیا ہے؟ کہا اب
تمھیں تو معلوم ہے کہ زمانہ کے حالات کتنے خراب ہو چکے ہیں کوئی کیسے جائے گا حسینؑ
کی مدد کے لئے؟ کہا اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو تم چین سے بیٹھو، میں جاؤں گی اپنے
مولاؑ کی مدد کے واسطے۔ میں جاؤں گی اپنے آقا کی نصرت کے واسطے۔ کہا مومنہ، میں
اور آقا کے بلانے پر نہ جاؤں؟ میں چاہتا تھا کہ تیرا ایمان بھی تو سامنے آجائے۔ یہ
کہہ کے اُٹھے دروازہ کے باہر آئے غلام کو بُلایا۔ یہ میرا رہوار ہے اسے لے کر جاؤ

اور فلاں مقام پر میرا انتظار کرنا، حالات خراب ہیں، میں کسی صورت سے وہاں تک پہونچ جاؤں گا تاکہ اپنے آقا کی مدد کے لئے جاسکوں۔ (بس تین چار منٹ آپ متوجہ رہیں انشاء اللہ بہت روئیں گے) غلام گھوڑے کو لے کر چلا اس مقام پر جہاں حبیب نے کہا تھا کھڑا انتظار کر رہا ہے۔ حبیب راستے بدلتے ہوئے، مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے جب اس منزل پر پہونچے جہاں غلام انتظار کر رہا تھا تو ایک عجب منظر دیکھا۔ دیکھا گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور غلام یہ سمجھا رہا ہے، اے اسپ باوفا رونے کی کوئی بات نہیں ہے، اگر میرا آقا نہ آسکا تو میں چلوں گا فرزند رسولؐ کی مدد کے لیے۔ یہ منظر دیکھا اور بے قرار ہو کر آواز دی، نبیؐ کے لال مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ پر وہ وقت آگیا ہے کہ جانور آنسو بہا رہے ہیں، غلام قربان ہونا چاہتے ہیں۔ قریب آئے گھوڑے پر سوار ہوئے، مڑ کے غلام کو دیکھا تو نے وفا کا حق ادا کر دیا، جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ کہا آقا یہ کیسا انصاف ہے؟ اپنی خدمت کا وقت رہے تو اپنے ساتھ رکھا جائے، فاطمہؑ کے لال کی خدمت کا وقت آئے تو الگ کر دیا جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا میں آپ کے ساتھ چلوں گا حبیب نے غلام کو ساتھ لیا (بس مجلس تمام ہو رہی ہے) چلے جب منزل سے قریب پہونچے تو حسینؑ نے آواز دی، میرے چاہنے والو اٹھو۔۔۔ میرے چاہنے والو اٹھو استقبال کرو، میرا بچپن کا جاں نثار آ رہا ہے۔۔۔ میرا بچپن کا دوست حبیب آ رہا ہے۔۔۔ اصحاب اٹھے، بڑھ کے حبیب کا استقبال کیا۔ اب جو حبیب آئے اصحاب میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔۔۔ شدہ شدہ یہ خبر خیمہ میں پہونچی۔۔۔ (آخری جملہ) ایک مرتبہ ثانی زہراؑ نے کہا فضہ! جب سے ہم گھر سے نکلے ایک ہی خبر آتی ہے کہ میرے بھیا کے

دشمن آرہے ہیں، خون کے پیاسے آرہے ہیں۔ لیکن اب کون آیا ہے؟ یہ اصحاب میں ہلچل کیسی پائی جاتی ہے؟ ذرا پتہ لگا کے آؤ رونے والو۔ فضّہ در خیمہ کے قریب آئیں۔ پلٹ کے آئیں، کہا بی بی مبارک ہو، آقا کا بچپن کا جاں نثار حبیب آیا ہے۔ سُن سکو گے غیرت دارو؟ زینبؑ نے کہا فضّہ پلٹ کے جاؤ، جا کے حبیب سے ہمارا سلام کہنا۔۔ کہنا حبیب تم نے بڑا کام کیا جو میرے بھیّا کی مدد کے لئے آگئے۔ بس یہ سُننا تھا جیسے ہی فضّہ نے سلام پہونچایا حبیب بیٹھ گئے۔ خاکِ کربلا کو سر پر رکھا، منھ پر طمانچے مارے۔ ارے سیدانیوں پر یہ وقت آگیا، علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیوں پر یہ وقت آگیا کہ غلاموں کو سلام کہلا بھیجیں۔ میں کہوں گا حبیب یہ تو مصائب کی ابتدا ہے، یہ مصیبتوں کی ابتدا ہے جب زینبؑ سلام کہلوا رہی ہیں۔ جب مصیبت آخری منزل میں آئے گی تو حسینؑ کہیں گے بیٹا جب قید شام سے چھوٹ کر مدینہ جانا تو میرے چاہنے والوں سے میرا سلام کہنا اور کہنا چاہنے والو، جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کر لینا۔ جب کسی غریب و بیکس کا ذکر آئے تو ویسے آنسو بہانا جیسے میری ماں فاطمہ زہراؑ! واحسیناہ واحسیناہ۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس ۔۷

الحکمُ لِلّٰہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ . . .

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں بھی تمھیں جیسا ایک بشر ہوں، مگر میری طرف مسلسل یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمھارا پروردگار ایک ہے ۔ جو اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے ۔"

توحید پروردگار سے متعلق جو سلسلۂ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے چھٹے مرحلہ پر توحید کے ایک اور شعبہ سے متعلق کچھ اور باتیں گذارش کرنا ہے ۔

یہ مسئلہ جو آج گذارش کرنا ہے وہ انتہائی سنجیدہ بھی ہے اور انتہائی دقیق بھی ہے ۔ میرے عزیز اور محترم سامعین اور بچّے اور نوجوان سب کو ان مسائل پر پوری سنجیدگی کے ساتھ توجہ دینا ہے ۔ تاکہ کسی طرح کی کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہونے پائے ۔

کل میں نے آپ کے سامنے یہ گذارش کی کہ یہ پوری کائنات ملکِ خدا ہے "تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ" بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھوں

میں سارا مسئلہ ہے۔ یہ کائنات دنیا سے لے کے آخرت تک، زمین سے لے کے آسمان تک، اور جہاں جہاں بھی کائنات کا کوئی تصوّر پایا جاتا ہے یہ ساری کائنات ملک پروردگار کا ایک حصّہ ہے اور اللہ ان سب کا مالک الملک ہے۔

اس کے بعد دوسرا مسئلہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے اس لئے کہ اتنی بات سارے صاحبان عقل جانتے ہیں کہ جس کا ملک ہوتا ہے قانون اسی کا چلتا ہے اس کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا کہ دنیا میں ملک کسی اور کا کہا جائے اور قانون کسی اور کا نافذ کر دیا جائے۔ آج دنیا میں جو اعتباری ملک پائے جاتے ہیں جنھیں صرف قوانین نے ملک بنا رکھا ہے وہاں کا بھی دستور یہی ہے کہ جو ملک کا حاکم کہا جاتا ہے اسی کو ملک کے قانون بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ اگر ملوکیت ہے تو مَلِک کو یہ اختیار ہوگا، اگر جمہوریت ہے تو جہاں نمائندے طے ہو گئے ہیں اور جن کو عوام نے یہ حق دے دیا ہے انھیں کو قانون بنانے کا حق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ان لوگوں سے زیادہ صاحب صلاحیت ہوں، ہو سکتا ہے کہ آپ کے پاس ان لوگوں سے زیادہ علم اور فضل پایا جاتا ہو جن کے ہاتھوں میں یہ اختیار چلا گیا ہے، مگر آپ کا بنایا ہوا قانون ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔ قانون انھیں کا چلے گا جن کو قانون بنانے کا اختیار ملا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو انسان کی سمجھ میں نہ آئے۔ دنیا میں نہ جانے کتنی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں اپنا وقت صَرف نہیں کر سکتا۔ آپ ان معاملات کو شاید مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ کسی بھی ملک میں اگر قانون ساز کوئی جماعت تیار کی گئی ہے جن کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ یہ ملک کا قانون بنائیں گے، چاہے پارلیمنٹ میں بیٹھ کے بنائیں، چاہے کسی اور دفتر میں بند ہو کر وہاں قانون تیار کریں جنھیں یہ اختیار دے دیا گیا ہے

ان کے لئے کوئی شرط نہیں ہے کہ ملک کے سارے عوام سے زیادہ صاحبان فضل و کمال ہوں۔ آپ دیکھا کرتے ہیں ہمارے یہاں روزانہ یہ تجربات سامنے آتے رہتے ہیں۔ جمہوری نظام میں جس کو اکثریت کی رائے مل جائے وہ نمائندہ ہو جاتا ہے اور قانون سازی میں اسے دخل بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے نمائندہ بنایا ہے وہ اس نمائندہ سے کہیں زیادہ علم و فضل کے مالک ہوں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کے لئے کوئی بحث کی جائے یا اس کے لئے کوئی دلیل قائم کی جائے۔ آپ بھی جانتے ہیں، میں بھی جانتا ہوں اور ہر آدمی جانتا ہے شاید اپنے ملکوں میں اگر ہم کو کبھی موقع ملا ہے ووٹ دینے کا تو ایسے لوگوں کو بھی ووٹ دیا ہے جن کے بارے میں ہم خود یہ جانتے ہیں کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے ہیں جتنا ہم جانتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا بھی فضل و کمال نہیں ہے جتنا خود ہمارے پاس پایا جاتا ہے۔ مگر وہ امیدوار بنے۔ ہم کو کسی نہ کسی کو ووٹ دینا ہے۔ ہم نے ان کو ووٹ دے دیا ہمارے بنائے ہوئے پارلیمنٹ میں جا کے بیٹھے ہیں، وہ قانون ہمارے لئے بنا رہے ہیں، حالانکہ ہمارے برابر کے نہ صاحب فضل ہیں نہ صاحب کمال ہیں نہ صاحب علم ہیں۔ حد یہ ہے کہ جو ماہرین قانون ہیں ان کے لئے وہ قانون بنا رہے ہیں جو قانون کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں نہ کوئی سیاسی تقریر کرتا ہوں اور نہ یہ ماحول ان تقریروں کے واسطے ہے۔ لیکن اتنا آپ جانتے ہیں، جو وزیر صحت بنائے گئے ہیں یہ دوا کی ہجے تک نہیں جانتے۔ وہ وزیر تعلیم بنائے گئے ہیں وہ تعلیم کے معنی نہیں جانتے۔ وہ وزیر تجارت بنائے گئے ہیں، جنھوں نے کبھی پرچون کی دکان نہیں رکھی ہے۔ یہ دنیا میں سارا کاروبار چل رہا ہے۔ یہی قانون بنانے والے ہوتے ہیں جو قانون بنا کے ہمارے

حوالے کرتے ہیں تو یہ ساری دنیا اس بات پر متفق ہو گئی۔ توجہ کریں۔ کہ علم میں کم ہیں، فضل میں کم ہیں، کمال میں کم ہیں، صلاحیتوں میں کم ہیں۔ مگر چونکہ انھیں صاحب اختیار بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ قانون بنائیں گے اور ہم سر جھکا کے ان کے اس قانون کو مانیں گے جو اپنے سے کم والے علم کے قانون کو اس لئے مان لیتے ہیں کہ وہ ملک کا حاکم ہے۔ توجہ کریں۔ تو اگر ملک اس کا ہے جو ساری کائنات میں علم کی بھیک بانٹنے والا ہے۔ اگر ملک اس کا ہے کہ جس کی طرف سارے صاحبانِ کمال ہاتھ پھیلا کے کھڑے ہوتے ہیں اگر وہ اپنے ملک کا قانون نہ بنائے گا تو کیا ہم آپ بنا کے حوالہ کریں گے۔ عجیب بات ہے کہ اگر دنیا کے جاہل قانون ساز قانون بنائیں تو کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے، لیکن پروردگار اگر قانون بنا کے بھیج دے تو ہر ایک کو کوئی نہ کوئی دخل دینے کا حق پیدا ہو گیا ہے۔ (صلوات)

ہم جس ملک میں رہتے ہیں قانون کافروں نے بنایا ہے، مگر جب ملک کا قانون بن گیا تو مسلمان بھی عمل کرے گا خواہ وہ کسی ملک کے رہنے والے ہوں۔ قانون مسلمانوں نے بنایا ہے لیکن اگر وہاں کافر رہتے ہیں تو وہ بھی اسی قانون کے مطابق چلیں گے۔ عیسائیوں نے بنایا ہے تو یہودی مانیں گے، یہودیوں نے بنایا ہے تو عیسائی مانیں گے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کہیں چونکہ ملک کا قانون کافروں نے طے کیا ہے لہٰذا سب چلیں گے بائیں طرف، ہم چلیں گے دائیں طرف۔ اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں، کہیں آج تک آپ نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ ملک یہودیوں کا ہے، ایک عیسائی وہاں پہونچ گیا۔ اگر وہاں کا قانون یہ ہے کہ ٹریفک کو داہنے چلنا چاہیئے بھئی ہم تو یہودیت کے قائل نہیں ہیں لہٰذا ہم تو

بائیں چلیں گے۔ نہیں ہو سکتا۔ ساری دنیا ہی ملک کے قانون پر عمل کر رہی ہے
کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی کہہ دے کہ آپ جو چاہیں بنائیں ہم
آپ کے قانون کو نہیں مانتے تو سب اسے باغی قرار دیں گے۔ توجہ کریں۔
اسی لئے بالآخر لوگوں نے مصالحت کرلی کہ مذہب اپنا اپنا، قانون ملک کا۔
میں نے ایک لفظ کہا ہے معنی گھر جا کر سوچئے گا۔ ساری دنیا بالآخر یہ طے کر کے
بیٹھ گئی کہ مذہب کے معاملہ میں سب آزاد ہیں، جو آپ کا مذہب ہے آپ
اس پر عمل کریں لیکن ملک کے لئے جو قانون بن جائے گا اس قانون پر ہر ایک
کو عمل کرنا ہوگا، اس لئے کہ ملک ان کا ہے ان کے قانون پر چلنا ہوگا۔ آپ کا
عقیدہ کیا ہے، وہ ایک خدا مانتے ہیں، وہ تین سو ساٹھ مانتے ہیں۔ آپ انھیں نبی
مانتے ہیں وہ انھیں مانتے ہیں۔ آپ کا وہ مذہبی رہنما ہے ان کے یہ مذہبی رہنما
ہیں۔ کوئی ہوا کرے مگر جو ملک کا قانون ہے اس پر ہر ایک کو عمل کرنا ہوگا۔
اور اگر کوئی اپنی رائے دینا چاہے تو اسے باغی کہا جائے گا۔ عجیب بات ہے
کہ انسان کے قانون کے آگے انسان بولے تو باغی۔ جاہل کے قانون کے آگے جاہل
اپنی رائے دے تو باغی۔ نا اہل کے قانون کے آگے دوسرا نا اہل بولے تو باغی۔ ہر جگہ
جو قانون کے آگے کوئی بولتا ہے تو سب باغی کہے جاتے ہیں۔ لیکن مذہب میں جب
خدا کے قانون کے آگے کوئی بولتا ہے تو سب سے بڑا رہنما کہا جاتا ہے۔ (صلوات)

مذہبی قانون کی مظلومیت ہر دور میں یہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔
مذہبی قانون کی سب سے بڑی مظلومیت یہ ہے کہ دنیا کے کسی قانون کے
آگے کوئی بولنے کی جرأت نہیں کرتا، مگر مذہبی قانون کے آگے ہر آدمی اپنا پیدائشی

حق سمجھتا ہے کہ قانونِ خدا پر اعتراض کرے۔ چاہے مسلمان ہو چاہے کافر ہو، کہیں نہ کہیں سب بہک جاتے ہیں۔ کافروں کو چھوڑیئے وہ تو بھکے ہوئے ہیں مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اگر پروردگار نے یہ قانون یوں نہ بنایا ہوتا، یوں نہ بنایا ہوتا تو آپ پہلے پیدا ہو گئے ہوتے، آپ ہی سے مشورہ ہو جاتا۔ جب قانونِ خدا بن رہا تھا آپ اسی وقت پیدا ہو گئے ہوتے تو مالک نے آپ سے مشورہ کر لیا ہوتا۔ کہنے لگے مگر پیدا کیسے ہوتے پیدا کرنے والا تو وہی ہے۔ آپ بتائیے اس دیوانگی کی کوئی حد ہے یہ جانتے ہوئے کہ پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اُسے تمھیں پیدا کرنا آتا ہے قانون بنانا نہیں آتا ہے؟ (یہ میں نے بڑی دقیق بات کہی ہے اگر آپ توجہ کریں) اسے جو تم جیسے قابلوں کو پیدا کرنا آتا ہے اور قانون بنانا نہیں آتا ہے اگر وہ معاذ اللہ قانون میں غلطی کر سکتا ہے تو ہو سکتا ہے وہی غلطی تمھیں بنانے میں ہو گئی ہو۔ تمھیں دیوانہ بنایا ہو تم خالی اپنے کو عقل مند سمجھ رہے ہو، تمھیں بے عقل بنایا ہو۔ کہا یہ تو نہیں ہو سکتا ہمیں تو باکمال ہی بنایا ہے۔ جو باکمال بندہ بنا سکتا ہے وہ باکمال قانون بھی بنا سکتا ہے۔ (صلوات)

میں نے عرض کیا موضوع دقیق ہے لہٰذا میں اس کی وضاحت کے لئے ایک جملہ ابتداءً کہنا چاہتا ہوں، اس بات پر آپ اطمینان سے غور کیجیے گا۔ دو چیزیں ہیں، ایک جگہ ہر آدمی راستہ پر رہتا ہے اور ایک جگہ وہ ہے جہاں اکثریت بہک جاتی ہے حالانکہ دونوں باتیں برابر کی ہیں مگر نہ جانے کیا راز ہے ایک منزل میں سب سیدھے رہتے ہیں، سب ٹھیک رہتے ہیں دوسری منزل میں سب بہک جاتے ہیں۔ جب کسی بھی مذہب میں دینیات پڑھائی جاتی ہے اور پروردگار کے صفات وکمالات

کا ذکر آتا ہے تو بلا کسی اختلاف کے مالک کے دو کمالات کا ذکر ہر مذہب میں کیا
جاتا ہے۔ ایک ہے علم خدا۔ ایک ہے قدرت خدا۔ آپ نے بھی اگر اپنے بچوں کو
پڑھایا ہے تو پروردگار کے صفات کیا ہیں؟ خدا کے صفات میں یہ ہے کہ خدا عالم ہے
اور خدا قادر ہے۔ خود پروردگار نے بھی کہہ دیا "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ"
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اس نے اپنی قدرت کا اعلان کیا۔ "بِکُلِّ شَیۡءٍ
خَبِیۡرٌ" ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس نے اپنے علم کا اعلان کیا۔ "مَا یَعۡزِبُ عَنۡ
رَّبِّکَ" پروردگار کے علم سے کوئی چیز دور نہیں ہے۔ ساری کائنات کا ذرہ ذرہ
علم خدا کے احاطہ کے اندر ہے۔ (توجہ کریں) تو ہر مسلمان یہ مانتا ہے کہ پروردگار عالم
بھی ہے قادر بھی ہے، لیکن جب اپنے کو خدا کے سامنے رکھ کے سوچتا ہے تو قدرت
میں تو مانتا ہے کہ جتنی طاقت اس کے پاس ہے اتنی ہمارے پاس نہیں ہے۔ مگر علم
کے بارے میں سوچتا ہے اپنے معاملات کو جتنا ہم جانتے ہیں۔ دیکھئے کہے گا کوئی نہیں۔
اس کے لیئے بڑی ہمّت چاہیئے۔ ایسی ہمّت والے بھی تاریخ میں پیدا ہوئے ہیں۔
آج ہم یہ کہہ رہے ہیں یہ خدائی معاملات ہیں ان میں بندوں کو بولنے کا حق نہیں
ہے۔ کل ہم سے زیادہ ہمت والے پیدا ہوئے تھے جو کہہ رہے تھے یہ ہمارے
معاملات ہیں۔ خالی ہمیں دنیا میں ایک سمجھ دار نہیں ہیں، ہمیں ایک ہمّت والے
والے نہیں ہیں، بڑی بڑی ہمّت والے تاریخ میں پیدا ہو چکے ہیں۔ آج ہم یہ
کہتے ہیں یہ کائنات خدا کی ہے لہٰذا خدائی معاملات میں کسی کو بولنے کا حق نہیں
ہے، کل لوگ یہ کہہ رہے تھے یہ معاملہ ہمارا ہے۔ ہمارے آگے کون چلے گا کون
نہیں چلے گا، ہماری گردن پر کون حکومت کرے گا کون نہیں کرے گا یہ معاملہ

ہمارا ہے اس میں پروردگار کو نہیں بولنا چاہیئے۔ غور کیا آپ نے ؟۔ ہم اپنی بات کہتے ہیں تو ہمارے اسلام میں شک ہوتا ہے وہ اپنی بات کہتے ہیں تو سب مسلمان مانتے ہیں یعنی ہم اگر کسی سے کہہ دیں کہ خدائی معاملات میں آپ کو بولنے کا حق نہیں ہے قانون خدا کا ملک خدا کا۔ کہیں گے یہ ہم کو کافر لگتے ہیں۔ وہ تو ہم سے کہتے ہیں ہمارے معاملات میں خدا کو نہیں بولنا چاہیئے، ہم جس کو جو چاہیں گے بنالیں گے۔ ہم نے کہا بھائی یہ کیا کہہ رہے ہو ؟ کہنے لگے یہی تو اصلی اسلام ہے۔ یعنی یہ انقلاب زمانہ بھی عجب ہے، اسلام کی بات کرو تو کافر ہو جاؤ، کفر کی بات کرو تو مسلمان ہو جاؤ۔

تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ یہ جتنے اعتراضات، جتنے اوہام انسان کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں سب کی ایک ہی بنیاد ہے کہ آدمی قدرت اور طاقت کے مسئلہ میں یہ جانتا اور مانتا ہے کہ جو طاقت خدا کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اسی لئے تو ہاتھ پھیلاتا ہے پروردگار اولاد دیدے۔ خدا سے کیوں کہہ رہے ہو؟ کہا اس لئے کہ یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔ اور جب اولاد پیدا ہو گئی اور لڑکا نالائق نکل گیا تو کہنے لگے ایسا کیوں دے دیا ؟ تو جب آپ ہی جانتے تھے کہ کیسا دینا چاہیئے.. تو ویسا خود ہی بنالیا ہوتا دوسرے سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ جو الفاظ میں گذارش کر رہا ہوں اس پر غور کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منزل قدرت میں سب مانتے ہیں کہ طاقت اس کے پاس ہے ہمارے پاس نہیں ہے۔ مگر منزل علم میں نہ جانے کہاں سے یہ خناس پیدا ہو گیا ہے، نہ جانے کہاں سے انسانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اپنی مصلحتوں کو جتنا ہم جانتے ہیں اتنا خدا بھی نہیں جانتا ہے۔ بس ہمت نہیں ہے کہ اسلامی دائرے میں رہ کے کہے۔ ورنہ سوچ رہے ہیں مغرب کی تین کیوں

ہے؟ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یہ کیوں ہیں کے معنی کیا ہوئے؟ یعنی خدا نے ہم سے کیوں نہیں پوچھا کہ تین رکھیں یا چار۔ سفر میں قصر کیوں ہے، آپ کون پوچھنے والے ہوتے ہیں؟ جس کا ملک ہے اس نے کہا اگر شرافت سے جینا ہے تو ایسے جیو۔

ہم نے نئی نئی گاڑی خریدی عمدہ، اچھی۔ چندہ کر کے لوگوں سے پیسے لیکے پچاس ہزار کی، ایک لاکھ کی، دو لاکھ کی بہترین گاڑی خریدی اور اس کے بعد روڈ پر نکل گئے۔ ہم نے دیکھا ہمارے برابر میں ایک گاڑی چل رہی ہے بیس ہزار والی، ایک چل رہی ہے پانچ ہزار والی، ایک چل رہی ہے پندرہ ہزار والی، اور ہم چل رہے ہیں ایک لاکھ والی گاڑی میں۔ اب ہم نے حساب لگایا یہ چل رہے ہیں تیس کی اسپیڈ سے، وہ چل رہے ہیں چالیس کی اسپیڈ سے۔ تو جس حساب سے ہم نے پیسہ لگایا ہے ہم چلیں گے دو سو کی اسپیڈ سے۔ (غور کیا آپ نے؟)۔ ہم چلیں گے دو سو کی اسپیڈ سے۔ جیسے ہی ہم نے دو سو بنانا چاہا سامنے ٹریفک کے حضرات سے ملاقات ہو گئی۔ کہنے لگے کہیے مولانا خیریت تو ہے؟ کہاں جا رہے ہیں آپ؟۔ میں نے کہا آپ نے ان سے نہیں پوچھا یہ کہاں جا رہے ہیں؟۔ ارے آپ انصاف کیجئے یہ پانچ ہزار کی گاڑی ہے اور یہ ایک لاکھ کی گاڑی ہے۔ اگر دونوں برابر چلیں گے تو یہ ناانصافی نہیں ہے؟ یا تو ان سے کہئے اور کم کریں۔ وہ ایک گھنٹہ پانچ گز کی رفتار سے چلیں گے تو ہم چلیں گے بیس میل کی رفتار سے، تو ہم آگے چلیں گے۔ اس لئے کہ ہم نے پیسہ زیادہ لگایا کچھ تو ہماری دولت کی قدر کیجئے، کچھ تو ہماری محنت کی قدر کیجئے ہم نے اتنا پیسہ خرچ کیا ہے گاڑھی کمائی ہماری ہے۔ کہنے لگے آپ کا پیسہ اپنی جگہ پر، آپ کی دولت اپنی جگہ

پر، آپ کی محنت اپنی جگہ پر، مگر جو ملک کا قانون ہے (نہیں توجہ کی آپ نے؟)، جو ملک کا قانون ہے اس قانون پر عمل کرنا ہوگا۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے، اب آپ کہتے ہیں ملک کا قانون ہے تو عمل کریں گے۔ مگر ایک بات ہم کو سمجھا دیجئے ملک کے قانون کا بھی تو کوئی بھروسہ نہیں ہے یہاں لکھے ہوئے ہیں تیس ۳۰، وہاں لکھے ہوئے ہیں پچاس ۵۰، وہاں لکھے ہیں ستر ۷۰، وہاں لکھا ہے سو ۱۰۰۔ ارے آپ بھی تو کوئی قانون طے کیجئے؟ (غور کیا؟)۔ یہاں چلئے بیس کی اسپیڈ سے، وہاں چلئے پچاس کی اسپیڈ سے، وہاں چلئے ستر ۷۰ کی اسپیڈ سے، وہاں چلئے سو کی اسپیڈ سے۔ آپ کا بھی تو کوئی بھروسہ نہیں ہے؟ کہنے لگے کہ آپ نہ بولئے گا ہم جگہیں جانتے ہیں، یہ جگہ تیس والی ہے، وہ چالیس والی ہے، وہ سو والی ہے، وہ ایک سو بیس والی ہے ہم جگہیں جانتے ہیں۔ ہم نے کہا آپ جگہ جانتے ہیں ہم اپنی گاڑی بھی جانتے ہیں۔ آپ اپنی جگہوں کو پہچانتے ہیں ہم اپنی گاڑی کو پہچانتے ہیں۔ ارے یہ فرق تو آپ دیکھئے معمولی گاڑی الگ ہوتی ہے، قیمتی گاڑی الگ ہوتی ہے۔ کہنے لگے گاڑیوں کی قیمت سے اسپیڈ طے نہیں ہوتی (توجہ کریں)، یعنی جو دنیا منواتی جا رہی ہے سب شرافت سے مانتے جا رہے ہیں، اور جیسے ہی پروردگار نے کہا یہ لمٹ ہے چار رکعت والی، یہ لمٹ ہے دو رکعت والی۔ کہنے لگے مگر ہم کو تو کوئی زحمت نہیں ہو رہی ہے چار رکعت پڑھنے میں تو ہم چار ہی پڑھ دیں گے۔ ہم نے بھی وہاں یہی کہا تھا کہ تیس کی اسپیڈ والے علاقہ میں ہم کو ایک سو بیس کی اسپیڈ میں چلانے میں کوئی زحمت نہیں ہو رہی ہے۔ کہنے لگے مسئلہ آپ کی زحمت کا نہیں ہے، مسئلہ قانون کی حدوں کا ہے۔ جب بندے

قانون بناتے ہیں سب شرافت سے مان جاتے ہیں، جب خدا قانون بناتا ہے تو سب کو اعتراض کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، یہ علامت ہے کہ اپنوں کو پہچانا ہے پروردگار کو نہیں پہچانا۔ (صلوات)

میں اس مقام پر آپ کو بالکل ایک بہت پرانی بات بتانا چاہتا ہوں لیکن نئے رُخ سے۔ شاید میرے عزیزوں نے، میرے نوجوانوں نے اس رُخ سے نہ سوچا ہو۔ آخر یہ بیماری ہم میں آئی کہاں سے، کیوں ایسا ہوتا ہے کہ طاقت کے معاملہ میں ہم یہ مانتے ہیں کہ جو قدرت خدا کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے، کبھی نہیں کہتے ہیں کہ پروردگار یہ نہیں کر سکتا ہے ہم کر سکتے ہیں، ہمیشہ ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں، اولاد اسی سے مانگتے ہیں، نوکری اسی سے مانگتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بچہ غلط کاپی لکھ کے آیا ہے نمبر اس سے مانگ رہے ہیں۔ اس لئے کہ جانتے ہیں کہ طاقت میں ہمارا کوئی زور نہیں چلتا ہے ہر جگہ اسی سے ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جب علم کا معاملہ آتا ہے تو قانون خدا میں دخل اندازی، قانون الٰہی میں دخل اندازی۔ ایسا کیوں ہو گیا! ایسا نہیں ہونا چاہیئے ویسا نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسا کیوں نہ ہو گیا؟ کہ سردی کے زمانہ میں صبح کی نماز بغیر وضو والی ہوتی یا کم سے کم بغیر غسل ہی کے ہوتی۔ اس کے بدلے گرمی میں بغیر ضرورت کے غسل کرا دیا ہوتا ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا اسلئے کہ نہانا تو تھا ہی۔ یعنی جیسے جیسے ہم بتاتے جائیں ویسے ویسے خدا کو کرنا چاہیئے۔ یہ بیماری آئی کہاں سے؟ (غور فرما رہے ہیں؟) یہ بیماری کہاں سے آئی؟ ایسا کیوں ہو گیا کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ طاقت میں خدا آگے ہے۔ اور علم میں

خدا کو بھی ہم سے پوچھنا چاہیئے تھا اور جیسے ہم کہتے ویسے قانون بنانا چاہیئے تھا تو بہترین قانون بنتا۔ یہ آج جو لوگ مسلمان ہو کے بھی اسلام نہیں مانتے ہیں اس لئے کہ قانون ٹھیک بنا نہیں ہے۔ اگر ہمارے مشورے سے بنا ہوتا تو ایسا بہترین بنا ہوتا کہ کم سے کم ہم تو مان ہی جاتے باقی کوئی مانتا یا نہ مانتا۔ یہ خناس کہاں سے آیا ہے؟ بس ایک لفظ کہہ دیا ہے تاکہ آپ خود نتیجہ تک پہونچ جائیے۔ خناس کہاں سے آیا ہے؟ کہ قدرت میں خدا آگے، علم میں ہم آگے۔ یہ خناس کہاں سے آیا؟ اگر اس خناس کو پہچاننا چاہتے ہیں تو بات بہت پرانی ہے مگر نئے رُخ سے سوچئے آپ نے ہم سے کیوں کہا کہ ہم ان کو سجدہ کریں۔ آپ نے ہمیں کیسے حکم دیا کہ ہم ان کو سجدہ کریں "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ" آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور انھیں خاک سے بنایا۔ بس میری بات تمام ہوگئی۔ آپ نے انھیں مٹی سے بنایا ہے آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے۔ پھر آپ نے کیوں کہہ دیا کہ میں ان کے سامنے جھک جاؤں۔ اس کا مطلب یہ کہ قدرت میں یہ جانتا ہے کہ آپ نے بنایا ہے مگر قانون میں یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ کو چاہیئے تھا کہ ان سے مجھے سجدہ کراتے مجھے ان کے سامنے کیوں جھکا دیا؟۔ اب سمجھے یہ بات کہاں سے چلی ہے؟ کہ قدرت میں خدا کو بہتر مانو، علم میں اپنے کو آگے بڑھاؤ۔ اس لئے کہ قدرت میں اگر چیلنج کروگے تو خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ دنہیں توجہ کی میں نے کیا کہا۔ اگر قدرت میں خدا کو چیلنج کروگے تو موت و حیات دونوں اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کسی نے کہہ دیا جو طاقت میرے پاس ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے یہاں آکے کہیئے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

قصّہ بہت پُرانا ہے صرف آپ کے ذہنوں کا بوجھ کم کرنے کے لئے۔ جناب سلیمانؑ کا اقتدار تو آپ جانتے ہی ہیں۔ مچھروں نے جناب سلیمانؑ کے پاس آکے شکایت کی کہ یہ ہَوا ہم کو بہت پریشان کرتی ہے۔ یہاں سے وہاں سے اُڑ کے تھک کے آئے اور جیسے ہی آکے بیٹھے ویسے ہی ہَوا آئی اور اس نے پھر ہم کو گھر سے بے گھر بنا دیا، ہم کو اُڑا دیا۔ آپ کو اللہ نے اختیار دیا ہے، ہَوا کا بھی اختیار دیا ہے، آپ ذرا ان کو منع کیجئے یہ ہم غریبوں کو بے گھر کیوں بنا دیتی ہے، ہمیں چین سے بیٹھنے کیوں نہیں دیتی ہے۔ آپ ان کو سمجھائیے منع کیجئے۔ آپ نبی خدا ہیں سمجھانا جانتے ہیں' پروردگار نے اپنے رہنماؤں کو ہدایت کا خاص سلیقہ دیا ہے وہ سمجھانا جانتے ہیں۔ کہا ہاں ہاں جو تو نے بات کہی ہے وہ ہم نے نوٹ کر لی، تیری شکایت ہم نے درج کر لی ہے مگر ہم ہیں نبی' ہم ہیں خدائی نمائندے، ہم یک طرفہ بیان میں تو فیصلہ کرتے نہیں کہ ایک فریق جو کہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیں۔ ہم فریق ثانی کو بُلاتے ہیں اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کہتی ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ ہَوا ظالم ہے ہم کو بیٹھنے نہیں دیتی ہے۔ میں ہَوا کو بُلا رہا ہوں اس سے پوچھوں کہ تو کیا کہتی ہے؟ اس وقت تو جوش میں کہہ دیا بُلائیے۔ اور جیسے ہی جناب سلیمانؑ نے اُسے آواز دی کہ تمھارے خلاف شکایت آئی ہے! آئیے ذرا صفائی کا بیان دیجئے۔ مقدمہ ہی ختم ہو گیا اس لئے کہ جو مدعی تھا وہ خود ہی غائب ہو گیا۔ تو غور کیا آپ نے؟

تو جو کمزور طاقتور سے ٹکرانا چاہتا ہے اس کا آخری حشر یہی ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر بندہ خدا کی قدرت کو چیلنج کرنا چاہے تو پروردگار کہے گا اچھا تمھارا خیال یہ ہے کہ تمھارے پاس طاقت زیادہ ہے تو وہاں بیٹھ کے کیوں بول رہے ہو، یہاں

آ کے بتاؤ کتنی طاقت ہے۔ اور جیسے ہی وہاں بُلالیا قصہ ہی ختم ہو گیا۔ لہٰذا مالک
نے منزلِ علم میں چونکہ چھوٹ دے رکھی ہے لہٰذا انسان اپنی ساری حماقتوں کا
اظہار منزلِ علم میں کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ جو مصلحتیں ہم جانتے ہیں وہ کوئی نہیں جانتا
ہے، جو قانون ہم بنائیں گے وہ بہترین قانون ہو گا، "قانون خدا ابھی اس کے
مقابلہ میں نہیں ہے۔ یہ ساری بیماری پیدا ہوئی ہے روزِ اول سے۔ یہ ابلیسیت ہے
جو انسانوں میں سرایت کر گئی ہے اسی لئے میں نے اس کا نام خنّاس رکھا تھا" مِنْ
شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ" اس کا کام ہی لوگوں
کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنا ہے، لہٰذا وہ لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ قانون کے آگے
سر نہ جھکانا ورنہ تمہارا اختیار کیا رہ جائے گا۔ غور فرمایا؟

لہٰذا توحیدِ پروردگار کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے ملک، ملکِ خدا ہے، ویسے ہی
ملکِ خدا میں "قانون" قانونِ پروردگار ہو گا۔ یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے "فَالْحُکْمُ
لِلّٰہِ" کسی بھی معنی میں ہی اس لئے کہ حکم اللہ کا ہے۔ توجہ کریں۔ اب یہاں تک میں
آپ کو اس تمہیدی منزل میں لے آیا، اب جو دقیق بات گذارش کرنا چاہتا ہوں
اس پر توجہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی ہستی، بڑی سے بڑی شخصیت جس کو پروردگارِ عالم
نے اس دنیا میں بھیجا سب کے بھیجنے کے بعد یہ اعلان کیا" شَرَعَ لَکُمْ مِنَ
الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا" اللہ نے دین میں وہ قانون بنایا ہے جسکی وصیت
ونصیحت نوح کو کی ہے۔" وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ" اور اسی کی وصیت پیغمبرؐ
ہم نے آپ کو کی ہے۔" وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرَاھِیْمَ" یہی ہم نے ابراہیمؑ کو بتایا

ہے، "وَمُوسٰی" یہی موسیٰؑ کو بتایا ہے، "وَعِیسٰی" یہی عیسیٰؑ کو بتایا" اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" دین کو قائم کرو، خبردار دین میں تفرقہ نہ ہونے پائے۔ تو جو قانون نوحؑ کے پاس تھا ہم نے بنایا ہے، جو ابراہیمؑ کے پاس تھا ہم نے بنایا ہے، جو موسیٰؑ کے پاس تھا ہم نے بنایا ہے، جو عیسیٰؑ کے پاس تھا ہم نے بنایا ہے، جو وحی کے ذریعہ آپ کو دیا ہے وہ بھی ہم نے بنایا ہے۔ کائنات کی یہ بڑی شخصیتیں (اب میں دینیات کا سبق تو دُہراؤں گا یہ تو بچّوں کو بھی یاد ہے) اس پوری دنیا کو اگر جوڑ لیجئے تو ساری دنیا کے سارے اُمتیوں سے بہتر ہیں انبیاء۔ کم از کم مسلمان ہونے کے رشتہ سے اتنا تو مانیے۔ ساری امتوں سے بہتر ہیں انبیاء۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد وہ ہیں جو کل کائنات کے انسانوں سے بہتر ہیں۔ اپنے اپنے دَور کا ہر نبی اپنی امت سے یقیناً بہتر ہے اور یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی بستی میں ۳۱۳ ان میں افضل ہیں، اس لئے کہ خدا نے انھیں رسول بنایا ہے، باقی سب کو نبی بنایا ہے اور ۳۱۳ میں پانچ ان سب سے افضل ہیں اس لئے کہ خدا نے ان کو صاحبِ شریعت بنایا ہے باقی کو صاحبِ شریعت نہیں بنایا ہے (توجہ کریں) اس کا مطلب کیا ہوا کہ اس پوری کائنات کا نچوڑ ہیں یہ پانچ افراد جن کو خدا نے صاحبِ شریعت بنایا تھا۔ جناب نوحؑ کو شریعت دی، جناب ابراہیمؑ، جناب موسیٰؑ، جناب عیسیٰؑ اور سرکارِ دو عالمؐ۔ اور پانچوں سے یہ کہا کہ قانون وہ ہے جو ہم نے بتایا ہے، دین کا قانون وہ ہے جو ہم نے بتایا ہے۔ ہم نے بنایا ہے یہ نوحؑ کو ہم نے دیا ہے۔ یہی ابراہیمؑ کو ہم نے دیا ہے۔ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو ہم نے دیا ہے۔ پیغمبرؐ! تمھیں بھی ہم نے دیا ہے۔ تو جب قانون بنانے کا اختیار ان پانچ کو نہیں ہے۔ جب ان سب کی

ذمہ داری ہے کہ خدا کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کریں تو باقی کس کو یہ اختیار پیدا ہو جائے گا کہ ملک خدا میں قانون بنا کے اپنا قانون چلائے گا۔ جب ان سب کو خدا نے پابند بنا دیا اور اگر آپ میرے ساتھ یہاں تک چلے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار میں افضل ۳۱۳۔ ۳۱۳ میں افضل یہ پانچ۔ ان پانچوں میں افضل سرکار دو عالمؐ۔ سرکار دو عالمؐ سے خدا کہتا ہے "ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ" ہم نے آپ کو بھی اپنے حکم کے راستہ پر لگا دیا ہے "فَاتَّبِعْهَا" آپ کو اسی قانون کا اتباع کرنا ہوگا۔ "وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ خبردار جاہلوں کی خواہشات کو نہ مانئے گا۔ جاہل کیا کہہ رہے ہیں انھیں کہنے دیجئے آپ کو ہمارے قانون پر چلنا ہے۔ تو جب پیغمبر اسلامؐ جو کُل کائنات سے افضل انسان ہیں وہ قانونِ خدا کے پابند ہیں تو قانون خدا میں دخل اندازی کا حق کسے ملے گا۔ (صلوات)

اسی لئے سرکار دو عالمؐ کو ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں پیغمبر۔ جو بچے اردو نہیں جانتے ہیں وہ اس لفظ کے معنی سمجھ لیں، حضورؐ کا نام کیا ہے؟ حضورؐ کو کہتے کیا ہیں؟ "پیغمبر"۔ پیغمبر کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ "پیغام بر"۔ جیسے نامہ بر ہوتا ہے وہ خط لے جانے والا ہے اسے نامہ بر کہتے ہیں، جو پیغام لے جانے والا ہے اُسے پیغمبر کہتے ہیں۔ تو سرکار دو عالمؐ کے بارے میں مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ پیغمبر ہیں۔ پیغام لے جانے والے ہیں، پیغام ساز نہیں ہیں۔ رسول ہیں یعنی رسالت۔ پیغام الٰہی کو پہونچانے والے ہیں۔ پہونچانا پیغمبر کا کام ہے، پیغمبر کا کام بنانا نہیں ہے۔ تو جو پیغمبر ہے وہ پیغام بر ہے۔ جب وہ خالی پیغام پہونچانے والا ہے تو بنانے والا کون ہوگا۔ بنانے والا سوائے پروردگار کے اور کون ہوگا۔ وہی مالک

ہے۔ توسارا قانون اس کے ہاتھ میں ہے۔ ملک اس کا قانون اس کا، فرق یہ ہے کہ
جب قانون پر عمل درآمد کرانا ہوتا ہے تو کوئی اپنے قانون کو ہر ایک کے حوالے
نہیں کرتا۔ اگر قانون پر عمل کرانا ہوتا ہے تو قانون ہر ایک کے حوالہ نہیں کیا جاتا کچھ
افراد منتخب کیے جاتے ہیں۔ گاؤں کا قانون اسے دیا جائے گا جو گاؤں کا ذمہ دار ہے۔
شہر کا قانون کلکٹر کو دیا جائے گا۔ محلہ کا قانون داروغہ کو دیا جائے گا۔ ملک کا قانون
کسی اور کو دیا جائے گا جو جس کا اہل ہوگا۔ تو اگر دنیادار اس نکتہ کو جانتے ہیں کہ قانون
بنانے کے بعد کس کے حوالے کیا جائے تو کیا وہ نہیں جانتا ہے؟ لہٰذا جیسا قانون ہوگا
وہ انھیں بھی پہچانتا ہے جن کے حوالہ کیا جائے گا۔ توجہ کریں۔ اگر قانون ایسا ہوگا جس کو
سو سال چلنا ہے تو اس کو چلانے کے لیے کسی اور کو بھیجا جائے گا۔ آپ نے توجہ نہیں
کی۔ اگر قانون ایسا ہے جس کو ہزار سال چلنا ہے تو اس کا ذمہ دار کسی اور کو بنایا جائے گا۔
اگر قانون کو دو ہزار سال چلنا ہے تو اس کا ذمہ دار کوئی اور ہوگا۔ اگر قانون کو قیامت
تک رہنا ہے تو اس کا ذمہ دار کوئی اور ہوگا۔ اگر قانون کو گاؤں کے دائرے میں چلنا ہے
تو اس کا ذمہ دار کوئی اور ہوگا۔ اگر قانون کو شہر میں چلنا ہے تو اس کا ذمہ دار کوئی اور
ہوگا۔ اگر قانون صوبائی ہے تو اس کا ذمہ دار کوئی اور ہوگا۔ اگر قانون ملکی ہے تو اس کا
ذمہ دار کوئی اور ہوگا۔ اگر قانون ایسا ہے جس کا تعلق انسان سے بھی ہے، جنّات سے
بھی ہے، ملائکہ سے بھی ہے تو پھر ذمہ دار ایسے کو بنایا جائے گا جو انسان کو بھی پڑھا سکے،
جنّات کو بھی سکھا سکے، ملائکہ کو بھی سبق دے سکے تو وہ ذمہ داری اسی کے حوالہ
کرے گا۔ اسی لئے تو ہم نے سرکار دو عالمؐ کو رسول الثقلین کہا ہے۔

ثقلین یعنی انسان و جنّات، حضورؐ کا قانون دونوں کے واسطے ہے: "قُلْ

اُوحِیَ اِلَیَّ" سورۂ جن پڑھ لیجئے یہ قانون جو آیا ہے تنہا انسانوں کے واسطے نہیں ہے جن نے قرآن کی آیت سُنی، دوڑ کے اپنی برادری میں گیا اور جا کے کہا۔ سُنا تم لوگوں نے، ہم نے ایک بندے کو قرآن پڑھتے سُنا ایک ایسا کلام "قُرْاٰنًا عَجَبًا"، جو عجیب تھا۔ ہم نے سُنا "فَاٰمَنَّا بِہٖ" ہم تو ایمان لے آئے۔

اب بات میں بات نکل آئی ہے۔ پروردگار نے جب شیطان کا تعارف کرایا کہا میرے بندو! تم پریشان نہ ہو، یہ مَلک ایسا کیسے نکل گیا۔ فرشتہ ایسا باغی ہو جائے کہ خدا کہے اور آدمؑ کو سجدہ نہ کرے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے تم پریشان نہ ہونا "کَانَ مِنَ الْجِنِّ" یہ جنات میں سے تھا۔ یعنی وہ برادری جو شیطان پیدا کر سکے۔ وہ برادری جس میں ایک سہی شیطان پیدا ہو جائے تو جو برادری شیطان بنا لیتی ہے اس میں اتنی شرافت پائی جاتی ہے کہ جب نبیؐ کو قرآن پڑھتے سُنا تو فوراً ایمان لے آئے ورنہ اکیلے پا کے وہیں مارنا شروع کر دیا ہوتا۔ (صلوات)

اکیلے ایک جگہ بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے دیکھا یہ تو "عَجَبًا" تو ہے ہی "قُرْاٰنًا عَجَبًا" عجیب تو ہے ہی۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان جنات کو مار لے یہ مشکل کام ہے، مگر جن انسان کو مار لے یہ کوئی مُشکل کام نہیں ہے۔ ارے جن کو تو ضرورت ہی نہیں پڑتی آدمی کو مارنے کی، خالی جن کا خیال ہی مار لیتا ہے۔ مہینے دو مہینے ٹیبلیٹ کھاتے رہے، کیپسول کھاتے رہے، انجکشن لگواتے رہے۔ جب دیکھا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے کہنے لگے معلوم ہوتا ہے اس گھر میں کسی جن کا گذر ہے۔ بعض اوقات ایسے واقعات ہوتے ہیں جن سے بہت سے حقائق معلوم ہوتے ہیں۔ ایک صاحب کے گھر میں کوئی بیماری چل رہی تھی ایک دو چار مہینے بیچارے نے علاج کیا کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ایک صاحب

کے پاس گئے۔ کہنے لگے آپ کوئی علاج کیجئے۔ کہنے لگے کس چیز کا علاج؟ ہمارے گھر میں چھ مہینے سے بیماری چل رہی ہے۔ دوائیں چلیں، ٹیبلیٹ، کیپسول، انجکشن، آپریشن جو کچھ بھی ہونا تھا سب ہو گیا مگر بیماری جانے کا نام نہیں لیتی ہے۔ کہنے لگے پھر کس چیز کا علاج کریں؟ ہم تو نہ کوئی حکیم نہ کوئی ڈاکٹر۔ کہنے لگے لگتا ہے کہ یہاں کوئی جن ہے۔ کہنے لگے آپ کو لگتا ہے ہم تو دیکھ رہے ہیں۔ جو ایسے عجیب و غریب خیالات کا مالک ہو وہ انسان نہیں ہو سکتا؟ ہم کو تو لگتا ہے کہ آپ ہی کوئی جن کی برادری کے پیدا ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ ابلیس اپنا پیغام پہونچانا چاہتا ہے، ورنہ شرافت سے بیمار ہو تو علاج کرو۔ اگر بیماری کا علاج سمجھ میں نہیں آتا ہے تو پروردگار کی بارگاہ میں دعا کرو۔ یہ خود جس کو بتا دیا جائے کہ تمہارے گھر میں جن رہتے ہیں وہ گھر چھوڑ کے بھاگ جائے گا۔ یہ تمہارے گھر سے جن نکالے گا؟ ارے کچھ تو انسان کو اپنی دیوانگی کا علاج کرنا چاہیئے۔ (صلوات)

تو عزیزان محترم! میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ جن جیسے ہی اس نے سنا ویسے ہی ایمان لے آیا۔ تو سرکار دو عالمؐ انسانوں کے بھی پیغمبر ہیں اور سرکار دو عالم جنات کے بھی پیغمبر ہیں۔ یہ قرآن انسانوں کی ہدایت کے لئے بھی ہے اور یہ قرآن جنات کی ہدایت کے لئے بھی ہے۔ انسان کو بنایا اپنی عبادت کے لئے۔ جنات کو بھی بنایا اپنی عبادت کے لئے۔ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ"۔ ہم نے جنات کو بھی اپنی عبادت کے لئے بنایا۔ تو مقصد خلقت میں دونوں برابر کے شریک۔ توجہ کریں۔ ایمان لانے میں دونوں برابر کے شریک۔ سرکارؐ کی رسالت دونوں کے واسطے۔ اے پروردگار! جب تو نے اتنی وسیع رسالت بنائی ہے،

اتنا عظیم پیغام بنایا ہے۔ اتنا عظیم قرآن بنایا ہے۔ جو انسانوں کے واسطے بھی ہو اور جنات کے واسطے بھی ہو تو مالک دو میں سے ایک کام ہو جائے۔ یا یہ لانے والا رہے۔ (میں نے ایک لفظ کہا معنی آپ خوب سمجھتے ہیں) یا یہ لانے والا رہے تاکہ جب ان کو ضرورت پڑے تو انھیں سمجھائے، جب انھیں ضرورت پڑے تو انھیں سمجھائے۔ انسان محتاج ہو تو اسے بتائے، جنات کو ضرورت ہو تو اسے بتائے۔ یا اسی کو باقی رکھنا یا اگر اسے واپس بلانا ہو تو قانون بھی واپس لے لینا۔ ورنہ اگر اتنا عام قانون رہ گیا تو اور کوئی صلاحیت والا نہ رہ گیا تو کیا ہوگا؟ پروردگار نے کہا پھر تم نے وہی حرکت شروع کی کہ ہمیں مشورہ دینا شروع کر دیا۔ ہم کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں۔ اس وقت تک نہ اٹھائیں گے جب تک دو کو چھوڑ کے نہ آئے گا۔ (صلوات)

اس مقام پر بعض اور شواہد و دلائل تھے جن کا ذکر کرنا وقت کے اعتبار سے بھی اور حالات کے اعتبار سے بھی مناسب نہیں ہے، اس لئے میں سورۂ تحریم کا ذکر چھوڑ رہا ہوں۔

یعنی قانون خدا اتنا مقدس قانون ہے کہ اگر کہیں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عمل میں یہ احتمال پیدا ہو جائے کہ شاید کوئی حلال خدا حرام ہو رہا ہے تو قدرت کا لہجہ وہاں بدل جائے، آپ کیا اور ہم کیا؟ (آپ نے غور کیا؟) یعنی عام انسان سے لے کے خاتم النّبیین تک زمین پر ننگے پیر چلنے والوں سے لے کر عرش اعظم تک جوتیوں سمیت جانے والے تک، سب کو قانون خدا کی پابندی کرنا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کرنا ہمیں بھی ہے، کرنا اُنھیں بھی ہے، جیسے ملکی قوانین ہوتے ہیں ہم کو بھی عمل کرنا ہے۔ کچھ کرتے ہیں کچھ نہیں کرتے۔ اگر عمل نہ کرنے والے پیدا

ہوں تو یہ جیلیں کیوں بنائی گئیں ؟ یہ سزائیں کیوں بنائی گئیں ؟۔ اس کا مطلب یہ
ہے کہ قانون تو سب کے لئے بنتا ہے مگر کچھ شریف ہوتے ہیں جو عمل کرتے ہیں، کچھ
لائق ہوتے ہیں جو عمل نہیں کرتے ہیں۔ ان کے درمیان ڈھونڈا جاتا ہے کہ کون
ہے جو قانون پر عمل کرنے والا ہے اور کون ہے جو قانون پر عمل کرنے والا نہیں ہے۔
جو عمل کر لیتا ہے قانون والے اسے شریف کہتے ہیں، جو عمل نہیں کرتا قانون والے
اسے ذلیل کہتے ہیں۔ ہے تو سب کے لئے مگر دونوں میں فرق کیا ہوتا ہے ؟۔ توجہ
کریں۔ جب کسی کے عمل میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ کبھی قانون پر عمل کرتا ہے، کبھی
نہیں کرتا ہے تو ایسے انسان کے عمل کو نمونہ نہیں بنایا جا سکتا۔ بس میں نے ایک
طویل موضوع کو ایک لفظ میں سمیٹ دیا ہے۔ اگر کسی کے یہاں عمل نہ کرنے کا
امکان پیدا ہو جائے تو قانون اسے نمونہ نہیں بنائے گا۔ ورنہ اگر یہ نمونہ بن گیا تو
نمونہ پر چلنے والے کبھی عمل کریں گے کبھی چھوڑ دیں گے۔ توجہ کریں۔ اگر پروردگار
اپنے قانون کے لئے کسی کو نمونہ بنا دے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قانون ساز
ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا عمل کیا ہے کہ اس کے سامنے قانون تھا، ہمارے
سامنے اس کے نقش قدم ہیں۔ (اس لفظ کے معنی پر غور کیجئے گا) اس کے سامنے
قانون ہے، وہ قانون پر عمل کر رہا ہے، ہمارے سامنے اس کے نقش قدم ہیں ہم
اسی نقش قدم پر چلیں گے۔ اسی لئے قرآن مجید نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم) کی زندگی تمھارے واسطے نمونہ ہے۔ "اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" بہترین نمونہ ہے
یہ بہترین نمونہ کس چیز کے لئے ہے ؟ وہ عمل کر رہا ہے اور تمھیں عمل کرنا ہے۔ بس
اسے دیکھتے جاؤ یہ کیا کہہ رہا ہے ؟ یہ کیا کر رہا ہے ؟ ویسے ہی عمل کرتے جاؤ۔ تو

اس نے قانون پر عمل کیا ہے۔ میں بغیر کسی وضاحت کے یہیں بات روکنا چاہتا ہوں
خدا کرے کہ میری یہ بات میرے بچوّں تک منتقل ہو جائے۔ اس نے قانون پر عمل
کیا ہے بنایا نہیں۔ اس لفظ کو نہ بھولئے گا۔ تو سرکار نے قانون بنایا نہیں قانون پر
عمل کیا۔ مگر اتنا مکمل عمل کیا کہ پروردگار نے سب کے لئے انھیں کے نقش قدم کو
نمونہ بنا دیا۔ اب اس کا کیا مطلب ہے؟ جو کاروانِ انسانیت چلا خدا کی بارگاہ
کی طرف جا رہا ہے سب سے آگے آگے سرکارؐ۔ سرکار آگے سوائے قانون خدا
کے کوئی نہیں ہے۔ قانون خدا پر وہ چل رہے ہیں، ان کے نقش قدم پر دنیا چل رہی
ہے۔ توجہ کریں۔ ان کے نقش قدم پر پوری دنیا چل رہی ہے اور قانون الٰہی پر
وہ چل رہے ہیں "فاتبعھا" خدا نے کہا ہے ہمارے احکام پر تمھیں عمل کرنا ہے اور
تمھیں ایسا بنا دیں گے کہ سب کو تمھارے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ (آپ نے توجہ کی؟)
آگے آگے قانون خدا، اس کے پیچھے سرکار دو عالم، ان کے پیچھے پوری کائنات۔
قانون پر وہ چل رہے ہیں، ان کے نقش قدم پر ہم چل رہے ہیں۔ اگر قانون ان سے
کہے کہ پیغمبرؐ اٹھو اور وہ بیٹھ جائیں۔ غور کریں۔ اگر قانون ان سے کہے کہ پیغمبرؐ راتوں
کو ذرا آرام کرو، وہ کہیں نہیں میرا جی چاہتا ہے رات بھر کھڑے رہنے کا۔ تو کیا ایسا
کہہ سکتے ہیں؟ نہیں کہہ سکتے۔ خدا کہے مصلّے پر آؤ، چلے آئیں گے۔ خدا کہے گا بستر
پر جاؤ، چلے جائیں گے۔ تو جب قانون ان کے آگے چل رہا ہے تو جیسے جیسے اُٹھاتا
ہے، بیٹھاتا ہے ویسے ہی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی چل رہی ہے۔
تو ہم کو جب ان کے پیچھے لگایا ہے تو جب وہ اٹھیں تو سب کو اُٹھنا چاہیئے۔ وہ
بیٹھے ہیں تو سب کو بیٹھنا چاہیئے۔ اس کے معنی کیا ہیں کہ وہ اُٹھنے کے واسطے کہیں

اور پیچھے چلنے والا کہے مصلحت نہیں ہے۔ وہ تو اکیلا ہزاروں سے لڑتا ہے اس وقت اُٹھنا مناسب نہیں ہے، اس وقت جانا مناسب نہیں ہے۔ اور سال بھر کے اندر رائے یوں بدل گئی کہ ۵ھ میں اٹھنے کے لئے کہیں تو سب بیٹھنے کا مشورہ دیں۔ ۶ھ میں بیٹھنے کے لئے کہیں تو لگتا ہے کہ یہ پیغمبر ہیں بھی یا نہیں ہیں۔ (صلوات)

اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار تو قانون خدا پر چلے مگر چاہنے والا نہ چل سکا۔ حضورؐ نے تو قانون خدا پر عمل کیا اُمت عمل نہ کر سکی۔ خدا نے حضورؐ سے جیسے ہی کہا "قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا" اٹھو مگر آرام بھی کرو۔ تو جتنا خدا نے اُٹھنے کے لئے کہا اُٹھ گئے، جب خدا نے آرام کے لئے کہا تو آرام کیا۔ جیسے قانون کہتا جائے گا ویسے کرتے جائیں گے ورنہ آسان کام نہیں ہے کہ زندگی بھر، رات بھر جاگنے والا اور ایک رات ساری رات سوتا رہ جائے۔ یہاں تو جاگنے کا عادی انسان گولیاں بھی کھاتا ہے تو نیند نہیں آتی ہے مگر ایسا سوئے کہ زندگی میں کبھی نہیں سوئے تھے۔ جب زندگی قانون کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے تو انداز یہی ہوتا ہے۔ (صلوات)

اور جب زندگی قانون سے الگ چلتی ہے تو کبھی اطاعت ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی ہے۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے اور یہیں پر میں نے بات کو تمام کر دیا۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے کہا اُٹھو جاؤ۔ آدمی کیا اُٹھے گا سر نہ اُٹھا "کَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِهِمُ الطَّیْرُ" جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ اُٹھنے کے لئے کہیں اور نقش قدم پر چلنے والے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے کہا ٹھیک ہے نہیں اُٹھنا چاہیے تو بیٹھ ہی جاؤ۔ رکھو تلوار اب قلم چلے گا۔ کہنے لگے یہ تو نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے پیغمبر ہیں جو تلوار کو روک کے قلم چلاتے ہیں۔ اب تو اندازہ ہوتا ہے کہ سب

نقش قدم پر نہ چل سکے۔ میں نے ایک لفظ کہا عزیزو! یہ نچوڑ ہے آج کی تقریر کا۔ باقی آئندہ گذارش کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب نقش قدم پر نہ چل سکے۔ جب اُٹھنے کے لئے کہا تو اُٹھنے میں تکلّف ہے، جب بیٹھنے کے لئے کہا تو بیٹھنے میں زحمت ہے۔ تو خدایا کوئی نقش قدم پر چلنے والا ہے بھی یا نہیں؟ مالک نے کہا میرا قانون بیکار نہیں جائے گا۔ اگر تلاش کرنا ہے تو جب سب بیٹھے رہ جائیں۔ وہ اُٹھ جائے تو سمجھو یہ امر پر چلنے والا ہے۔ اور جب سب اُٹھنے کے لئے بے قرار ہوں اور وہ قلم لے کے بیٹھ جائے تو سمجھو یہ اطاعت کرنے والا ہے۔ نقش قدم پر اگر چلنے والے کو پہچاننا ہے تو یوں پہچان لو کہ جہاں سب بیٹھیں گے وہاں امر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اُٹھ جائے گا۔ جہاں سب اُٹھنا چاہیں گے وہاں حکم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیٹھ جائے گا۔ (صلوات)

اور جب ایسے اطاعت گذار پیدا ہو جائیں گے تب سرکارؐ خود کہیں گے یہ اُٹھے تو امام، یہ بیٹھے تو امام۔ اُن کا اٹھنا بیٹھنا سب کے لئے اور تمھارے لئے نمونہ ہے۔ (صلوات)

بس عزیزانِ محترم! میں نے اپنی گفتگو کو اسی مقام پر روک دیا۔ ایسے بھی ہمّت والے پیدا ہوئے کہ جہاں اسلام پر وقت پڑ گیا مگر لوگوں میں سر اُٹھانے کی ہمّت نہ تھی، ایسے بھی لوگ پیدا ہوئے کہ دینِ خدا خطرہ میں تھا، کفر سامنے آ کے کھڑا ہو گیا ہے مگر سر اُٹھانے کی ہمّت نہیں ہوتی ہے، اسلام ایسوں کے ذریعہ باقی نہیں رہتا ہے جو کفر کے سامنے سر اٹھانے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں۔ اسلام کو ان کی ضرورت ہے جو کفر کے سامنے سر کٹانے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ اس لئے ہم نے تاریخ میں ایسے کمسن بچّوں کو دیکھا ہے جن کا حوصلہ قربانی یہ ہے کہ نہ تیس ہزار کے لشکر کو دیکھتے

ہیں، نہ تلواروں کو دیکھتے ہیں، نہ نیزوں کو دیکھتے ہیں، نہ خنجروں کو دیکھتے ہیں، نہ اسلحوں کو دیکھتے ہیں، وہ صرف اپنے مقصد کو دیکھتے ہیں۔ اس مقصد کی راہ میں قربانی دینا ہے تلواریں آتی ہیں تو آئیں، نیزے سر اُٹھاتے ہیں تو اُٹھائیں، خنجر چلتے ہیں تو چلیں ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اگر دینِ خدا خطرے میں ہے تو پہلے ہماری قربانی پیش ہوگی، اس کے بعد دین خدا پر شاید کوئی آنچ آئے۔

ہم نے تاریخ میں ان سورماؤں کی تاریخ بھی پڑھی جن کا ذکر قدم قدم پر کیا جاتا ہے، اور ان بچّوں کی بھی تاریخ پڑھی ہے جن کی زندگی کا ابتدائی دور ہے جس دور میں ہر بچہ، ہر نوجوان میں زندگی کا شوق ہوتا ہے، زندگی کا حوصلہ ہوتا ہے، زندگی کی آرزوئیں ہوتی ہیں، جوانی کی تمنّائیں ہوتی ہیں، مگر اس کے بعد ساری رات اس عالم میں گذر جائے کہ کب وہ وقت آئے گا، کب وہ صبح ہوگی، کب وہ میدان کارزار گرم ہوگا جس میں ہم جا کے دین کی راہ میں قربانی دے سکیں؟ بچّوں کے حوصلے، بچّوں کو بیقرار کئے ہوئے ہیں۔ ماں کا جذبہ بچّوں کو سامنے بٹھا کے سمجھا رہا ہے۔ بچو! جب قربانی کا وقت آجائے تو میدان میں جانا اور اس شان سے جنگ کرنا کہ لوگ پہچان لیں کہ تم کون ہو؟ اس انداز سے جہاد کرنا کہ ظالموں کو یہ اندازہ ہوجائے کہ لڑنے کے لئے کون آیا ہے۔ ابھی تو لوگ بچّے سمجھ رہے ہیں مگر جب میدان میں آؤ گے تب معلوم ہوگا کہ تمھارا خاندانِ بنی ہاشم سے کیا تعلق ہے؟ جعفرِ طیّار سے کیا رشتہ ہے؟ حیدرِ کرّار سے کیا رشتہ ہے؟ یہ تو میدان میں جانے کے بعد اندازہ ہوگا۔

رات گذرتی جا رہی ہے۔ ماں، بچوں کے حوصلۂ جہاد کو اور آگے بڑھاتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ رات تمام ہوگئی۔ عاشور کی صبح آئی۔ وقت گذرتا رہا۔

قربانی کا مرحلہ آگیا۔ چاہنے والے ایک کے بعد ایک راہِ خدا میں قربان ہوتے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ ظہر کا ہنگام آگیا۔ اب چونکہ بچّوں ہی کا ذکر ہے لہٰذا اس مرحلہ پر ایک جملہ کہہ کے آگے بڑھنا ہے۔ میں نے اس سے پہلے بھی عرض کیا ہے اور یقیناً آپ کو یاد ہوگا کہ کربلا کا جہاد دو حصّوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک حصّہ جہاد کا ظہر سے پہلے اور ایک حصّہ ظہر کے بعد۔ وہ قربانیاں جو راہِ خدا میں ظہر سے پہلے پیش ہوئی ہیں اُن کے آخری شہید کا نام ہے مسلم بن عوسجہ۔ حملۂ اولیٰ میں حسین علیہ السّلام کے چالیس چاہنے والے کام آگئے۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے میدان میں جاتے رہے۔ دو دو کر کے میدان میں جاتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کا ہنگام آنے سے پہلے آخری مجاہد جو راہِ خدا میں قربان ہوا وہ جناب مسلم ابن عوسجہ (علیہ السلام) تھے۔ آئے۔ زخمی ہوئے۔ گھوڑے سے گرے۔ مولاؑ کو آواز دی۔ ابھی حبیب زندہ ہیں۔ جیسے ہی امامؑ نے میدان میں جانے کا ارادہ کیا حبیبؓ آقا کے ساتھ چلے۔ میدانِ جہاد میں آئے چاہنے والے کے سرہانے بیٹھ گئے۔ امامؑ نے سر اُٹھا کے زانو پر رکھ لیا۔ امامؑ اور چاہنے والے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اتنا زخمی ہو گیا ہے کہ بار بار آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے۔ آقاؑ کے جمال مبارک کو دیکھتا ہے۔ دیکھا پہلو میں حبیبؓ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حبیبؓ نے کہا مسلم! مسلم! یہ تو معلوم ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد میں بھی قربان ہونے والا ہوں لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جتنی دیر زندہ رہوں گا تمھاری وصیّت پر عمل کروں گا۔ اگر کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو۔

ہاں اولاد والو! چاہنے والو! دو چار منٹ سے زیادہ نہیں۔ بات تمام کر رہا ہوں انشاء اللہ آپ بہت روئیں گے۔ اب تو تاریخیں ختم ہوتی جا رہی ہیں،

آدھا عشرۂ محرم تو گذر گیا۔ اگر کوئی وصیّت کرنا چاہتے ہو تو وصیّت کرو مسلم نے نہ زوجہ کے بارے میں کچھ کہا، نہ بیٹے کے بارے میں کچھ کہا۔ آنکھ کھولی اشارہ کیا حسینؑ کے چہرے کی طرف۔ کہا " اُوْصِیْکَ بِهٰذَا الْمَظْلُوْمِ" اے حبیب! کچھ نہیں کہنا ہے۔ فقط اتنا کہنا ہے کہ جب تک زندہ رہنا اس مظلوم کا خیال رکھنا۔ یہ کہہ کے مسلم خاموش ہو گئے۔

اب جو حسین علیہ السّلام سرھانے سے پلٹ کے چلے تو دیکھا کہ خیمہ کا پردہ اٹھا۔ ایک کمسن بچہ خیمہ گاہ سے برآمد ہوا۔ میدان کی طرف جا رہا ہے۔ چھوٹی سی تلوار کمر سے لگی ہوئی ہے۔ فرمایا حبیب ذرا بچہ کو روکو۔ حبیب نے بڑھ کر بچہ کا بازو تھاما۔ مولاؑ کے سامنے لے کے آئے۔ بیٹا کیا ارادہ ہے؟ کہا مولا آپ کے قدموں پر سر قربان کرنے جا رہا ہوں۔ کہا بیٹا تو مسلم کا لال ہے، شاید تجھے نہیں معلوم ہے کہ میں تیرے باپ کے سرھانے سے آ رہا ہوں۔ اے بیٹا تیری ماں کے لئے تیرے باپ کا غم کافی ہے، اب نیا صدمہ کیوں دینا چاہتا ہے؟ کہا مولاؑ! میں یوں ہی تو میدان میں نہیں آیا۔ یہ تلوار میری کمر سے میری ماں نے لگائی ہے۔ یہ میدان میں سجا کے میری ماں نے مجھے بھیجا ہے۔ کہا شاید تیری ماں کو نہیں معلوم ہے کہ تیرا باپ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ خیمہ کے پردہ کے پیچھے وہ ماں کھڑی سُن رہی ہے، جس نے بچہ کو باہر بھیجا ہے۔ جیسے ہی کانوں میں یہ آواز آئی کہا مولاؑ اگر میرا شوہر مارا گیا تو یہ ایک بیوہ کا ہدیہ ہے۔ آقا اسے رَد نہ کیجئے گا۔ میرے بچہ کو قربان ہو جانے دیجئے۔

اے رونے والو! جب چاہنے والی خاتون کا یہ عالم ہے تو بہن کا کیا عالم ہوگا؟ اے بچّو! اے میرے لاڈلو! جاؤ میدان میں جا کے اپنے ماموں پر قربان

ہو جاؤ۔ بچّے میدان جہاد میں آئے۔ داد شجاعت دیتے رہے۔ اِدھر یہ زخمی ہو کے گھوڑے سے گرا، اُدھر وہ زخمی ہو کے گھوڑے سے گرا۔ اب جو حسین علیہ السّلام میدان میں چلے تو عباس علیہ السّلام کو ساتھ لے کے چلے۔ بس آخری جملہ۔ دو منٹ اور مجلس تمام۔ میدان میں آئے۔ اب جو پلٹ کے چلے ایک لاشہ کو حسینؑ اٹھائے ہوئے، ایک لاشہ عباس علمدارؑ سنبھالے ہوئے۔ لا کے خیمہ میں رکھا۔ فضّہ نے کہا بی بی آپ کے لال آئے ہیں۔ چلئے دیکھئے آپ کے لال آئے ہیں۔ کہا میں دیکھ کے کیا کروں گی، کیا میں نے ان کو واپس آنے کے لئے بھیجا تھا؟ میں نے تو قربان ہونے کے لئے بھیجا تھا۔ کہا دیکھ تو لیجئے کیسے آئے ہیں؟ اب جو مڑ کے دیکھا بچّے خون میں نہائے ہوئے، بچّے خون میں ڈوبے ہوئے۔ ماں نے سجدہ میں سر کو رکھ دیا۔ پروردگار تیرا شکر، میرے بچّے میرے بھیّا کے کام آگئے۔ شاباش میرے شیرو! تم نے ماںجائے کے سامنے ماں کو شرمندہ نہ کیا۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس ۸

استعانت باللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا۔

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں بھی تمھارے ہی جیسا ایک بشر ہوں لیکن میری طرف مسلسل یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمھارا پروردگار ایک ہے جو اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

روز اوّل سے توحید پروردگار سے متعلق جو سلسلہ کلام آپ حضرات کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے ساتویں مرحلہ پر توحید الٰہی سے متعلق ایک انتہائی نازک مسئلہ کی وضاحت کرنا ہے اور شاید توحید کی منزل میں اِس سے زیادہ نازک کوئی دوسرا موضوع نہیں ہے جہاں اتنی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں کہ ان کے شمار کرنے کے لئے شاید ایک گھنٹہ کا وقت بھی ناکافی ہو جائے۔

ہر مرد مسلمان یا ہر مومنہ جو بھی مالک کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے وہ اپنی

ہر حاضری میں دو باتوں کا اعلان کرتا ہے " اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ " پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور اسی فقرہ کو دیکھنے کے بعد دو طرح کے تصوّرات پیدا ہوئے۔ کچھ لوگوں نے " اِیَّاکَ نَعۡبُدُ " پڑھنے کے بعد یہ طے کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ نہ کوئی قابل احترام ہے، نہ قابل اطاعت ہے، نہ قابل قیام ہے، نہ قابل سلام۔ ان کی نگاہ میں کسی کو سلام کر لینا بھی ایک عبادت ہے، کسی کے لئے کھڑا ہو جانا بھی ایک عبادت ہے، کسی کی بارگاہ میں حاضری دینا بھی عبادت ہے۔ اور اس طرح کے نہ جانے کتنے معاملات ہیں جن کو پہلے عبادت قرار دیا گیا اس کے بعد سب کو " اِیَّاکَ نَعۡبُدُ " کے خلاف بنا دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کے احترام کے لئے کھڑا ہو جائے یا اسے ایک سلام بھی کر لے تو بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حد شرک میں داخل ہو گیا گویا " اِیَّاکَ نَعۡبُدُ " کے خلاف ہو گیا۔ حالانکہ میں نے عرض کیا عبادت کا اپنا ایک تصوّر ہے جس کا تعلق ان باتوں سے نہیں ہے۔ نہ عبادت کا تصوّر کسی قیام سے مجروح ہوتا ہے، نہ کسی سلام سے مجروح ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اپنے واسطے سب قیام چاہتے ہیں، محسن کے لئے کوئی نہیں چاہتا۔ جن کا کلمہ پڑھ کے ہماری آپ کی کچھ اوقات ہو گئی ہے ہماری کوئی حیثیت پیدا ہو گئی ہے، ہم چاہتے ہیں ہمارے سامنے، اگر ہم کہیں سے گذر جائیں تو ساری دنیا سر کے بل کھڑی ہو جائے۔ مگر جن کی بدولت یہ احترام حاصل ہوا ہے ان کی بارگاہ میں کوئی قیام نہ کرنے پائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کو خالی ایک نشانہ بنایا گیا ہے مقصد کچھ اور ہے۔ اور اس سے زیادہ خطرناک منزل ہے منزلِ استعانت۔ مدد مانگنا۔ " اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ " پروردگار!

ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم تجھ ہی سے طالبِ اعانت ہیں۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے آپ نے ذرا تقاضا کیا اور گویا "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے خلاف ہو گیا، اور آدمی توحید کی حدوں سے نکل کے حد شرک میں چلا گیا۔ یہ تصور ہے جو بعض مقامات پر یا بعض لوگوں کے ذہنوں میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا میری ذمہ داری ہے کہ اس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا صحیح اسلامی تصور آپ کے سامنے گذارش کروں۔

آئیے پہلے انسان کا جائزہ لیا جائے۔ یہ انسان ہے کیا، اور بنانے والے نے اسے کیسے بنایا ہے؟ پروردگار نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد جب انسان کی حقیقت اور اس کی واقعیت کا اعلان کیا تو صاف لفظوں میں کہا، اے انسان! تیرے پاس غرور کا کون سا سامان پایا جاتا ہے "خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا" انسان کمزور بنایا گیا ہے۔ توجہ کریں آپ — یہ قرآن مجید اعلان کرتا ہے انسان اپنی اوقات کو پہچانے۔ یہ انسان پیدا ہی کیا گیا ہے کمزور۔ اور اگر قرآن مجید نے نہ کہا ہوتا تو اگر انسان اندھا نہیں ہے ہر پیدا ہونے والے کو دیکھ لے گا خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ پیدا ہونے والا طاقتور پیدا ہوا ہے یا کمزور پیدا ہوا ہے۔ میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ ہر پیدا ہونے والا توانائی کے اعتبار سے کمزور، علم کے اعتبار سے کمزور، ہنر کے اعتبار سے کمزور، فضل و کمال کے اعتبار سے کمزور، ہر اعتبار سے کمزور۔ حد یہ ہے کہ آنکھیں ہیں مگر دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ کان ہیں مگر واقعاً سننے کے لائق نہیں ہیں۔ پیر ہیں مگر چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ ہاتھ ہیں مگر اُٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔ دماغ ہے مگر سوچنے کے لائق نہیں۔ اس سے زیادہ کمزور کیا ہوگا۔ توجہ کریں۔ اے پروردگار! یا تو انسان کو اتنا طاقتور بنایا ہوتا کہ کسی سے مدد کی ضرورت نہ ہوتی۔ میں یہاں سے گفتگو شروع کر رہا ہوں آپ اس پر غور کیجئے گا۔ بندے کو اتنا طاقتور بنا کے بھیجا ہوتا کہ

سب کے سامنے اکڑ کے کھڑا ہو جاتا، کسی سے مدد لینے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر بنایا اتنا کمزور ہے کہ جو کمزور بنا ہے تو مجبور ہے کہ طاقتور کا سہارا لے جو کمزور بنایا گیا ہے وہ بغیر طاقتور کے سہارے کے آگے تو نہیں بڑھ سکتا ہے۔ جب ہر انسان دنیا میں کمزور آیا ہے وہ بالآخر کسی کا سہارا لے گا تو ہر سہارا ہی کفر ہو جائے۔ توجہ کریں۔ اگر ہر امداد طلب کرنا ہی شرک ہو جائے تو کھیئے انسان بنایا ہی اس لیے گیا ہے نہ کوئی مسلمان بننے پائے نہ مومن بننے پائے سب مشرک ہی بن جائیں۔ اس لئے بغیر سہارے کے آگے بڑھ نہیں سکتا اور یہ انتظام بھی کیا کہ اتنا کمزور تھا صحرا میں نہیں اتارا، آسمان سے نازل نہیں کیا، زمین سے درختوں کی طرح نہیں اُگایا بلکہ ایک ماں اور باپ سے ملا کے بنایا ہے تاکہ سہارا دینے والے بھی ساتھ رہیں۔ توجہ کریں۔ تاکہ سہارا دینے والے بھی ساتھ رہیں۔ تو بنا کمزور۔ سہارے کا محتاج تھا۔ لہٰذا مالک نے بنایا تو ایسے بنایا کہ ایک ماں ایک باپ کو ذریعہ بنایا "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ" تاکہ دو سہارے اس کے پاس رہیں آگے بڑھنے کے لئے۔ اب انسان ایک قدم بھی زندگی میں آگے بڑھنا چاہتا ہے تو کبھی ماں کا سہارا چاہتا ہے، کبھی باپ کا سہارا چاہتا ہے۔ اس کے بغیر تو آگے بڑھ ہی نہیں سکتا ہے اور قدرت نے، فطرت نے یہ سبق رکھ دیا کہ اگر بغیر سہارے کے نہیں بڑھ سکتے ہو تو سہارا کیسے لیا جائے۔ توجہ کریں۔ یعنی جو طاقت والے ہیں تم کو ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔ تم اگر ان کو اپنی طرف متوجہ کر کے ان سے مدد لینا چاہو تو طریقہ کیا ہوگا؟ کبھی سُنا ہے کہ کسی بچہ نے ماں کی گود میں آ کے تقریر شروع کر دی ہو، کسی بچہ نے ماں کی گود میں آ کے، ماں کے سامنے ایک درخواست ٹائپ کرا کے رکھ دی ہو۔ ہاں یہ ترقی کا دور ہے اکیسویں صدی کی سرحد پر آ گئے ہیں، اب

وہ دن چلے گئے جب قلم سے درخواست کی جاتی تھی اب سارا کام مشینوں سے ہو رہا ہے تو بچہ بھی ایسی صلاحیت لے کے آیا ہوتا کہ جیسے ہی دنیا میں قدم رکھا ایک درخواست ٹائپ کی ماں کے نام اس وقت دودھ چاہیئے۔ ایک درخواست لکھی باپ کے نام آپ کو باہر سے سامان لانا چاہیئے۔ مگر ایسا تو نہیں ہوتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ ماں سے مدد لے تا کہ زندہ رہے۔ یہ چاہتا ہے کہ ماں کا سہارا مل جائے تا کہ زندہ رہے۔ زندگی کے لئے ماں کا سہارا چاہیئے، بغیر سہارے کے درخواست کیسے دے، نہ کبھی قلم چلتے دیکھا نہ کسی کو قلم چلاتے دیکھا، نہ کسی کو تقریر کرتے دیکھا۔ ایک زبان قدرت نے سکھا دی تھی۔ جب ضرورت کا احساس پیدا ہوا، جب بھوک اور پیاس نے پریشان کیا، بچہ نے رونا شروع کیا۔ ماں متوجہ ہو گئی۔ یعنی فطرت نے دونوں سبق دے دیئے، بغیر سہارے کے جی نہیں سکتے اور سہارا لینے کا بہترین سہارا ہے رونا۔

اسی لئے اگر آپ اسلامی روایات پڑھیں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ بہترین نماز، بہترین عبادت، بہترین بندگی وہ ہے کہ جہاں مصلے پر کھڑے ہونے والے کی آنکھ سے ایک قطرۂ اشک نکل جائے۔ اگر آنکھوں میں ایک قطرہ آنسو آجائے تو اس سے بہتر کوئی نماز نہیں ہے، اس سے بہتر کوئی بندگی نہیں ہے۔ ہزاروں نمازیں جو بغیر آنسوؤں کے گذر جائیں اور ایک وہ دو رکعت کی نماز جس میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائے، یہ دو رکعت ان ہزاروں سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ اُن میں نَسْتَعِیْنُ کہا جاتا ہے اور اس میں نَسْتَعِیْنُ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

قربان جایئے جو مولائے کائناتؑ نے سلیقہ سکھایا خدا کی بارگاہ میں مانگنے کا تو کیا کہا، اگر خدا کی بارگاہ میں مانگنا چاہتے ہو تو یہ بات یاد رکھنا کہ بندۂ مومن خدا کے

سامنے آئے گا تو مومن کے سرمایہ کا نام ہے دُعا، مومن کے اسلحہ کا نام ہے پکار۔ نہ دُعا سے بڑا کوئی سرمایہ ہے، نہ پکار سے بڑا کوئی اسلحہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم تو اس کو استعمال کرتے ہیں مالک کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نہ جانے دنیا اس کو کون سا اسلحہ سمجھ رہی ہے۔ (صلوات)

لہٰذا انسان محتاج ہے، انسان مجبور ہے کہ کسی نہ کسی کا سہارا لے گا۔ ہر سہارا لینے والے کا نام نہ کفر ہوتا ہے، نہ شرک ہوتا ہے، نہ یہ خلاف توحید ہے۔ مالک نے انسان کو ایسا بنایا اور یہ ایک عجیب بات ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا اور اگر آپ نے کبھی تجربہ کیا تو معلوم ہوگا ورنہ ظاہر ہے تجربات تو روزانہ کئے جا سکتے ہیں کوئی پُرانا تاریخی واقعہ تو نہیں ہے کہ تاریخ پلٹ کے نہیں آئے گی۔ بچّے ماشاءاللہ دنیا میں آ ہی رہے ہیں اور انشاءاللہ ایسے ہی آتے رہیں گے، امت اسلامیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ آپ دیکھئے جب بچہ پیدا ہوتا ہے ماں کی گود میں بچہ پل رہا ہے۔ اگر چار عورتیں اکٹھا ہو جائیں، اسی مقام پر چار عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں اور بچہ بھوک محسوس کرے یا پیاس کا احساس کرے، یعنی اسے دودھ چاہیئے۔ یہ چار عورتیں جو اس کے سامنے بیٹھی ہوئی ہیں، شکلیں ایک جیسی، لباس ایک جیسا، انداز ایک جیسا۔ جتنا بچہ سمجھ سکتا ہے سب ایک ہی جیسی خواتین دکھائی دیتی ہیں، مگر جب بچہ کو بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بچے پریشان ہوتے ہیں تو لاکھ کوئی بُلاتا رہے مگر بچہ دوڑ کے ماں کے پاس جاتا ہے یعنی جس کو سہارا بنایا گیا اس کو پہچانتا ہے۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے اس کے

معنی پر غور کر لیجئے گا۔ کس قدر افسوسناک بات ہے جب بچّے تھے نادان تھے، جب بچّے تھے نافہم تھے تب اتنا سمجھتے تھے کس کا سہارا لینا چاہیئے، تب یہ سمجھتے تھے کہ کون کام آسکتا ہے۔ جیسے ہی بڑے، عقل مند ہوئے اپنا سبق بھی بھول گئے جو بچپنے میں یاد تھا، اس وقت سب ہمدردی کے لئے ہاتھ بڑھا رہے تھے مگر بچّہ ہمک کے کسی کی گود میں نہ گیا، اپنی ماں کے گود میں آیا اس لئے کہ مالک نے اسے سہارا بنایا ہے غیروں کے پاس کیوں جائے۔ ارے جب پہلے دن سمجھ لیا تھا تو اسی کو سہارا بناؤ جس کو اس نے سہارا بنایا ہے تو آگے چل کے کس نے بہکا دیا۔ کبھی ان کی چوکھٹ پر، کبھی ان کے دروازہ پر، وہاں کیوں نہیں جاتے جس کو اس نے سہارا بنایا ہے۔ (صلوات)

یہ ایک مسئلہ جو فطرت انسانی میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جو کمزور ہے وہ بہرحال مدد طلب کرے گا۔ جو کمزور ہے وہ بہرحال طاقتور کا سہارا لے گا، یہ فطری مسئلہ ہے جس سے کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا۔ اور اگر بات خالی مدد مانگنے کی آجائے۔ توجہ کریں۔ یعنی ہزار مطالب ایک طرف اور خالی ایک لفظ نستعین ایک طرف۔ آپ کچھ بھی کہے جائیں مگر قرآن میں لکھا ہے "ایاك نستعین"۔ بھائی "ایاك نستعین" بے شک لکھا ہوا ہے، ہر مسلمان کا ایمان ہے معنی تو نہیں لکھے ہوئے ہیں وہ تو آپ بنا لیتے ہیں۔ پہلے معنی کو پہچانئے "ایاك نستعین" کے معنی کیا ہیں؟ نہیں نہیں کسی سے مدد نہیں مانگی جائے گی۔ آپ ہمارا اپنا ذکر کر رہے ہیں پروردگار۔ پروردگار ہو کے آپ سے کہتا ہے۔ کیوں کہتا ہے وہ تو جا کے تفسیروں میں پڑھے گا، علماء سے پوچھے گا۔ پروردگار خالق کائنات ہو کے آپ سے کہتا

ہے "اِنْ تَنْصُرُ اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ" اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا.
ہم کیا ہماری اوقات کیا، ہماری بساط و حقیقت کیا کہ ہم اس کی مدد کریں گے. مگر
کیا کریں قرآن سے آیت کو نکال دیں، پروردگار کے لہجے کو بدل دیں. بے شک یہ
منزل امتحان ہے دنیا جانتی ہے لیکن بالآخر مطالبۂ نصرت تو ہے. اور یہی وجہ ہے
کہ اگر کمزور ہو کے مدد مانگتا تو پھر یہ نہ کہتا کہ تم مدد کرو ہم تمہاری مدد کریں گے. اس
لفظ پر نگاہ رکھئے گا؟. اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا. یہ کہنا کہ
خدا تمہاری مدد کرے گا یہ علامت ہے کہ کمزور نہیں ہے اس لئے کہ اگر کمزور ہو کے
مدد مانگتا تو وہ پھر کیسے مدد کرے گا. تم تو الگ الگ لاکھ مل کے مدد کرو گے وہ لاکھ
کے لئے اکیلا کافی ہے لیکن پھر تم سے کہتا ہے ہماری مدد کرو اور دو ہی منزلیں تو قرآن
میں دیکھنے میں آئیں کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا. دو ہی جگہیں ہیں جہاں خدا نے
بندوں سے کچھ مانگا ہے ورنہ ہمیشہ دیا ہی ہے. یہ لفظ محفوظ کر لیجئے کبھی کام آئے گا.
دو ہی جگہیں ہیں جہاں خدا نے بندوں سے کچھ تقاضا کیا ہے، ورنہ خالی دیا ہی دیا ہے.
وجود دیا، حیات دی، طاقتیں دیں، صلاحیتیں دیں، علم دیا، فضل دیا، کمال دیا، سب
دیا ہی تو ہے. مگر دو چیزیں جن کو خدا نے بندوں سے مانگا ہے، تقاضا کیا ہے، چاہے
بطور امتحان سہی، مگر تقاضا کیا ہے. ایک مسئلہ ہے نصرت کا. ہماری مدد کرو. "اِنْ
تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ" اگر تم خدا کی مدد کرو گے خدا تمہاری مدد کرے گا. ایک
تقاضا ہے نصرت کا اور دوسرا تقاضا "اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا" میرے بندو!
خدا کو قرضہ دو. اب جائیے تفسیریں پڑھئے، علماء سے پوچھئے. ممکن ہو تو الفاظ بدل لئے
لیکن اگر جو لکھا ہے اسے ماننا ہی ہے تو مانئے "اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا" خدا کو

قرض دو یہ صحیح ہے کہ واپس کرے گا۔ ایک دو گے دس بنا کے دے گا، ستر بنا کے دے گا، ہزار بنا کے دے گا۔ مگر کہتا ہے دو۔ توجہ کریں۔ اور دونوں جگہ دو لفظیں استعمال کردیں۔ جب نصرت کا تقاضا کیا تو کہا ہم تمہاری مدد کریں گے تاکہ کمزور نہ سمجھو اور جب کہا قرضہ دو تو کہا "یُضَاعِفُ"۔ بڑھا بڑھا کے دیں گے ہمیں فقیر نہ سمجھ لو۔ میرے الفاظ پر نگاہ رکھئے گا اس لئے کہ بڑا قیمتی مسئلہ ہے اگر حل ہو جائے۔ یعنی خدا نے دو تقاضے کئے۔ ایک نصرت کا تقاضا ہے ایک قرض کا مطالبہ ہے اور دونوں جگہ یہ واضح کردیا کہ تم ہماری مدد کرو گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے یعنی ہم کمزور نہیں ہیں۔ تم قرضہ دو گے ہم بڑھا کے واپس کریں گے۔ یعنی ہم فقیر، نادار نہیں ہیں مگر پھر کہتے ہیں مدد کرو، کہتے ہیں قرضہ دو ہم واپس کریں گے مگر دو۔ ہم تمہارے کام آئیں گے مگر تم ہماری مدد کرو۔ پروردگار جب تو دے سکتا ہے، مدد بھی کرسکتا ہے، تو ان کمزوروں سے مانگنے کی ضرورت کیا ہے؟ تقاضا کرنے کی ضرورت کیا ہے؟۔ اپنی مصلحتوں کو مالک جانے، اپنی مصلحت کو پروردگار جانے۔ مگر کم سے کم ہم اتنا سمجھے کہ یہ دو تقاضے وہ ہیں جو مجبوری اور کمزوری کی علامت نہیں ہیں۔ ہر چیز کا مانگنا کمزوری کی نشانی بن سکتا ہے لیکن نہ مدد مانگنا کمزوری کی نشانی ہے اور نہ قرض لینا کمزوری کی نشانی ہے اس لئے کہ خدا نے یہ دونوں کام اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ نہیں غور کر رہے ہیں؟۔ خدا نے یہ دو کام اپنی طرف منسوب کرلئے ہیں۔ ہم نے مدد بھی مانگی ہے، ہم نے قرض بھی مانگا ہے کہ یہ دونوں کمزوری کی علامت نہ بننے پائیں۔ شاید مصلحت یہ رہی ہو کہ خدا کے دو نیک بندے ایسے بھی ہوں گے۔ توجہ کریں۔ دو بندے ایسے بھی ہوں گے۔ ایک یہودی کے دروازہ پر آکے قرض مانگے گا، ایک کربلا کے میدان

میں مدد مانگے گا۔ خبردار نہ قرض کو دلیلِ کمزوری سمجھنا، نہ مدد مانگنے کو دلیلِ کمزوری سمجھنا۔ وہ بھی ایک امتحان تھا یہ بھی ایک امتحان ہے۔ (صلوات)

تو خالی مسئلہ الفاظ کا ہے۔ ایسے الفاظ تو آپ کو بہت ملیں گے، لیکن دنیا جانتی ہے کہ اگر پروردگار عالم کہتا ہے کہ دینِ خدا کی مدد کرو تو خدا محتاج نہیں ہے۔ پروردگار اگر کہتا ہے کہ قرض دو تو مالک تمھارا محتاج نہیں ہے وہ تو تمھیں آزمانا چاہتا ہے، دیکھنا چاہتا ہے، مگر لہجہ یہی ہے، انداز یہی ہے "قرض دو"، انداز یہی ہے کہ "مدد کرو"۔ تاکہ انسان کو یہ محسوس ہو جائے کہ خالی لفظوں سے مسائل حل نہیں ہوتے ہیں۔ مسائل کو گہرائی میں جا کے ان کی معنویت کو پہچاننا پڑے گا۔

یہاں تک آنے کے بعد فطرت انسان سے آگے بڑھ کے مجھے چند جملے اور گذارش کرنا ہے اور وقت کے اندر بات تمام کرنا چاہتا ہوں ورنہ مسئلہ بہت طویل ہے اور اس کے لئے بہت وقت چاہیئے۔

دیکھئے کسی سے مدد مانگنے کے تین طریقے ہیں:

۱۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ انسان خدا کو چھوڑ کے بندے سے مانگے (العیاذ باللہ)۔ کوئی آپ کے دروازے کہنے لگے دس روپئے دیدیجئے۔ آپ نے دس روپئے دیدیئے۔ کوئی بری بات نہیں ہے۔ مومن، مومن کے کام آتا ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کہنے لگے مگر آپ نے مجھے کیسے یاد فرمایا؟ یہاں کیسے زحمت فرمائی؟ یہ مجھ سے دس روپیہ مانگنے کے لئے آپ کیوں آئے؟ کہنے لگے کیا کریں ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ غریب ہو جاؤ، کمزور ہو جاؤ تو نماز پڑھو۔ نماز پڑھی خدا سے کہا۔ ایک میں لکھا ہوا تھا یہ آیت پڑھو۔ اس آیت کو ایک سو پچیس دفعہ

پڑھ دیا، کچھ نہیں ہوا۔ ایک میں لکھا ہوا تھا یہ دعا پڑھو خدا بہت دے گا۔ پڑھ کے دیکھ لیا یعنی چونکہ خدا نہیں دیتا لہٰذا آپ دیجئے۔ ایسے لوگ ملتے ہیں یہ خالی عقلی تصوّر نہیں ہے ہر طرح کا دیوانہ، ہر طرح کا احمق دنیا میں مل جاتا ہے۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بندوں کے پاس جاتے ہیں یہ کہنے کے واسطے کہ چونکہ خدا کچھ نہیں دیتا۔ پرانے زمانے کی مثل "جس کو نہ دے مولا" لیکن ایسی حماقتوں کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ غور کیا آپ نے؟

تو میں گذارش کر رہا ہوں کہ اگر کوئی خدا کو چھوڑ کے بندے سے مانگے کہ خدا نہیں دیتا یا نہیں دے سکتا لہٰذا حضور آپ ...... یہ بدترین کفر ہے۔ توجہ کریں یعنی شرک نہیں ہے۔ اس لئے کہ شرک میں تو دو ہوتے ہیں اس کے پاس تو ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ نہیں ہیں یہ ہیں۔ نہیں غور کیا آپ نے؟ شرک اس کو کہا جاتا ہے جہاں دو خدا ہوتے ہیں۔ یہ تو اصلی خدا کو چھوڑ آیا اب اس کے پاس تو ایک ہی خدا رہ گیا ہے جو زمین پر ٹہل رہا ہے اور جیب میں چار پیسے رکھے ہوئے ہے، یہ بدترین کفر ہے جو انسان کی زندگی میں پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان پروردگار کو چھوڑ کے بندوں سے مانگتا ہے اس سے بدتر کوئی کفر تصوّر نہیں کیا جاتا جو کبھی سماج میں، ہر سماج میں، حد یہ ہے کہ اسلامی سماج میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے جاہل، ایسے نادان، ایسے احمق، ایسے دیوانے جو صاف صاف کہتے ہیں خدا تو کچھ کرتا نہیں ہے آپ ہی کچھ کر دیجئے خدا کچھ نہیں کرتا تو یہ کیسے کر دے گا جب کہ موت و حیات بھی خدا کے ہاتھ میں ہے اگر کچھ کرنے کا ارادہ کیا ادھر سے ملک الموت کو بھیج دیا، اب بتاؤ کیا کرے گا، اور اب ملک الموت آئے تو دونوں کو ساتھ لے گئے۔ اگر آپ سمجھتے

ہیں کہ یہی کچھ کریں گے تو چلئے، دونوں چلئے دیکھئے یہ کیا کرتے ہیں، آپ ان سے
مانگئے گا یہ آپ کو دے دیں گے۔ غور کیا آپ نے؟۔ ایسا تو نہیں ہے لیکن ایسے
لوگ ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا بھی ہے اور سُنا بھی ہے جو
سمجھتے ہیں خدا کام نہیں آئے گا شاید آپ ہی کام آسکتے ہیں۔ میں پھر وہی مثال
دُہراؤں گا۔ گھر میں دو چار چھ مہینے جو بیماری رہ گئی، مسلمان عورت، مسلمان مرد جس کے
گھر میں سال، چھ مہینے بیماری رہ گئی، اب یہ نکلے پتہ لگانے کے لئے کہ کون اس
بیماری کو گھر سے نکال سکتا ہے، یہ گھر میں جو کچھ ہو گیا ہے اس "کچھ" میں کتنی معنویت
پائی جاتی ہے، خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے اسی "کچھ" کے پیچھے۔ سارے فتنوں کی
جڑ یہ دو چیزیں ہیں، جب خاندان میں، محلوں میں، گھروں میں فساد پیدا ہوتا ہے تو
پہلے کہہ دو کہ تمھارے گھر میں 'کچھ' ہے۔ سُنا ہے کہ نہیں آپ نے؟ جہاں دو چار مہینے
کوئی پریشانی رہی مثلاً دس جگہ انٹرویو دینے گئے نوکری نہیں ملی یا جو نوکری تھی،
ہاتھ سے نکل گئی یا مثلاً دس سال ہو گئے شادی کے اولاد نہیں ہوئی یا بیماری دو چار
مہینے چل گئی تو کہا تمھارے گھر میں 'کچھ' ہے۔ یہ فتنہ کا پہلا زینہ ہے اور جیسے ہی 'کچھ'
کا یقین ان کو پیدا ہوا دوسرے نے اپنا کارِ خیر شامل کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے
کہ کسی نے "کچھ" کیا ہے کچھ انھوں نے جوڑا تھا اور کسی نے کچھ کیا ہے وہ انھوں نے
جوڑ دیا۔ اب خاندانوں میں جھگڑے، لڑائیاں، فساد آپ یقین کریں ساس بہو کے
جھگڑوں کی اکثر بنیاد یہی دو لفظیں ہیں۔ تمھارے لڑکے کو کچھ ہو گیا ہے معظمہ آئی ہیں
گھر میں اصلاح کرنے کے لئے۔ دیکھو پہلے روز آنہ ٹیلی فون کیا کرتا تھا، ساری تنخواہ
تمھیں کو بھیج دیا کرتا تھا، گھر کا کیا نقشہ تھا، گھر کا کیا عالم تھا مگر تمھارے لڑکے کو 'کچھ'،

ہو گیا ہے کہ اب آدھا پیسہ بھیجتا ہے، اب آٹھویں دن ٹیلی فون کرتا ہے، کبھی آٹھواں
دن بھی گذر جاتا ہے پوچھتا بھی نہیں ہے۔ دوسری معظمہ ادھر سے بولیں، ہاں اگر کوئی
شیطان کی ماں ہے تو کوئی خالہ بھی تو ہو گی۔ ادھر سے وہ بولیں ارے 'کچھ' ہو گیا ہے
کسی نے 'کچھ' کرا دیا ہے۔ اب اس کسی کا مصداق کیا ہے وہ بیچاری جس کو کل انتہائی
احترام سے لایا گیا تھا۔ نہیں غور کیا میں نے کیا کہا؟۔ اتنے احترام سے لایا گیا۔
بہر حال آج کے حالات تو بدل گئے ہیں ورنہ آج سے چند سال پہلے یہ عالم تھا کہ بہو گھر
میں آجائے تو اس کو زمین پر اُترنے نہ دیا جائے گودی میں اٹھا کے اس کو لے جائیں،
یہ کمالِ احترام۔ آج خاک پر بیٹھنے کے لائق بھی نہیں ہے بلکہ خاک میں ملا دینے کے
کے لائق ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے کچھ کرا دیا ہے جو میرا لڑکا میرے ہاتھ
سے نکل گیا۔ اب اس احمق معظمہ کو کون سمجھائے کہ کسی نے کچھ نہیں کرا دیا آپ ہی نے
کچھ کرا دیا ہے۔ اگر نہیں سمجھے تو میں وضاحت کروں۔ کسی نے کچھ نہیں کرا دیا ہے آپ
ہی نے کچھ کرا دیا ہے۔ کہنے لگیں ہم نے کیا کرا دیا ہے، ہم نے تو شادی کرا دی ہے۔
اگر بچہ آپ کا شریف ہے اور آپ نے اس کی شادی کرا دی ہے تو اس کا فرض ہے
کہ دونوں ذمہ داریوں کو پہچانے۔ آپ ماں ہیں اپنی جگہ پر ہیں مگر جس کی ذمہ داری
کا عہد کیا ہے اس کی ذمہ داری کو پہچانیں، کیسے سارا پیسہ آپ کو دیا جائے گا؟ آپ
کو عقل نہیں ہے، آپ کو شعور نہیں ہے اس عورت کا نفقہ واجب ہے؟ آپ کا نفقہ
تو خالی خدا نے واجب کر دیا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مجمع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔
اس لئے کہ سبھی دھیرے دھیرے باپ بن رہے ہیں اولاد سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔
دیکھئے اولاد پر ماں باپ کا نفقہ خدا نے واجب کر دیا ہے اولاد نے کبھی ماں باپ سے

کوئی معاہدہ نہیں کیا اور اگر بس چلے تو کبھی معاہدہ نہیں کریں گے خدا نے واجب کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر شریف ہیں تو حکمِ خدا پر عمل کرتے ہیں، نالائق ہیں تو چھوڑیئے۔ لیکن زوجہ کے نفقہ کا تو آپ نے عہد کیا ہے۔ جب آپ نے کہا "قَبِلْتُ" تو اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ میں نے ان کو قبول کیا ہے، ان کی ذمہ داری کو قبول کیا ہے یعنی حکم خدا بھی ہے، تمھارا معاہدہ بھی ہے۔ کاش میری بات کو آپ پہچان لیں۔ ماں باپ کے نفقہ میں حکم خدا ہے۔ بندوں کا معاہدہ نہیں ہے۔ بیوی کے نفقہ میں حکم خدا بھی ہے اور بندہ کا معاہدہ بھی ہے۔ تو جب ماں نے معاہدہ کرایا تھا تو کیوں نہیں سوچا تھا کہ میرا بچہ چوری نہیں کرے گا، میرا بچہ جیب نہیں کاٹے گا، میرا بچہ حرام نہیں کھائے گا، میرا بچہ رشوت نہیں کھائے گا، یہی آمدنی ہے اس میں سے مجھے بھی ملے گا اور اسے بھی دے گا جس سے معاہدہ کیا ہے اور تم نے ہی تو معاہدہ کرایا ہے۔ غور کیا آپ نے؟ ۔ جیسے ہی بچہ بڑا ہو گیا اب ماری ماری پھر رہی ہیں کسی صورت سے سہرا دیکھ لیں۔ سہرا آج دیکھ لو، بہو کا حال کل دیکھنا۔ سمجھیں خالی سہرے پر مسئلہ تمام ہو جائے گا۔ اتنا آسان مسئلہ بھی نہیں ہے ذمہ داریوں کا مسئلہ ہے، فرائض کا مسئلہ ہے۔ اسے فرائض کو ادا کرنا ہے جو آپ نے اس کو لا کے رکھا ہے۔ جو آمدنی ہو گی کچھ آپ کو ملے گی کچھ اس کے حصہ میں جائے گی۔ قانون شریعت ہے وقت میں کچھ وقت آپ کو ملے گا۔ اب آپ ایسے بچے تو نہیں ہیں کہ ہر بات آپ پر واضح کی جائے۔ (صلوات)

کچھ وقت اولاد ماں باپ کو دے گی، کچھ وقت اسے دینا ہے جسے معاہدہ کر کے لے آئے ہیں تو زندگی تو تقسیم ہونے والی ہے، اس میں 'کچھ' کا کیا سوال ہے؟

سی کے کچھ، کردینے کا کیا مسئلہ ہے؟ یہ تو قانون شریعت ہے جس پر اسے عمل کرنا
ہے۔ یہ اس کی شرافت کا تقاضا ہے کہ دونوں کے حقوق کو پہچانے اور یہ آپ کی
رافت کا تقاضا ہے کہ جس کو لے کے آئی ہیں اس کے حق کو پہچانئے اور یہ اس کی
رافت کا تقاضا ہے کہ جس نے تم کو اپنے بیٹے کے گھر تک پہونچایا ہے تم اس کا
ترام کرو۔ اسلام میں کوئی جنبہ داری نہیں ہوتی ہے کہ یہ زیادہ اونچے ہوگئے اور
کچھ نہیں رہ گیا، اسلام میں ہر ایک کا حق ہے۔ توجہ چاہتا ہوں۔ اگر ساری امت
نبیؐ کا حق رکھا ہے تو نبیؐ پر امت کا حق رکھا گیا ہے۔ جب پیغمبرؐ پر امت کا حق ہے
امتیوں کے درمیان کسی کی کیا اوقات ہے۔ سب کے اوپر حقوق بھی ہیں اور
ب کے لئے فرائض بھی ہیں، ہر ایک کو اپنے فرض کو یاد رکھنا چاہیے۔ (صلوات)
میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ جیسے ہی معلوم ہوا کچھ، ہے انھوں نے کام شروع کر دیا،
کچھ نمازیں پڑھ لیں، کچھ دعائیں پڑھ لیں، کچھ اور اعمال کر لئے۔ جب کوئی فائدہ
ہیں ہوا تو کسی نے بتا دیا وہ صاحب جو سڑک پر بیٹھے رہتے ہیں نالی کے پاس،
گر نالی کے پاس ہیں تو کچھ پہونچے ہوئے ہیں یعنی نالی تک۔ اور اگر اسی میں
گر گئے تو بالکل پہونچے ہوئے ہیں جو ان کی اصلی منزل تھی وہاں تک پہونچ گئے
ب ان سے بڑا پہونچا ہوا کون ہوگا؟ ان کے پاس جاؤ تو سارے مسائل حل
کردیں گے۔ مسلمان عورت نے برقع سنبھالا، مسلمان مرد نے اپنا سامان سنبھالا،
ور جا کے ان کے پاس کھڑے ہوگئے۔ ہمارا خدا تو کچھ نہیں کرتا ہے ہم جانتے ہیں
آپ خدا کو نہیں مانتے ہیں آپ دشمنِ خدا ہیں، آپ پتھروں کی پوجا کرتے ہیں، آپ
درختوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ ہمیں سب معلوم ہے مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارا

خدا تو کام آتا نہیں ہے آپ، ہی کام آئیں گے۔ لعنت ہے ایسے مسلمان پر جو قرآن کو بیکار سمجھے، ارشاد پیغمبرؐ کو بیکار سمجھے، دعائے معصومؑ کو بیکار سمجھے اور کافر کے سامنے جا کے ہاتھ پھیلا دے۔ یہ وہ بد ترین کفر ہے (غور کیا آپ نے؟) کہ جہاں وہ کافر چھوٹا کافر ہو جاتا ہے یہ کافر بڑا کافر ہو جاتا ہے، جو اپنے خدا کو بدنام کرتا ہے دشمنوں کے سامنے۔ جلدی سے ہر آدمی بات سمجھتا بھی نہیں اور اتفاق بھی نہیں کرتا ہے۔ مگر جو مسئلہ میں عرض کر رہا ہوں اس پر آپ نگاہ کریں۔ تو ایک مسئلہ یہ ہوا ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اسلام کسی قیمت پر اسے برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی دو برابر کی ہستیاں طے کر لے کہ یہ میرا مسئلہ اس کو دو ہی طے کر سکتے ہیں، یا خدا، یا آپ۔ اس کا نام ہے شرک۔ خدا کے مقابلہ میں کوئی نہیں ہے، نہ آپ نہ ہیں۔ خدا کے سامنے کوئی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جائے یا یہ یا آپ۔ یہاں "یا" نہیں ہے خدا میں توحید ہے توحید۔ خدا ایک ہے اس کے یہاں "یا" نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی نہیں جانتا ہے تو جاننا چاہیئے توحید کے معنی خدا بس ایک ہے اس میں "یا" کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور "یا" اسی نکتہ کو سمجھانے کے لئے۔ توجہ۔ بڑی قیمتی بات گذارش کر رہا ہوں، ارے ہم سب تو محتاج ہیں ہی۔ جاہل بھی ہیں کمزور بھی ہیں نادار بھی ہیں، کوئی اختیار بھی نہیں ہے۔ ہم اگر خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو نہ کوئی ہنر ہے نہ کوئی کمال۔ توجہ کریں۔ بھائی نہیں ہے تو کیا کریں گے مانگیں گے۔ چاہے ان سے مانگیں یا ان سے مانگیں یا خدا سے مانگیں، کہیں نہ کہیں تو مانگیں گے۔ جس کو خدا نے

ین سے لے کے آسمان تک اور دنیا سے لے کر آخرت تک سب کا اختیار دے رکھا
یا وہ کاہے کو مصلّے پر قنوت پڑھ رہے ہیں، وہ کیوں مصلّے پر کھڑے ہو کے دعا کر رہے
یں؟ انھیں جا کے کوئی سمجھاتا حضور آپ کیا مانگ رہے ہیں۔ کہا مسئلہ مانگنے کا نہیں
ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہر دیکھنے والا یہ پہچان لے کہ میرے پاس جو کچھ ہے اسی کا دیا
وا ہے۔ خبردار مجھے خدا کے ساتھ" یا" نہ بنائے۔ اگر یا خدا یا میں ہوتا تو میں بھی خدا
کے مقابلہ میں اکڑ کے بیٹھ جاتا۔ میں تو ہمیشہ سجدے کرتا ہوں، ہمیشہ ہاتھ پھیلاتا ہوں۔
تنا علم میرے پاس ہے مگر" رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا" کہتا ہوں تاکہ خبردار کوئی" یا" نہ کہنے
پائے۔ یہ دوسری قسم ہے اُس کا نام ہے کفر، اِس کا نام ہے شرک۔ خدا کے ساتھ کوئی
یا" نہیں ہے، خدا، خدا ہے بس۔
۳۔ تیسری قسم ہے کہ جہاں کسی سے مانگا جائے اس بنا پر کہ خدا نے اسے دے رکھا
ہے (غور کریں) خدا کو چھوڑ کے نہیں، خدا کے مقابلہ میں نہیں اس لئے کہ خدا نے
اسے دے رکھا ہے مجھے نہیں دیا ہے لہٰذا اس سے مانگا جائے یہ عین ایمان ہے۔
اس میں نہ کسی طرح کا کوئی کفر ہے نہ کسی طرح کا کوئی شرک ہے، نہ کسی طرح کے عقیدے
کی کوئی خرابی یا کمزوری ہے، یہ عین ایمان ہے بلکہ کمال شرافت ہے۔ اور یہی بات
جو میں اتنی دیر سے عرض کر رہا تھا بچہ ماں کی طرف کیوں بڑھا؟ بچہ ماں کی طرف کیوں
متوجہ ہو گیا؟ اس لئے کہ فطرت نے یہ بتایا ہے کہ خدا نے اس کے پاس روزی رکھی
ہے تیرے پاس نہیں رکھی ہے۔ اب میں اس سے زیادہ کیا وضاحت کر دوں تیری
غذا کو خدا نے تیرے پاس رکھا ہے اس کے پاس نہیں رکھا ہے۔ تو بچہ ماں کی طرف
اس لئے نہیں گیا ہے کہ اس کو کوئی دوسرا خدا سمجھتا ہے اس لئے کہ اسے خدا نے زیا

ہے میرے پاس نہیں ہے۔ تو اس سے مانگنا خدا سے مانگنا ہے۔ ورنہ اگر خدا نے اس کے پاس نہ رکھا ہوتا تو بچہ مُڑ کے بھی نہ دیکھتا اور ساری دنیا کا کاروبار اسی پر چل رہا ہے۔

آپ میرے یہاں کیوں نوکری کرتے ہیں؟ کہنے لگے دو ہزار درہم ملے گا آپ کو شرم نہیں آتی، کیا خدا دو ہزار نہیں دے سکتا۔ آپ میرے دو ہزار درہم کے چکّر میں کیوں پڑے ہوئے ہیں، کیا اس لئے کہ خدا نے آپ کو دیا ہے۔ توجہ کریں۔ یہ دروازوں پر فقیر کیوں آتے ہیں، اس لئے کہ جانتے ہیں آپ کے پاس ہے، ہمارے پاس نہیں ہے۔ اور جو آپ کے پاس ہے وہ آپ کا نہیں ہے، خدا کا دیا ہوا ہے۔ تو جب کوئی خدا کے مقابلہ میں کسی کو سمجھ کے مانگے گا یہ شرک ہو جائے گا۔ لیکن خدا کے دئیے ہوئے میں سے مانگے گا تو ساری دنیا کا کاروبار اسی پر چل رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ انبیاء، مرسلین کی تاریخ پڑھ لیجئے۔ خدا نے آپ کو نبی بنایا ہے، خدا نے آپ کو دریاؤں میں بچایا ہے، خدا نے آپ کو قصر فرعون میں بچایا ہے۔ اب خدا کہتا ہے جاؤ اور جا کے فرعون کو میرا پیغام سناؤ، تو کیوں کہنے لگے خدایا کسی کو ساتھ کر دے۔ موسیٰ! خدا پر بھروسہ کرو، چلے جاؤ۔ کہنے لگے "وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ" ایک وزیر بھی ہونا چاہیئے۔ "اَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ" شریک کار بھی ہونا چاہیئے، مددگار بھی ہونا چاہیئے۔ ارے آپ اتنے بڑے پیغمبر ہیں آپ کو مددگار کی کیا ضرورت ہے؟۔ کہا میں خدا کے مقابلہ میں کسی کو نہیں کہہ رہا ہوں۔ خدا نے جس کے پاس جو کچھ رکھا ہے۔ توجہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی طاقت کے سہارے

کسی کو شریکِ کار بنانا نہ کوئی کفر ہے نہ کوئی شرک ہے۔ غور کریں۔ یعنی جناب موسیٰؑ نے جناب ہارون کا سہارا لیا۔ جناب ذوالقرنین آئے لوگوں نے کہا یاجوج و ماجوج بہت پریشان کر رہے ہیں۔ کہا کوئی بات نہیں "اَعِیۡنُوۡنِیۡ" تم میری مدد کرو، ہم ایک ایسا باندھ بنا دیں گے کہ ظالم آنے نہ پائیں گے۔ ارے نبی خدا کہتا ہے مدد کرو۔ خدا سے کیوں نہیں کہتا ہے ان سے کیوں کہتا ہے؟ اس لئے کہ خدا کی دی ہوئی توانائی ان کے پاس ہے ان سے کہتا ہے آؤ۔ توجہ کریں۔ جہاں تک چلے جائیے ہر مرحلہ پر حد یہ ہے کہ سرکار دو عالم نے جب تبلیغ اسلام شروع کی ہے تو پہلی دعوت میں کہا، کون ہے جو میرا بوجھ بٹائے گا۔ کوئی آج تک کہنے والا پیدا نہ ہوا آپ بوجھ بٹانے والا ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ کے پاس تو بوجھ اُٹھانے والا موجود ہے۔ مگر کہتے ہیں کون ہے جو میرا بوجھ بٹائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مددگاروں کو ساتھ لے لینا نہ فطرتِ بشر کے خلاف ہے، نہ آیاتِ قرآن کے خلاف ہے، نہ سیرتِ انبیاءؑ کے خلاف ہے، نہ کردارِ مرسلِ اعظمؐ کے خلاف ہے۔ اگر کوئی یہ طریقہ چھوڑ دے گا تو کس کے ساتھ جائے گا؟ کس منزل پر انسان کا ایمان ہوگا؟

خدا کی دی ہوئی طاقت کی بنیاد پر کسی کا بھی سہارا لینا یہ نہ کوئی کفر ہے، نہ کوئی شرک ہے، نہ کوئی خلاف اصول یا خلاف اسلام مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم نے پہلے خود کہا "اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ"۔ ہم نے تم کو طاقت دی ہے ہم نے تم کو مال دیا ہے، اب ہم کو دو بطور قرض دو۔ کیوں دیا، ہم نے دیا تھا لہٰذا دو۔ ہم نے بازوؤں میں توانائی رکھی ہے لہٰذا ہمارے دین کی مدد کرو۔ یعنی اپنی ہی دی ہوئی طاقت ہے اسی کے لئے تو کہہ رہا ہے۔ خدا کے مقابلہ میں تو کچھ نہیں ہے

خدا کی دی ہوئی قوت ہے۔ تمھارے پاس خدا کا دیا ہوا مال ہے راہِ خدا میں دو۔ تمھارے پاس خدا کی دی ہوئی طاقت ہے راہِ خدا پر خرچ کرو۔ توجہ کریں۔ اور ہم آپ جیسے عزیزوں کا حال کیا ہے کبھی رستہ پر آئے، کبھی بہکے۔ کبھی ٹھیک ہیں کبھی گمراہ ہو گئے۔ ہمارا کیا بھروسہ ہے، جو ساری کائنات کو درس ہدایت دینے کے لئے آیا تھا پروردگار نے اگر کسی کے بازوؤں میں زور رکھ دیا تھا تو اس سے بھی کہا "نَادِ عَلِیًّا۔۔۔۔"۔ (صلوات)

سرکار دو عالمؐ کی بارگاہ میں یا آلِ محمدؐ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلانے والا کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ یہ دوسرے خدا ہیں۔ کلمہ ہی پڑھا ہے "عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" ہر تشہد میں اعلان کرتا ہے "عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" یہ اللہ کے بندے ہیں، دوسرا خدا کہاں سے ہو گیا۔ غور کیا آپ نے؟۔ وہ خود اعلان کرتے ہیں سرکار تو سرکار ہیں "اَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم)۔ میں تو ان کے خدمت گذاروں میں ہوں۔ اس کے بعد کون آپ کو سمجھ لے گا کہ دوسرا خدا کوئی پیدا ہو گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے عزیزانِ محترم! جن کے سامنے بھی کوئی ہاتھ پھیلاتا ہے سمجھتا ہے کہ ان کے پاس خدا کا دیا ہوا ہے لہٰذا ان سے لیتا ہے۔ جس دن یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ یہ خدا کے محتاج نہیں ہیں، یہ بندہ، بندہ رہ جائے گا نہ مسلمان، مسلمان رہ جائے گا۔ مگر خدا نے ان کو دیا ہے۔ اب وہ خدا نے کیوں دیا ہے یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ یہ بہت طویل مسئلہ ہے کہ خدا نے کیوں سب ہماری جیب میں نہ رکھ دیا خدا نے انھیں کے پاس کیوں رکھا۔ کیوں ان کے پاس رکھا کہ ہم ہاتھ پھیلائیں، ہمیں پہلے دے دیا ہوتا؟ تو اس کا تو بہت پرانا جواب ہے۔ کہ ہر ایک کو ناخن

ہیں دیئے جاتے۔ بھائی دینے والا اتنا بھی نہ پہچانتا ہو کہ کس کو کیا دینا چاہیئے۔
تنا بھی نہ جانتا ہو کہ کس کو دینا چاہیئے، کس کو نہ دینا چاہیئے۔ آپ یقین کریں۔ یہ
خری لفظ ہے بات کو یہیں روک دیتا ہوں۔ انشاء اللہ بقیہ آئندہ گذارش کروں گا۔
اگر سارے اختیارات جتنے اللہ نے اپنے حبیب کو دیئے، اپنے ولی کو دیئے،
کہیں ہم کو آپ کو دے دیئے ہوتے تو آپ یقین کریں جس دفتر میں ہمارا گذر ہو جاتا
ہے، ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے خاندان کے سب آجائیں باہر والا کوئی
نہ آنے پائے۔ جس کارخانہ میں پہونچ گئے، اپنے شہر کے سب آجائیں باہر والا نہ
آنے پائے۔ جہاں پہونچ گئے، اپنے صوبہ والے آجائیں باہر والا نہ آنے پائے۔
ہم تو دنیا داری میں ہیں اس منزل پر آگئے۔ نہیں غور کیا؟۔ دنیا داری میں چار
پیسے میں اس منزل پر آگئے کہ سب کو اپنے اپنے کی فکر ہے باقی کسی کی فکر نہیں ہے۔
اور اگر اپنے والے بھی برابر دکھائی دینے لگے تو جن کو کل اُٹھایا تھا انھیں کو گرانے
کی فکر ہو گئی کہ لوگ، گاؤں والے ان کو بھی سلام کرنے لگے ہم کو بھی کرنے لگے۔
یہ ہم نے غلط کیا کہ ان کو اپائنٹ کر لیا لہٰذا ان کو ہٹاؤ تا کہ سلام ہم کو ملے انھیں نہ
ملنے پائے۔ جب دنیا کے چار چار پیسے، چھوٹے چھوٹے عہدوں میں ہمارا یہ حال ہے
تو کہیں پروردگار نے جنّت ہمارے ہاتھوں میں رکھ دی ہوتی آپ یقین کریں
جنّت کسی شہر یا محلّہ کا نام ہوتا۔ بلکہ آج کی زبان میں اور واضح کہوں کہ کوئی کالونی
ہوتی جس میں فقط فلاں شہر والے رہتے ہیں، فلاں خاندان والے، فلاں صوبہ والے،
فلاں ملک والے رہتے ہیں۔ اب آپ نے اندازہ کیا کہ ہماری اوقات تو یہیں معلوم
ہو گئی۔ تھوڑا سا دے کر خدا نے آزما لیا پروردگار آگے کیا اختیار دے گا۔ مگر جن پر

خدا کو اعتماد ہے، جن پر مالک کو اعتماد ہے انھیں قسیم جنّت و نار یہ سمجھ کے بنایا ہے کہ یہ جنبہ داری سے کام نہ لیں گے۔ چونکہ ان کا نام لیتا ہے لہٰذا آجائے دوسرا نہ آنے پائے یہ ایمان دیکھ کے جگہ دیں گے، کردار دیکھ کے جگہ دیں گے۔ تو جو اپنے اعتبار کو ثابت کر لیتا ہے اسی کو اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ اگر ہمارے ہاتھ میں کہیں سورج کا نظام آجاتا تو روزانہ صبح کی نماز نو بجے ہوتی۔ بس میں نے ایک لفظ کہہ دیا ہے سوچیے گا۔ اور کبھی قضا نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ ہم تو نظام ہی یہ بناتے ہیں کہ آج صبح ساڑھے آٹھ بجے ہم کو اُٹھنا ہے لہٰذا جناب سورج صاحب پونے نو بجے سے پہلے نہ نکلیے گا اور کل ہم کو ساڑھے دس بجے اٹھنا ہے تو آپ سوا دس بجے سے پہلے باہر نہ آئیے گا۔ اگر ہمارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم ذریعہ بناتے بندگی چھوڑنے کا۔ بس لفظ کے معنی آپ سوچتے رہیئے گا۔ ہم ذریعہ بنا لیتے اختیارات کو بندگی سے انحراف کرنے کا۔ مگر وہ اللہ کا بندہ ہے۔ خدا نے اعتماد دے کے، اعتبار دے کے اگر یہ اختیار دیا ہے تو اس نے اپنی عظمت کے اظہار کے واسطے سورج نہیں پلٹایا خدا کے سجدے کے لئے پلٹایا ہے۔ (صلوات)

بس عزیزانِ محترم! تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ انسان اگر واقعاً صاحبِ ایمان ہے تو عظمتِ پروردگار کو پہچانتا ہے جیسا خدا نے اپنے نبی کو بنایا ہے۔ اس عظمت کو بھی جانتا ہے جیسا مالک نے اپنے ولی کو بنایا ہے۔ ان کی عظمتوں کو بھی جانتا ہے جس کو خدا نے جیسا بنایا ہے ویسا ہی جانتا بھی ہے اور ویسا مانتا بھی ہے۔ اور یہی وہ منزل ہے جو نہ کسی کی میراث ہے نہ کسی کی جاگیر ہے نہ اس میں کسی سن و سال کا دخل ہے۔ ہو سکتا ہے انسان ۷۰ سال، ۸۰ سال دُنیا

ں زندگی گذارے، کالجوں میں جائے، یونیورسٹیوں میں جائے، درسگاہوں میں
ائے اور بہت دن پڑھنے کے بعد بھی آخر تک نہ پہچانے کہ خدا کیا ہوتا ہے
ور بندہ کیا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کمسنی کا عالم ہو، نابالغی کا دور ہو،
گر منزل معرفت اتنی بلند ہو جہاں تک دنیا کے بڑے نہیں پہونچ سکتے۔

یں ربط کلام کے لئے بس ایک فقرہ کہوں گا۔ سو سال سے زیادہ عمر کا
اپ اور تیرہ سال کا نابالغ بچہ۔ بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے، میرے لال
یں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔ کتنی آسان سی بات
ھی کہ بچہ کہہ دیتا کہ بابا خواب ہے ہر خواب تو معتبر نہیں ہوتا ہے۔ آپ خواب
کے پیچھے کیوں میری جان لینا چاہتے ہیں، کیوں مجھ کو ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ مگر
جیسے ہی باپ نے کمسن بچہ کے سامنے اپنے خواب کا ذکر کیا، بیٹے نے کہا باباجان
"اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" جو امر الٰہی ہے آپ اس پر عمل کریں۔ جو حکم خدا ہے اس پر
آپ عمل کریں۔ "سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ" انشاء اللہ آپ
دیکھیں گے میں کیسے صبر کرتا ہوں۔ اب تو اندازہ ہو گیا کہ جہاں سو سال کی ضعیفی
ہے وہیں تیرہ سال کا بچپنا ہے۔ اسی لئے پروردگار عالم نے جب دونوں کے کردار
کا ذکر کیا تو فرمایا "فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ" جب دونوں منزلِ اطاعت میں
آگئے، اور باپ نے بیٹے کو قربان گاہ میں لٹا دیا، یہ بھی منزلِ اطاعت میں ہے،
وہ بھی منزلِ اطاعت میں ہے۔ مالک دونوں کی اطاعت کی تعریف کر رہا ہے
حالانکہ ان کا وہ بڑھاپا ہے، ان کا یہ بچپنا ہے۔ اگر ہم نے کل ۱۳ سال کی عمر میں
اسماعیلؑ کا جذبۂ قربانی نہ دیکھا ہوتا تو شاید یہ خیال پیدا ہوتا کہ یہ جذبہ جوانی سے

پہلے نہیں پیدا ہوتا، یہ جذبہ زندگی کے تجربات سے پہلے نہیں پیدا ہوتا۔ مگر ذبیح اللہ کو دیکھ کے یہ اندازہ ہوا کہ ۱۳ برس کی عمر میں بھی جذبۂ قربانی پیدا ہوتا ہے اور بچہ باپ سے کہتا ہے اگر مالک کی مرضی یہی ہے کہ قربان ہو جاؤں تو میں جان دینے کے لئے تیار ہوں۔ مگر رونے والو! مجھے ایک فقرہ کہنا ہے۔ ابراہیمؑ نے فرمایا، بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو بیٹے نے کہا بابا میں گلا کٹانے کے لئے تیار ہوں آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ یعنی جب بزرگ نے قربانی کے لئے کہہ دیا۔ کاش میری بات آپ کے ذہنوں تک منتقل ہو جائے۔ جب ابراہیمؑ نے قربانی کا ذکر کر دیا تو اسماعیلؑ نے آمادگی کو ظاہر کر دیا۔

مگر کربلا میں تو ہم نے عجیب منظر دیکھا کہ بزرگِ خاندان نے قربانی کا ذکر نہیں کیا تو بچہ پریشان ہے۔ کل وہ دن آنے والا ہے جس میں اصحاب مارے جائیں گے۔ انصار راہِ خدا میں قربان ہو جائیں گے۔ بوڑھے بھی کام آئیں گے، جوان بھی کام آئیں گے۔ کل سب راہِ خدا میں قربان ہو جائیں گے۔ یہ تذکرہ کرتے کرتے امام حسین علیہ السّلام خاموش ہوئے تو ایک مرتبہ دیکھا کہ بچہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا رو رہا ہے۔ بس بیان تمام ہو رہا ہے۔ آپ بہت مثاب ہوں گے بہت روئیں گے۔

محرم کی ساتویں شب آگئی۔ آج اگر کوئی گوشِ دل سے سُننا چاہے تو خیامِ حسینیؑ سے آوازیں آرہی ہیں "العطش، العطش" بندشِ آب تو پہلے دن ہو گئی، ساتویں محرم تو قحطِ آب کا دن ہے۔ جب سارا محضرِ شہادت سُنا دیا گیا،

بچہ گوشہ میں بیٹھا ہوا رو رہا ہے۔ روتے روتے اچانک یہ خیال پیدا ہوا کہ بابا نے
دنیا سے جاتے جاتے ایک تعویذ میرے بازو پر باندھا تھا اور کہا تھا میرے لال
جب کوئی سخت وقت آجائے، جب کوئی بڑی مصیبت آجائے اور مسئلہ کا حل
سامنے نہ ہو تو اس تعویذ کو کھول کے دیکھ لینا اس میں تمھارے مسئلہ کا حل لکھا
ہوا ہے۔

سُنو گے اولاد والو؟ اب جو بچہ نے تعویذ کو کھولا تو دیکھا لکھا ہوا ہے،
"بُنَیَّ قَاسِمُ اَدْرِكْ عَمَّكَ الْحُسَیْنَ (علیہ السلام) بیٹا قاسمؑ جب وقت
آجائے تو دیکھو اپنے چچا کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ بیٹا! اپنے چچا حسین (علیہ السلام)
کے کام آنا، اپنے چچا حسین (علیہ السلام)، پر قربان ہو جانا۔ بس یہ پڑھنا تھا کہ
بچہ مُسکراتا ہوا چلا چچا کے سامنے۔ بیٹا خیر تو ہے کیوں آئے؟ کہا چچا ذرا آپ
اس تحریر کو پڑھ لیجئے۔ حسین علیہ السلام نے تحریر کو دیکھا۔ قاسم کو سر سے پاؤں
تک دیکھا۔ تم بھائی کی تحریر لے کے نہیں آئے اپنی موت کی خبر سُنانے کے لئے
آئے ہو؟ چچا بابا کا حکم ہے میں قربان ہو جاؤں میں آپ کے کام آؤں۔ فرمایا
بیٹا محضر شہادت پر تمھارا نام ہے۔ میں نے فقط ذکر نہیں کیا تھا ورنہ قربان
ہونے والوں میں تمھارا نام ہے اور اے قاسم تنہا تمھارا ہی نام نہیں ہے
بس رونے والو! متوجہ ہو جاؤ اور میری بہنیں بھی متوجہ ہو جائیں جن کی گود میں
میں بچے ہیں۔ بیٹا تنہا تمھارا ہی نام نہیں ہے، بلکہ تمھارے بھائی علی اصغر کا نام
بھی ہے۔ کل اصغر بھی قربان ہو جائیں گے۔

قاسم ایک طرف تو خوش ہوئے کہ میری بھی قربانی کا ذکر آگیا مگر ایک طرف

بچہ تڑپ گیا یہ اصغر کی قربانی کا ذکر کیسے آگیا۔ سنو گے روایت کا فقرہ ؟۔ بنی ہاشم کا غیرت دار بچہ ہے۔ ایک مرتبہ گھبرا کے کہا چچا "هَلْ یَصِلُوْنَ اِلَی الْخِیَامِ" کیا اشقیاء خیموں میں داخل ہو جائیں گے؟ میرا بھیا کیسے قربان ہو گا۔ کیا اشقیاء خیموں میں داخل ہو جائیں گے؟ حسینؑ نے سمجھایا نہیں میرے لال میں اصغر کو اپنے ہاتھوں پر لے کے جاؤں گا۔ جی چاہتا ہے ہاتھ جوڑ کے عرض کروں۔ اے بنی ہاشم کے غیرت دار! تم تو شبِ عاشور سوچ بھی نہ سکے کہ اشقیاء خیمے میں آجائیں گے۔ مگر میرا عابد بیمار عصر کا ہنگام خیموں میں آگ لگی ہوئی، اشقیاء درانہ خیموں میں داخل ہو رہے ہیں اور عابد بیمار اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔

اَجَرَکُمُ عَلَی اللّٰہِ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رُلائے، سوائے غمِ آلِ محمدؐ کے۔ اور اس غم میں آنسو بہانے کی توفیق دے۔ بس دو تین لمحے اور مجلس تمام ہو رہی ہے۔ رات گذری، عاشور کی رات گذری، عاشور کا دن آیا، قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ظہر کا ہنگام آیا۔ نماز ظہر کے تھوڑی دیر کے بعد اب بنی ہاشم کی قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ بچہ پھر سامنے آیا۔ دست ادب جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ چچا اب تو اجازت دے دیجئے، چچا اب تو جانے دیجئے۔ میں اپنے بیان کو آخری منزل تک نہ لیجا سکوں گا اور آپ کے رونے کے لئے یہی ایک منزل کافی ہے۔ جب تک سوچتے رہیں گے روتے رہیں گے۔ چچا اب تو جانے دیجئے، اب تو اجازت دے دیجئے۔ حسینؑ بچہ کو دیکھ رہے ہیں مگر کیسے کہیں۔ روایت کا فقرہ ہے، جب قاسم نے دیکھا کہ آقاؑ کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں تو مولاؑ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور اپنی آنکھوں کو مولاؑ کے ہاتھوں پر ملنا شروع کیا، چچا اجازت دے دیجئے، مولاؑ اجازت دے دیجئے۔ اتنا اصرار کیا کہ حسینؑ نے کہا بیٹا آج تو قربانی کا دن ہے سبھی کو جانا ہے۔

م حسین علیہ السّلام نے سمجایا، بچہ کو تیار کیا گلیجہ سے لگایا اور دونوں مل کے اتنا
وئے کہ غش کھا کے گر پڑے۔ اے رونے والو! ساتویں محرم کی رات ہے، پھر
ربلا کی پیاس کو یاد کرو۔ آج اگر کوئی غش کھا کے گر جائے تو اسے ہوش میں لانے
کے لئے پانی چھڑکا جاتا ہے۔ مگر ہائے زینبؑ کی بیکسی! کیا کرے آنسو کا چھڑکاؤ کیا،
چچا اور بھتیجے کو اُٹھایا اور کہا بھیّا اب قاسمؑ کو نہ رو کو جانے دو۔ حسینؑ نے بچہ کو سنبھالا
تیار کیا۔ گھوڑے پر بٹھاتے بٹھاتے ایک فقرہ کہا، اے مرے قاسم! اے مرے لال!
اب تو جا رہے ہو، نہ جانے میری تمھاری ملاقات کب ہو گی۔ آؤ ذرا تمھارے گریبان
کو چاک کر دیں۔ لو رونے والو مجلس تمام ہو گئی۔ کہا چچا یہ کیا؟ کہا بیٹا یہ یتیموں
کی نشانی ہے۔ تم چلے تو بھائی کی یاد نے تڑپایا۔ جاؤ میرے لال جاؤ جا کے قربان
ہو جاؤ۔ اب دیکھو چچا تمھارے بلانے پر کب مقتل میں آتا ہے۔ حسینؑ اس وقت چلے
جب قاسمؑ کی آواز آئی، چچا، چچا جلدی آؤ۔ چچا سینہ چھلنی ہوا جا رہا ہے، پسلیاں
ٹوٹ رہی ہیں۔ واعماہ! میرے چچا آئیے۔ بھتیجے کو بچائیے۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس ۹

التوکّل علی اللّٰہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا۔

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں مگر میری طرف مسلسل یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ جو اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک اعمال انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

اسلام میں توحید کے تصوّر سے متعلق جو سلسلۂ کلام آغاز محرم سے آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے آٹھویں مرحلہ پر توحید کے ایک اور شعبہ سے متعلق کچھ باتیں گذارش کرنا ہیں، اور اس شعبۂ توحید کا نام ہے "توکل علی اللہ"۔ اللہ پر بھروسہ رکھنا، اللہ پر بھروسہ کرنا۔

قرآن مجید نے بار بار بندگانِ خدا کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ اگر واقعاً اللہ کے بندے ہو، واقعاً اگر صاحبِ ایمان ہو تو صاحبِ ایمان کی پہچان یہ ہے "عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ"۔ انبیاء کرام کا مسلسل یہ اعلان رہا کہ ہمارا اعتماد، ہمارا بھروسہ پروردگار

پر ہے، لیکن دنیا کے انسانوں میں اس مقام پر بھی یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ نام اللہ کا لیتے ہیں، بھروسہ غیر خدا پر کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے چند اہم باتیں ہیں جو آپ کے سامنے گذارش کرنا ہیں۔ اگر تھوڑی دیر آپ نے توجہ فرمالی تو آگے کے مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

کیا وجہ ہے کہ انسان خدا پر بھروسہ نہیں کرتا اور غیر خدا پر آسانی سے اعتبار اور اعتماد کر لیتا ہے؟ جہاں تک مسئلہ توکل کا تعلق ہے اس مرحلہ پر اگر آپ دیکھیں گے تو دنیا میں دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں جو راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں، کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو اپنی طاقت پر اتنا اعتبار ہے کہ خدا کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو اپنے خیال میں خدا پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں کہ کچھ کام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ آپ کو دنیا میں ایسے بے دین بھی ملیں گے کہ جن کا اعلان یہ ہے کہ جب ہمارے ہاتھ پاؤں میں طاقت ہے، جب ہمارے بازوؤں میں زور ہے ہم خود کما سکتے ہیں، خود کھا سکتے ہیں تو اللہ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور ایسے بہکے ہوئے دیندار بھی ملیں گے جب خدا نے رزق کا وعدہ کر لیا ہے تو ہمیں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِن کا بھی خیال ہے کہ یہ شاید کوئی صحیح خیال رکھتے ہیں، ان کا بھی تصوّر یہ ہے کہ ہم سے زیادہ اللہ پر بھروسہ کرنے والا کون ہے؟ یہ تو محنتوں پر بھروسہ کرتے ہیں وہ نوکریوں پر اعتماد کرتے ہیں، وہ دکانوں پر بھروسہ کرتے ہیں ایک اکیلے ہم ہیں جو بیکار گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کر رہے ہیں۔ کیا اسلام میں توکّل کا

یہی تصوّر ہے کہ انسان خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ قرار دے لے کہ ہم کوئی کام نہ کریں گے جس نے روزی کا وعدہ کیا ہے وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا؟ یا اسلام نے مسلمان کو یہ سوچنے کی اجازت دی ہے کہ اپنے اوپر بھروسہ کرو، اللہ کی فکر میں نہ رہنا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اگر آپ اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا اسلام کی نگاہ میں یہ بھی بے دینی ہے اور اسلام کی نگاہ میں وہ بھی بے دینی ہے۔ نہ اسلام اپنے اوپر اتنا بھروسہ سکھانا چاہتا ہے جہاں بندہ خدا کو بھول جائے، نہ سارے معاملات کو یوں خدا کے حوالہ کرنا چاہتا ہے کہ حکم خدا پر اطاعت کرنا چھوڑ دے۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے ابھی آپ نے توجہ نہیں فرمائی ہے؟۔ یہ لوگ جو خدا پر بھروسہ کر کے سارا کام چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے خیال میں ان سے زیادہ توکّل کرنے والا اور اللہ پر بھروسہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ وہی نالائق ہیں جنھوں نے کل خدا کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اور اس کا احسان بھی پروردگار پر رکھا کہ ہم تو ایسے تیرے چاہنے والے ہیں کہ تیرے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے چاہے تو خود ہی کیوں نہ کہے ـــــ آج جو توحید کا یہ نیا تصوّر پیدا ہو گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں جھکیں گے چاہے خدا ہی کیوں نہ کہے؟ یہ توحید وہ ہے جس کا معلمِ اوّل تھا ابلیس۔ اس کی بنیادیں شیطان نے قائم کی ہیں۔ خدا کہتا ہے "اُسْجُدُوا لِآدَمَ" فرشتو! آدمؑ کے سامنے سجدہ کرو۔ تجھے اس سے کیا تعلق کہ یہ آگ سے بنے کہ مٹی سے بنے کہ لوہے سے بنے، تجھے حکم خدا دیکھنا چاہیئے خدا جہاں جھکا دے گا وہاں جھک جانا چاہیئے۔ مگر کہتا ہے میں اکیلا ایسا مُوَحِّد ہوں۔ میں اکیلا ایسا توحید پرست

ہوں جس نے کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ حد یہ ہے کہ خدا نے کہا جب بھی نہیں جھکایا۔ کیا کوئی مسلمان واقعاً ایسے کو بندۂ خدا کہہ سکتا ہے جو حکم خدا کے بعد بھی حکم خدا پر سر نہ جھکائے اور اس کے بعد کہے میں تیرا ہوں۔ خدا کو ایسا بندہ نہیں چاہیئے جو خدا کے احکام کو ٹھکرا دے، جو خدا کی بات کو نہ مانے، جو خدا کے احکام پر عمل نہ کرے ایسے ہی جیسے حکم خدا سے سجدہ نہ کرنے والا اپنے کو توحید کا خوگر کہہ رہا تھا، ویسے ہی حکم خدا پر کام نہ کرنے والے جتنے کاہل ہیں وہ اپنے کو خدا پر توکّل کرنے والا کہتے ہیں۔ نہیں توجہ کی ؟

حد یہ ہے کہ جس پروردگار نے مسلمانوں کو بازار چھڑوا کے مصلّے پر بلوایا تھا (اب میں آگیا منزل پر آپ توجہ کریں) ایک ہی نماز ہے جس کے لئے قرآن مجید نے یہ کہا ہے کہ سارے کام چھوڑو چلو نماز پڑھو!۔ صبح کی نماز اگر آپ گھر میں پڑھ لیں گے تو نماز باطل نہیں ہو جائے گی۔ ظہر و عصر کی نماز اگر اپنے گھر میں ادا کر لیں گے تو ثواب کم ہوگا جماعت سے محروم ہو جائیں گے مگر نماز غلط نہیں ہو گی۔ مغرب و عشاء کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لیں گے نماز باطل نہیں ہو گی۔ مگر ایک نماز ہے جس کو اسلام نے کہیں پڑھنے کا حق نہیں دیا جب تک جماعت قائم نہ ہو جائے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ" اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے کاروبار چھوڑو چلو ذکر خدا کے لئے۔ اکیلی نماز ہے اسلام میں دوسری کوئی نماز نہیں ہے جس کے لئے بازار کو چھڑوا دیا، کاروبار کو چھڑوا دیا، دفتروں کو چھڑوا دیا۔ چلو اطاعتِ خدا کے لئے۔ سجدۂ پروردگار کے لئے۔ اب ہم سمجھ گئے کہ مالک اتنی ہی دیر تک کاروبار کو

برداشت کرتا ہے جب تک نماز بیچ میں نہ آجائے۔ کاش میری بات آپ پر واضح ہو جائے۔ یعنی جب تک وقت نماز نہ آجائے دکان پر رہو، دفتر میں رہو، کاروبار میں رہو، کہیں بھی رہو لیکن "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ" جب نماز کے لئے اذان ہو جائے جب وقت نماز آجائے سب چھوڑ دو چلو مصلے پر۔ توجہ کریں۔ تو ہم یہ سمجھے کہ اسلام میں کاروبار اتنی دیر برداشت ہوتا ہے جب تک وقت نماز نہ آجائے لیکن جب وقت نماز آگیا سارے کاروبار بند ہو جائیں گے۔ مگر آگے چل کے پھر آیت نے کہا "فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ" جب نماز تمام ہو جائے "فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ" زمین میں پھیل جاؤ، منتشر ہو جاؤ "وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ" جاؤ فضلِ خدا کو تلاش کرو۔ ہم بندگی کے نام پر بیکاری نہیں سکھانا چاہتے، ہم سجدوں کے نام پر کاہل نہیں بنانا چاہتے۔ وقت سجدہ آیا تمہاؤ کان چھوڑ کے چلے آؤ۔ نماز تمام ہو جائے پھر جاؤ کاروبار کرو۔ ہم بغیر کاروبار کی بندگی کو برداشت نہیں کرتے۔ توجہ کریں یعنی اسلام میں نہ وہ کاروبار ہے جس میں بندگی چھوٹ جائے، نہ وہ بندگی ہے جس میں کاروبار چھوٹ جائے۔ یہی درمیانی توکّل ہوتا ہے کام کرتے جاؤ، خدا پر بھروسہ کرتے جاؤ۔

اب ذکر آگیا ہے تو درمیان میں ایک جملہ عرض کر دینا نامناسب نہیں ہوگا۔ چلے آؤ کاروبار چھوڑ دو۔ جب نماز تمام ہو جائے جاؤ پلٹ جاؤ، منتشر ہو جاؤ، زمین میں پھیل جاؤ "وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ" فضل خدا کو تلاش کرو۔ اگر آپ قرآن مجید کی بلاغت کو دیکھیں۔ خدا جانتا ہے افسوس یہ ہے کہ یا مسلمان قرآن پڑھتا نہیں ہے یا پڑھتا ہے تو سمجھتا نہیں ہے۔ اور اگر انسان واقعاً اپنے قرآن کو پڑھتا اور سمجھتا ہوتا تو اندازہ ہوتا کہ ایک ایک لفظ میں مالک کائنات نے کتنے مسائلِ حیات

کو حل کیا ہے۔ دیکھئے جب ہم کو بُلایا گیا تو کیا کہا "ذَرُوا الْبَیْعَ" بیع یعنی کاروبار، تجارت۔ کاروبار چھوڑ کے آؤ۔ جب ہم کو مصلّے پر بُلایا گیا تو کہا کاروبار چھوڑ کے آؤ۔ جب نماز تمام ہو گئی اور واپس کیا گیا تو نہیں کہا کاروبار کرو۔ یہ نہیں کہا پھر جاؤ دکان پر بیٹھ جاؤ، جاؤ ٹیکسی چلاؤ، جاکے دفتر میں بیٹھ جاؤ، بلکہ کہا "وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ" جاؤ فضل خدا تلاش کرو۔ یعنی آنے سے پہلے اسی کا نام تھا کاروبار، اور جانے کے بعد اسی کا نام ہو گیا فضلِ خدا۔

آپ نے اس لہجہ کا فرق پہچانا کہ کیوں پہلے کاروبار تھا کیوں فضلِ خدا ہو گیا؟ اس لئے کہ مالک سے اچھا ان بندوں کو کون جانتا ہے اور اس نالائق کو کون پہچانتا ہے جو روزِ اوّل سے بغاوت کر رہا ہے۔ وہ جانتا ہے جب میرا بندہ میرے کہنے پر اپنا کاروبار چھوڑ کے چلے گا مصلّے کی طرف تو وہ بھی ساتھ چلے گا۔ "یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ" ارے تمہیں اتنا سوچنا چاہئے سارے دفتر اسی وقت بند ہوئے ہیں نماز کے لئے۔ کتنے آدمی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے، جو مسلمان ہی نہیں ہیں وہ سوچتے ہیں یہی موقع غنیمت ہے کہ درمیان میں آدھا گھنٹہ، گھنٹہ بھر کی چھٹی ہوئی ہے چل کے سامان خرید لیں، یہی وقت تھا بہترین وقت اگر دکان کھول دی ہوتی۔ توجہ کریں۔ تو سارے مسلمان تو چلے گئے تھے نماز پڑھنے کے لئے تمہاری دکان کھلی رہتی تو سارے ہندو یہیں آتے، سارے سکھ یہیں آتے، سارے یہودی یہیں آتے، سارے عیسائی یہیں آتے، سارے بے دین مسلمان یہیں آتے۔ ایک دو رکعت نماز تم کیا پڑھو گے خدا جانے کتنے کسٹمر ہاتھ سے نکل گئے۔ خدا جانے کتنے خریدار ہاتھ سے نکل گئے، نہ جانے اس بیچ میں کتنے آدمی آتے کتنا کاروبار ہو جاتا کبھی

سمجھاتا ہے سیکڑوں میں نقصان ہوا، کبھی سمجھتا ہے ہزاروں میں نقصان ہوا، کبھی
سمجھتا ہے زیادہ نقصان ہوا اور آدمی یہ سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا چھ گھنٹے
سے بیٹھے ہوئے ہیں ابھی تک تو ہزاروں میں ملا نہیں، جتنا ملے گا سب آدھے گھنٹے
میں مل جائے گا مگر کیا کرے بندے کی کمزوری یہ ہے کہ خدا لاکھ سمجھائے دیر دیر
سمجھ میں آتا ہے۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے معنی پر بعد میں غور کیجئے گا ابھی نہیں
ورنہ ساتھ چھوٹ جائے گا۔ خدا لاکھ سمجھاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا، ابلیس ذرا سمجھا
سب کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اب وہ سمجھا رہا ہے دیکھو، بڑا نقصان ہوجائے گا اگر
اس وقت میں دکان بند ہوگئی، بہترین وقت تھا بزنس کا، بہترین وقت تھا کاروبار
کا، نقصان ہوجائے گا۔ پروردگار سے اچھا نہ اس نالائق کو کوئی پہچانتا ہے نہ اس
بندے کی کمزوری کو کوئی جانتا ہے لہٰذا مالک نے یہ نہیں کہا پلٹ کے جاؤ دکان پر جاؤ
یہ نہ کہا پلٹ کے جاؤ کاروبار میں جاؤ، کہا جاؤ فضل خدا تلاش کرو۔ توجہ کریں۔ یعنی
ابھی تک تمہارا سابقہ تجارت سے تھا۔ الفاظ کی قیمت پہچانیے عزیزو! ابھی تک
تمہارا سابقہ کاروبار سے تھا اب تمہارا سابقہ فضل خدا سے ہوگا۔ نہ رزق کہا، نہ
کاروبار کہا، نہ تجارت کا لفظ استعمال کیا۔ کہا جاؤ فضلِ خدا تلاش کرو۔ اس لئے
کہ یہ معلوم ہے کہ تجارت کا فائدہ طے ہے۔ بھائی آپ دکان کھول کے دیکھ لیجیے
آپ پانچ پرسینٹ فائدہ لیں گے، دس لیں گے، پندرہ لیں گے، بیس لیں گے،
پچاس لیں گے کسٹمر مل جائیں گے، اگر سَو پرسینٹ فائدہ لیں گے کوئی شریف آدمی
نہیں آئے گا۔ توجہ کریں۔ یعنی ہر کاروبار کا فائدہ طے ہے کہ بہت سے بہت پچاس
مل جائے گا۔ ہر نوکری کی تنخواہ معلوم ہے کتنا ملنے والا ہے۔ توجہ کریں۔ دن بھر آپ

ٹیکسی چلائیں گے کتنے کسٹمر آپ کو مل جائیں گے، کتنی دور چلے جائیں گے، مائیلج سب طے ہے۔ یعنی ہر کاروبار کا فائدہ طے ہے۔ میرے الفاظ ضائع نہ ہوں۔ ہر کاروبار کا فائدہ طے ہے، نوکری کی تنخواہ طے ہے، ٹیکسی کے مائیلج طے ہیں، دُکان کا پرافٹ طے ہے، اگر کچھ طے نہیں ہے تو فضلِ خدا طے نہیں ہے۔ خدا کتنا فضل و کرم کرے گا یہ آج تک طے نہ ہو سکا اسی لئے پروردگار نے کہا نماز تمام ہو جائے تو جاؤ فضلِ خدا تلاش کرو یعنی شیطان یہ نہ سمجھائے کہ گھاٹا ہو گیا۔ گھاٹا تجارت میں ہو گا جب خدا فضل کرنے پر آجائے تو دنیا کا کوئی خزانہ، خزانہ نہ رہ جائے گا۔ (صلوات)

تو عزیزانِ محترم! میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ انسان کبھی یوں بہک جاتا ہے کہ اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے مالک کے اوپر بھروسہ نہیں کرتا۔ کبھی یوں بہک جاتا ہے کہ اپنے خیال میں مالک پر اتنا بھروسہ کرتا ہے کہ مالک خود کہتا ہے کام کرو "فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ" جاؤ جاؤ "وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ" جاؤ فضلِ خدا تلاش کرو، جاؤ کاروبار کرو۔ خدا خود کہتا ہے، جاؤ کام کرو۔ بندہ کہتا ہے کہ ہم کو تو آپ پر بھروسہ ہے، کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟۔ یہ وہی توحید والے ہیں جو آدمؑ کو سجدہ نہ کریں گے چاہے خدا ہی کیوں نہ کہے حالانکہ اس کا نام توحید نہیں ہے، حکمِ خدا کے سامنے سر جھکانا ہے۔ جہاں جھکا دے گا وہاں جھک جائیں گے۔ کہیں کہے گا سر جھکا دو وہاں سر جھکا دیں گے۔ کہیں کہے گا دل جھکا دو وہاں دل جھکا دیں گے کہیں کہے گا ان سے محبّت کرو محبّت کریں گے۔ کہیں کہے گا ان سے نفرت کرو نفرت کریں گے۔ ہم رشتہ داریوں کے پابند نہیں ہیں قانونِ الٰہی کے پابند ہیں۔ توحید کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بندہ قانونِ پروردگار کا پابند ہو جائے اپنی کوئی رائے نہیں ہے۔

لیکن جو بات مجھے اصل میں عرض کرنا ہے جس پر تھوڑی دیر آپ توجہ کریں۔ درمیان میں ایک جملہ روک کے آپ سے پوچھوں جو بیس سال کے نوجوان بچے ہیں یہ رزقِ خدا کب سے کھا رہے ہیں؟ سوچ کے بتائیے جس کی عمر بیس سال کی۔ آج محرم کی سات تاریخ کو جو بیس سال کا ہوا ہے یہ رزقِ خدا کب سے کھا رہا ہے؟ آپ کہیں گے بیس سال سے۔ اگر حساب اتنا ہی کمزور ہے تو آگے کیا سمجھیں گے جس کی عمر بیس سال ہے۔ آج جس کے بیس سال پورے ہوئے ہیں وہ رزقِ خدا بیس سال سے نہیں کھا رہا ہے وہ رزقِ خدا کم سے کم بیس سال نو مہینے سے کھا رہا ہے۔ اور اگر نو مہینہ کم کر لیجئے، چلئے ایک آدھ مہینہ کم کر لیجئے لیکن بیس سال نہیں ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا کہ جب دنیا میں آئے تو رزقِ خدا کھایا، جب نہیں آئے جب بھی رزقِ خدا ہی کھا رہے تھے۔ ماں کو تو پتہ بھی نہیں تھا کہ کون ہے؟ کیا کھا رہا ہے؟ اور باپ تو بالکل بے تعلق تھا۔ میں نے عرض کیا تھا ہر بات کہی نہیں جاتی کچھ باتیں سمجھی جاتی ہیں۔ باپ کا رشتہ تو ختم ہو گیا تعلقات ختم ہو گئے۔ اب تو خالی ماں ہے جو بچہ کو پال رہی ہے۔ مگر ماں کو بھی معلوم نہیں ہے کہ میں کس کو پال رہی ہوں، یہ کیا کھا رہا ہے، اس کو کیسے غذا مل رہی ہے اسے بھی خبر نہیں ہے۔ مگر کوئی تو ہے ایسا باخبر۔ یہ جو دو پیدا کرنے والے کہے جاتے ہیں یہ آگے چلنے کے بعد بچہ جب کسی دن بغاوت کرے گا تو اکڑ کے کہیں گے بیٹا کیا ہم نے تم کو اسی دن کے لئے پیدا کیا تھا؟ اور بیٹا بھی بیسویں صدی کا نالائق آپ نے پیدا کیا تھا؟ آپ کو تو خبر بھی نہیں کہ میں کون تھا؟ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے لیکن کوئی تو ہے جسے یہ معلوم ہے کہ کون پرورش پا رہا ہے اور کیسے اس کی پرورش ہو گی،

سے کیا کھلایا جائے گا اور وہ سامان کیسے فراہم کیا جائے گا۔ تو ہم تو اس دن سے
روزی لے رہے ہیں جب نہ روزی کے معنی معلوم تھے، نہ اپنے معنی معلوم تھے، نہ
رزق کے معنی معلوم تھے، نہ ماں جانتے تھے، نہ باپ جانتے تھے، نہ اپنی ہستی
جانتے تھے، نہ کسی قابل تھے، نہ کھانے کے لائق نہ پینے کے لائق۔ حد یہ ہے کہ
اتنے نالائق کہ مانگنے کے بھی لائق نہ تھے۔ ارے دنیا میں آگئے تو کم سے کم
بھیک مانگنے کے لائق ہو گئے۔ اُس وقت تو اس لائق بھی نہ تھے مگر کوئی دینے
والا دے رہا تھا، کوئی کھلانے والا کھلا رہا تھا۔ انصاف سے بتاؤ عزیزو! ہر
آدمی کو اپنی زندگی میں اپنی پوری زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ کم سے کم جب سے
دنیا میں آئے ہیں خدا دے رہا ہے ہم کھا رہے ہیں۔ لیکن کل کے بارے میں
اگر کہہ دیجئے (بڑی خطرناک بات کہہ رہا ہوں) اگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں،
پوری توجہ سے میری بات سُن رہے ہیں اور بالکل کوئی ایمان و عرفان کی دنیا
میں سیر کر رہے ہیں اور کوئی آدمی چُپکے سے پرچہ لا کے دیدے، ابھی ابھی اس
مجلس میں کوئی خاموشی سے ایک پرچہ لا کے آپ کے ہاتھ میں دیدے اور
آپ جُھک کے اس کو پڑھیں، لکھا ہوا ہے کل سے نوکری پر تشریف نہ لائیے گا۔
پھر میری آدھی تقریر آپ سُنیں گے ایمان سے بتائیے جس توجہ کے ساتھ، جس
انہماک کے ساتھ آپ ابھی تک سُن رہے ہیں یہ میری آدھی تقریر جو باقی رہ گئی
ہے اس پرچہ کو پڑھنے کے بعد آپ میرے ساتھ رہیں گے؟ دیکھئے جھوٹ
بولنے کا عذاب نہ لیجئے گا۔ ارے ایمان ہمارا اگر دو رہے تو کمزور رہے ہی،
اب اس کے بعد اس پر سے گناہ بھی کریں اس سے کیا فائدہ؟ اب سب کی

توجہ ختم ہوگئی دوسرے نے پوچھا کیا ہے؟ اب درد دل پیدا ہوگیا انھوں نے پرچہ اُدھر بڑھا دیا۔ انھوں نے پڑھا تم نہیں برخاست ہوئے ہو وہ برخاست ہوگئے مگر یہ بھی گئے ہاتھ سے۔ تیسرے نے دو کو پریشان دیکھا کہا کیا بات ہے؟ انھوں نے پرچہ ان کو دے دیا یہ بھی ہاتھ سے گئے۔ یعنی جہاں جہاں وہ پرچہ گھومتا جا رہا ہے ہمارے سامعین کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہاں مرا کوئی نہیں ہے انشاء اللہ کوئی نہیں مرے گا مگر ہاتھ سے سب نکل گئے اب کوئی سننے والا تیار ہی نہیں ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ نوکری گئی ہے اب کیا ہوگا۔ کون پوچھے اس مسلمان سے نوکری گئی کہ خدا گیا، نوکری گئی کہ خدا کی رزّاقیت گئی، نوکری گئی کہ خدا کا خزانہ خالی ہوگیا، نوکری گئی کہ خدا جھوٹا ہوگیا! کسی ایک بات پر کہے گا ہاں؟ اگر یہ پوچھا جائے گا کہ کیا خدا ختم ہوگیا؟ کہہ دے گا ہاں؟ کہے گا نہیں! کیا خدا کا خزانہ خالی ہوگیا؟ کہے گا نہیں۔ کیا خدا اپنے وعدہ کے خلاف کرنے لگا ہے؟ کہے گا نہیں۔ پھر آپ پریشان کیوں ہیں، جب کچھ نہیں ہونے والا ہے تو کیوں پریشان ہیں؟ کہا نہیں پریشانی یہ ہے کہ اب کل کیا ہوگا؟ ہم نے کہا کل کیا ہوگا؟ کل کیا ہوا تھا؟ اس سے پہلے کیا ہوا تھا؟ بیس سال پہلے کیا ہوا تھا؟ جب ماں کے پیٹ میں تھے تو کیا ہوا تھا؟ اتنی جلدی اپنی تاریخِ حیات بھول گئے؟ کیا روئیں اس مسلمان کو کہ چودہ سو سال پہلے کی تاریخ بھول گیا ہے، یہ تو اپنی تاریخ حیات بھول گیا ہے۔ ایک ابلیس جو بہکانے پر آگیا تو نہ خدا یاد رہا، نہ وعدۂ خدا یاد رہا، نہ رزّاقیتِ خدا یاد رہی۔ اتنی جلدی اعتبار ختم ہوگیا۔ غور کیا آپ نے یہ کس بات کا نتیجہ ہے؟۔ یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ اسباب پر اتنا بھروسہ کیا ہے کہ صاحبِ اسباب کو بھول گیا۔ اب کچھ نہیں

ہے خدا ہے مسبب الاسباب، اسباب پیدا کرنے والا۔ اس نے بچپنے سے اسباب
پر اتنا بھروسہ کیا جو اسباب پیدا کرنے والا تھا اب اسی کا اعتبار ختم ہو گیا، اس
آدمی کے پاس توکل نہیں ہے اس لئے کہ خدا نے آپ سے روزی کا وعدہ کیا
ہے، نوکری کا وعدہ نہیں کیا ہے۔ سُن رہے ہیں میری بات یا نہیں؟ ہاں دھوکے
میں نہ رہیے گا، خدا نے آپ سے روزی کا وعدہ کیا ہے خدا آپ کو کھلائے گا،
پیدا کیا ہے دے گا لیکن خدا نے ہم سے نوکری کا وعدہ نہیں کیا ہے کہ وہاں گئے
انٹرویو میں فیل ہو کے چلے آئے۔ کہنے لگے سمجھ ہی میں نہیں آتا خدا نے تو کہا
تھا کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، تو کیا خدا تمھارے ساتھ امتحان دینے گیا تھا؟ تم
کہاں جا رہے ہو یہ تمہارا اپنا کام ہے، تمھاری اپنی ذمہ داری ہے مگر تم کو چاہیے
کہ اپنے مالک پر بھروسہ رکھو، یہ نوکری ملے گی جب بھی وہ کھلائے گا، یہ نہیں
ملے گی جب بھی کھلائے گا۔ یہ رہے گی جب بھی کھلائے گا، یہ چلی جائے گی
جب بھی کھلائے گا۔ مگر دماغ میں اتنی جگہ تو پیدا کرو کہ ہمارے علاوہ کسی اور
کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔ اب میں بڑے نازک موڑ پر آ گیا۔ اگرچہ یہ
میرے موضوع میں فی الحال شامل نہیں ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ وقت مختصر
ہے لیکن بہر حال یہ تذکرہ آگیا ہے۔

دیکھئے ایک بات میں آپ کو بتاؤں دنیا کے سارے کاروبار، یا ساری
نوکریاں یا ساری خدمتیں یا سارے کام ایسے ہیں کہ جن کی لمٹ معین ہے۔
آپ نوکری کر رہے ہیں ۵۵ سال کے بعد ریٹائرڈ ہو جائیں گے۔ کوئی آپ
کے کالج میں پڑھاتا ہے۔ ۶۰ سال کے بعد ریٹائرڈ ہو جائے گا۔ یعنی ہر جگہ نوکری

بھی ہوتی ہے اور ایک دن نوکری ختم بھی ہوتی ہے۔ کاروبار بھی ہوتا ہے کاروبا
ختم بھی ہوتا ہے۔ اب اگر کسی سے پوچھا جائے یہ ۶۰ سال سے اچھے خاصے کام
کر رہے ہیں، ۴۰ سال کا تجربہ ان کے پاس ہے ان کو کیوں ریٹائرڈ کر دیا۔ کیو
اگر ان کو ریٹائرڈ نہ کریں تو وہ جو ۳۰ سال کا پڑھ کے نکلا ہے اس کو کیا کریں ان
سر پر بٹھا دیں؟ کہ دفتر دو منزلہ ہو جائے یہ ۶۰ سال کے تجربہ کار کرسی پر بیٹھے ہو
ہیں وہ ان کے کاندھے پر بیٹھے تو ہر حکومت کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے
ہمارے اوپر ذمہ داری تنہا ان صاحب کی نہیں ہے، ہمارے اوپر ذمہ داری نئی
نسل کی بھی ہے، نئے نوجوانوں کی بھی ہے۔ اگر پرانے والوں کو ریٹائرڈ نہ کیا
جائے گا تو نئے والوں کو کیسے پالا جائے گا دنیا کی ہر حکومت کی ایک ہی پالیسی
ہے یا نہیں؟ ہر آدمی کہتا ہے ان کو نہ ہٹایا جائے گا تو انھیں کیسے پالا جائے گا مگر
جس کو جگہ مل گئی ہے اگلی نسل زندہ رہے یا مر جائے۔ اگلی نسل کو روزگار ملے یا
بے روزگاری کا شکار ہو جائے انھیں کوئی پرواہ نہیں ہے، ۶۰ سال کھا چکے ہیں
۷۰ سال مزید کھانے کا ارادہ ہے۔ تو کیا پروردگار بھی بندوں کے ساتھ اتنا ہی
خود غرض ہو جائے، خدا بھی خود غرض کی حوصلہ افزائی شروع کر دے کہ جیسے ہم خود غرض
ہو گئے ہیں ذرا اور ہو جائیے وہ تو تنہا آپ کا رب نہیں ہے، تنہا آپ کا خدا نہیں
ہے وہ رب العالمین ہے۔ متوجہ ہیں یا نہیں ہیں آپ؟۔ وہ رب العالمین ہے
سب کا پالنے والا ہے۔ اگر چار جگہیں ہیں چار آدمی بیٹھ گئے ہیں اور ہٹنے کا نام
ہی نہیں لیتے ہیں تو پانچواں آدمی کہاں جائے گا؟ کیا وہ چار کا خدا ہے پانچویں
کا نہیں ہے وہ جگہ خالی کرے گا یہی وجہ ہے جب دنیا میں فریاد شروع ہوتی ہے

کہ آدمی بڑھتے جارہے ہیں زمین گھٹتی جارہی ہے۔ سُن رہے ہیں آپ؟۔ جب دنیا والے رونا شروع کرتے ہیں کہ زمین کا رقبہ نہیں بڑھتا ہے انسانوں کی آبادی بڑھتی جارہی ہے یہ سب کہاں سمائیں گے تو معلوم ہوا ایک سیلاب آیا سب سمندر میں سما گئے۔ ارے جو کائنات چلانے والا ہے وہ آپ سے اچھی ترکیب جانتا ہے آپ پریشان نہ ہوں آپ کے حوالہ یہ کام کیا ہی نہیں گیا، آپ دو بچّوں کو پال لیجئے یہی آپ کا بہت بڑا ہنر ہے۔ آپ کائنات کے بارے میں نہ سوچئے وہ آپ کا کام نہیں ہے جس کا کام ہے وہ کرے گا۔ غور کیا آپ نے؟ اور یہ بات میں نے عرض کی اس لئے چھیڑ رہا ہوں کہ ہر شعبہ میں تو ریٹائرمنٹ ہوتا ہے، ۵۵ میں چلے جائیں ۶۰ میں چلے جائیں، ۲۰ سال کام کرکے ریٹائرڈ ہوجائیں۔ بارہ سال جہاز اُڑا کے ریٹائرڈ ہوجائیں، پندرہ سال فوج میں نوکری کرکے ریٹائرڈ ہوجائیں۔ ایک ہی کام جس میں ریٹائرمنٹ نہیں ہے۔ ہمارا کام ہے جس محراب پر قبضہ ہوگیا یا نماز پڑھیں گے یا اسی محراب میں ہماری نماز...... بھائی جو باقی لوگ پڑھ رہے ہیں، علم دین حاصل کر رہے ہیں یہ کیا کریں دوسری منزل پر جا کے نماز پڑھائیں، انھیں بھی کام کرنے دو بوڑھے ہوگئے ہو اب کام کی طاقت نہیں رہ گئی ہے جوانوں کو آگے آنے دو، انھیں کام کرنے دو کیا پریشانی ہے؟ مگر مجھ سے بھی آپ پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا کہ میں یہ جگہ چھوڑ دوں تو کھاؤں گا کیا؟ فی الحال اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ آپ خوش ہوجائیں۔ الحمدللہ میں نے یہ کاروبار کبھی کیا ہی نہیں ہے لیکن صرف اس لئے کہ تاکہ آپ کو یہ خیال نہ ہو کہ میں آپ کو کہہ رہا ہوں۔ غور کیا آپ نے؟ ہم کو بھی یہ خیال ہے کہ اگر ہم نے یہ جگہ چھوڑ دی تو کھائیں گے کیا؟ تو سوچئے جو امت کی قیادت

کر رہا ہے، جو دو رکعت کا صحیح امام کہا جاتا ہے جب اس کا ایمان اتنا کمزور ہوگا تو جو ان کے پیچھے کھڑے ہو کے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" ان کا ایمان کتنا مضبوط ہوگا یعنی خدا پر اعتبار پیدا ہی نہیں ہوتا ہے۔ کسی شعبۂ حیات میں چلے جائیے ہر جگہ آدمی کے ایمان میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ کل کیا ہوگا؟ کل کیا ہوگا؟ اگر نوکری ختم ہو گئی تو کیا ہوگا؟ دُکان فیل ہو گئی تو کیا ہوگا؟ بزنس بند ہو گیا تو کیا ہوگا؟ ٹیکسی پنکچر ہو گئی تو کیا ہوگا؟ پیشنمازی چلی گئی تو کیا ہوگا؟ لوگ مجلس میں، عشرہ میں نہ بُلائیں گے تو کیا ہوگا؟۔ تو کیوں اعتبار نہیں پیدا ہوتا؟ (سُن رہے ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟) کیوں بندے کو خدا پر اعتبار پیدا نہیں ہوتا؟ جس لائن میں چلے جاؤ جس شعبہ میں چلے جاؤ ایسوں سے مذہب کیا امید رکھے گا جو ہر ایک پر بھروسہ کرتے ہوں خالی صاحبِ مذہب پر بھروسہ نہیں کرتے۔ مذہب نہ ایسوں کے سہارے آیا ہے، نہ رہا ہے، نہ کبھی رہے گا۔ یہ خالی مذہب کے طفیلی ہیں جو مذہب سے فائدہ اُٹھانا جانتے ہیں۔ مذہب ان کے سہارے نہیں رہ سکتا ہے جو صاحبِ مذہب پر اعتبار نہ کریں۔ آپ کہیں گے اعتبار کریں تو کیا کریں؟ اب سُنیے مجھ سے کہ کیا کریں، چاہے بُرا مانیے یا اچھا مانیے میرے سامنے ہزاروں کا مجمع بیٹھا ہوا ہے اور سب ماشاءاللہ مرد ہیں اور جن کی مثال دینا چاہتا ہوں وہ تو پس پردہ ہیں۔ خدا پر بھروسہ کیسے کیا جاتا ہے اگر دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ دیکھو مردوں میں تو کوئی مثال نہ ملی۔ اِن کو تو خالی پرچہ مل گیا ہے کہ کل سے نوکری ختم۔ دو مہینہ کے بعد ختم۔ ایک مہینے کے بعد پیسے لیجیے خدا حافظ، تو ان کا دم نکلا ہوا ہے۔ توجہ کریں ــــ دو مہینہ کا نوٹس مل گیا کامل العقل ہیں۔ نہیں سُن رہے ہیں آپ؟۔ کامل العقل ہیں،

ل الایمان ہیں مرد ہیں مرد۔ ہمت والے، حوصلہ والے، مگر خالی یہ کہہ دیا جائے
و مہینے کے بعد ریٹائرڈ ہو جائیں گے دم نکل گیا۔ دو مہینے تو کھانے کو ملے گا جب
یٹائرڈ ہو جاؤ گے تو جو پُرانا بچا ہوا ہے وہ مل جائے گا۔ اُس خاتون کے دل سے
و چھئے جو چھوٹے سے بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ توجہ کریں۔ ایک دو دن کا کھانا
ور ایک مشکیزہ پانی یہ کتنی دیر چلے گا۔ نہیں سُنا میں نے کیا کہا؟۔ ہاں ہے یہ
نف خواتین کی مثال، مگر ساری خواتین کی نہیں ہے۔ آج اگر کوئی شوہر صاحب
کہہ دیں ہم جا رہے ہیں دبئی کمانے کے لئے فی الحال یہ دس روپے رکھئے اور
تی وہاں سے جا کے بھیجیں گے۔ کہنے لگیں چین سے بیٹھئے آپ۔ اچھی خاصی نوکری
کر رہے تھے چھوڑ کے جا رہے ہیں، دس روپئے دے کے جا رہے ہیں۔ اگر
ہاں نوکری نہ ملی تو کیا ہوگا؟

پھر وہی "کیا ہوگا"؟۔ یہ بیسویں صدی کی عورت ہے (توجہ کریں) یہ بیسویں
صدی کی عورت ہے کہ جس کو تھوڑا سامان دے دیا جائے تو شوہر سے جھگڑا کرنے
ر آمادہ ہو جائے۔ وہ اُس دور کی ایک خاتون تھیں پلٹ کے نہ پوچھا حضور
آپ تو چلے جائیں گے چلئے میں اپنے لئے فاقے کر لوں گی۔ ہاں، عورت کے پاس
ہترین نسخہ یہی ہوتا ہے جو اپنے نام پر شوہر سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔ کوئی نئی
ات نہیں کہہ رہا ہوں۔ اپنے اپنے حالات میں گُم نہ ہو جائیے میری بات سنئے۔
جب عورت اپنے نام پر شوہر سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تو بچوں کو وسیلہ بناتی
ہے، ارے چھوڑیئے ہم کو چھوڑیئے اِن کی فکر کیجئے، اِن کا خیال کیجئے۔ کم از کم
س خاتون کو کہنا چاہیئے چلئے ہم جیسے بھی زندگی گذار لیں گے فاقے کریں گے بھوکے

رہیں گے، مٹی پھانکیں گے، کچھ بھی کریں گے، مگر اس بچہ کے بارے میں تو سوچ
جس کو میری گود میں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ مگر کچھ نہیں وہ چھوڑ کے چلے گئے، خاتو
مطمئن بیٹھی ہوئی ہے۔ خدا جانتا ہے پوری تاریخ آٹھ ہزار سال تقریباً انسانیت
کی تاریخ پڑھ ڈالی ایک کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو خدا پر اتنا بھروسہ کرنے والا ہو
ایسا صحرا جو وادی غیر ذی ذرع، پیداوار کا امکان نہیں، دور دور پانی کا پتہ نہیں
ماں چھوٹے سے بچہ کو لئے اطمینان سے بیٹھی ہے۔ شوہر چلا جائے گا خدا تو کہیں نہیں
چلا جائے گا۔ وادی میں غلّہ نہیں پیدا ہوتا خزانۂ خدا تو خالی نہیں ہو جائے گا۔ یہاں
کوئی چشمہ نہیں پایا جاتا مگر اللہ کے فیض و کرم میں تو کوئی کمی نہیں پیدا ہو گئی ہے۔
اعتبار کر کے بیٹھ گئی۔ کوئی پریشانی نہیں۔ جب تھوڑا وقت گذر گیا اب مالک کا ارشاد
ہوا اگر تم نے ہم پر بھروسہ کیا ہم دے سکتے ہیں، مگر بھروسہ کرنے والوں کو اگر بغیر
کام کے دے دیں گے تو کل ہمارے کاہل بندے توکّل کو کاہلی کا ذریعہ بنالیں گے۔
اے ہاجرہ ذرا دوڑ تو لگاؤ۔ صفا سے مروہ، مروہ سے صفا اب جناب ہاجرہ نے
دوڑنا شروع کیا، تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ہاجرہ کیا ڈھونڈ رہی ہیں ایک گلاس
پانی مل جائے میرا بچہ زندہ رہ جائے، ایک چُلّو پانی مل جائے میرا بچہ زندہ رہ جائے،
ایک مشکیزہ پانی مل جائے میرا بچہ زندہ رہ جائے۔ ڈھونڈ رہی ہیں چُلّو بھر پانی، ڈھونڈ
رہی ہیں ایک گلاس پانی، ایک مشک پانی اور دینے والا دے رہا ہے پورا چشمۂ زمزم۔
اب اندازہ کیا جن کو بھروسہ نہیں ہوتا رزّاق انھیں دو روٹیاں کھلاتا ہے، جن کو
بھروسہ ہوتا ہے انھیں پورا چشمۂ زمزم عطا کرتا ہے۔ (صلوات)
پروردگار نے ایک مشکیزہ کے بجائے، تھوڑے سے پانی کے بجائے ایک

چشمۂ زمزم جاری کر دیا۔ اے ہاجرہ تمہارے توکل پر ہماری جانیں قربان ہو جائیں، تم نے مانگا تھا اپنے بچہ کے لئے اور خدا نے اتنا دے دیا اُمّتیں سیراب ہو رہی ہیں، نسلیں سیراب ہو رہی ہیں آج تک۔ جہاں چلے جائیے یہ زمزم کا پانی ہے۔ جو جہاں سے گیا وہ لئے چلا آ رہا ہے۔ یہ کاہے کا صدقہ ہے؟ جس کو دیکھئے وہ ایک بوتل لئے چلا آ رہا ہے، برتن لئے چلا آ رہا ہے، یہ کاہے کا صدقہ ہے؟ یہ سب صدقہ ہے ایک ہاجرہ کے ایک توکل کا ہاجرہ کے خدا پر اعتماد کا۔ اور پروردگار یہ چاہتا تھا کہ یہ صفتِ اعتماد میرے بندوں میں پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں انسانوں نے بہترین عمل کئے، مگر خدا نے کسی عمل کو واجب نہ کیا، کسی عمل کو جزوِ عبادت نہ بنایا مگر ہاجرہ کی دوڑ کو قیامت تک مسلمانوں کے لئے واجب کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ محنت کرتا رہے، خدا پر بھروسہ رکھے رہے۔ (صلوات)

وہ مالک جو ایسا کریم ہے، ایسی مہربانی کرنے والا ہے، کیوں بندے کو اعتبار نہیں پیدا ہوتا اپنے پروردگار پر؟ ـــــــ کوئی تجربہ نہ ہوتا اعتبار نہ ہوتا۔ میں آپ سے کہہ دوں کہ آپ گھبرائیے گا نہیں۔ جس دن آپ کی نوکری چھوٹے میرے گھر چلے آئیے گا۔ آپ اعتبار نہ کیجئے، اس لئے کہ میں نے آج تک آپ کو ایک چائے پر نہیں بُلایا اور میں کہوں آپ تشریف لے آئیے میں آپ کے سارے گھر کو پال لوں گا، آپ بھروسہ نہ کیجئے، آپ کو حق ہے بھروسہ نہ کرنے کا۔ اگر آپ میرے وعدہ پر بھروسہ نہ کریں تو آپ کو حق ہے بھروسہ نہ کرنے کا، اس لئے کہ آپ کو کوئی تجربہ نہیں ہے کہ میں نے کبھی آپ کے بچہ کو کھلا دیا ہو، کبھی آپ کو ایک دن بُلا لیا ہو۔ مگر جو روزِ اوّل سے کھلا رہا ہے اس پر بھروسہ کیوں نہیں ہوتا؟ کیوں سب کی جان

نکلی جارہی ہے نوکری کے تصوّر سے ؟ کیوں سب مرے جارہے ہیں خالی کاروبار
کے تصوّر سے ؟۔ خدا کی رزّاقیت پر بھروسہ کرو، خدا کے کرم پر بھروسہ کرو۔
کرم پروردگار سے بالاتر کوئی شئے نہیں ہے اور وہی جب کرم کرنے پر آتا ہے تو
وہی دلوں میں ڈالتا ہے۔ نہیں غور کیا آپ نے ؟۔ اگر آج کسی نے سوچ لیا
ہے کہ آپ کو کل نوکری سے نکال دیا جائے گا۔آپ رات بھر سوچتے رہے۔سارا گھر
سارا خاندان جتنے ہیں سب سوچتے رہے مگر کسی میں دم ہے جو اس کے خیال کو
بدلوا دے۔ میں پھر ایک منزل عرض کر رہا ہوں غور کیجئے گا۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے
کہ کل ہم کو فلاں نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ ہم نے آپ کو بتایا، اُن کو بتایا، اِن کو
بتایا، یہ کئی ہزار مومنین بیٹھے ہوئے ہیں اِن سے کہا یہ سب خدا کی بارگاہ میں خالی
دُعا کر سکتے ہیں، لیکن جو آفیسر مجھے نکالنا چاہتا ہے اُس کا ذہن بدل دیں کوئی کر سکتا
ہے ؟ نہ میں کر سکتا ہوں نہ میرے گھر والے، نہ دوست نہ احباب، نہ یہ سارے مومنین،
(غور کر رہے ہیں ؟) یہ چاہیں کہ اس کے خیال کو بدل دیں کوئی کر سکتا ہے ؟ نہیں
کر سکتا۔ تو ان پر کیا بھروسہ ہے جو خالی ہمدردی میں تمھارے ساتھ دو آنسو بہا سکتے
ہیں کسی کے خیال کو نہیں بدل سکتے۔ کیوں نہیں اس پر بھروسہ کرتے جس نے خیالات
کی رَو کو یوں بدل دیا، طمانچہ کھاتا جارہا ہے ہمدردی کرتا جارہا ہے۔ یہ سوچ لیجئے
میں نے کیا کہا ؟۔ آپ کا ذکر نہیں ہے پریشان نہ ہوں، غریبوں کا ذکر نہیں ہے،
ربِّ اعلیٰ کا ذکر ہے۔ "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" میں تمھارا بڑا اونچا خدا ہوں، میں
بہت بڑا خدا ہوں اور ایک بچہ بظاہر لاوارث دنیا میں کوئی سہارا دینے والا نہیں،
ماں نے بھی صندوق میں رکھ کے دریا کے حوالہ کر دیا۔ موجیں خالی ساحل تک

لے آئی ہیں اور آیا تو بدترین دشمن کے گھر میں آیا اور آنے کے بعد چین سے بیٹھا بھی نہیں کہ رو دیتا، رونے سے ہمدردی ہو جاتی، پریشان تڑپنے لگتا تو شاید تڑپنے سے ہمدردی ہو جاتی بلکہ کھیل تماشہ یہی ہے ایک طمانچہ اِدھر مارا اُدھر مار ادہ سوچ بھی رہا ہے ایک آسیہ وہ جو ہم نے سُنا ہے کہ ہمارے تخت وتاج کو اُلٹ دیگا کہیں یہی تو نہیں ہے؟ ورنہ مجھے کون طمانچہ مارے گا؟ کس میں ہمت ہے جو مجھے طمانچہ مار دے، یہ وہی تو نہیں ہے؟۔ جناب آسیہ نے کہا نہیں نہیں یہ تو بچہ ہے، بچے تو ایسا کرتے ہی رہتے ہیں۔ سمجھ میں آگیا؟۔ کاش میرے اس لفظ کو بھی تمام سُننے والے سمجھ لیں اور جہاں تک میری آواز پہونچ رہی ہے۔ایسا بد دماغ جو موسیٰ کے نام پر ۷۰ ہزار بچوں کو مار چکا ہے۔ توجہ کریں۔یعنی ذہن اس لائن پر چلا تو ۷۰ ہزار ان بے گناہوں کو مار دیا جن سے واقعتاً کوئی خطرہ نہیں تھا، ذہن کو خدا نے اس راستے پر چلا دیا تو جس سے خطرہ ہے وہ گودی میں بیٹھا ہوا طمانچہ مار رہا ہے مگر سوچتا ہے یہ نہ ہوگا۔ارے اب تو اعتبار کرو کہ وہ ذہنوں کو بدلنے والا ہے۔ کیوں اِن پر بھروسہ کرتے ہو، کیوں اُس پر بھروسہ نہیں کرتے؟ (صلوات)

جہاں سُن پایا آفیسر ناراض ہے، واسطہ ڈھونڈنے لگے۔ آپ ذرا سفارش کر دیجئے، آپ کہہ دیجئے آپ کے تعلقات ہیں۔ ارے آپ کے تعلقات اُس سے کیوں نہیں ہیں جو دلوں کو اُلٹنے والا ہے۔ آپ کے تعلقات اُس سے کیوں نہیں ہیں جو ذہنوں کی رَد و بدل کرنے والا ہے۔ آپ کے تعلقات اُس سے کیوں نہیں ہیں جو دماغوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ آپ اس سے کہئے وہ سب ٹھیک کرے گا یہ بیچارے کیا کریں گے یہ تو خود ہی اپنی اپنی نوکریوں میں پریشان ہیں مگر ایک

توکّل کے نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی مضطرب ہے، ہر انسان کی زندگی پریشان ہے، ہر آدمی اپنے مستقبل کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہے آج حالات ٹھیک ہیں مگر کل کیا ہوگا؟ یہ مستقبل کو غیر محفوظ سمجھنا علامت ہے کہ بندے کا خدا پر اعتبار نہیں ہے، ورنہ مستقبل خدا کے ہاتھ میں ہے کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جن کے ہاتھ میں آپ سوچ رہے ہیں ان کا خود ہی کوئی مستقبل نہیں ہے۔ ارے آپ میرے دفتر میں کام کر رہے ہیں آپ سوچ رہے ہیں کہ کل نکال دیں گے تو کیا ہوگا؟ کبھی کبھی سوچئے کہ خود ہی نکل گئے تو کیا ہوگا؟ آپ اپنے کل کے لئے پریشان ہیں، ہم اپنے کل کے لئے پریشان ہیں کہ اگر رات کو حضرت ملک الموت نے زحمت فرما دی۔ خدا کے ہاتھ میں موت وحیات بھی ہے آپ کاہے کو پریشان ہیں یہ ناراض ہو گئے پھر کیا ہوگا ہو سکتا ہے خدا کل تک ان کو لے جائے آپ چین سے بیٹھیں گے بلکہ سارے مال پر قبضہ آپ ہی کا ہو جائے گا۔ تصویر کا ایک ہی رُخ کیوں سوچتے ہیں جو ابلیس سمجھاتا ہے تصویر کا وہ رُخ کیوں نہیں سوچتے جو قرآن سمجھاتا ہے، جو اسلام سمجھاتا ہے، جو معصومینؑ نے سمجھایا ہے۔ خدا پر بھروسہ کرو سب سے بڑا کام یہ ہے۔ اگر یہ نہ پیدا ہوا، یہ کمال نہ پیدا ہوا تو توحید کا عقیدہ کمزور ہے۔

بس میں نے ایک مثال دورِ قدیم کی دے دی، مثالیں اور بھی ہیں جن کا ذکر کرتا مگر وقت نہیں رہ گیا ہے۔ صرف ایک آخری فقرہ کہہ کے بیان کو منزلِ آخر تک لانا چاہتا ہوں۔ جن کا اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایک خدا ہمارا ہے وہ ہمارے ساتھ رہے ساری

یا مخالف ہو جائے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ حسینؑ مظلوم کا فقرہ میدانِ عرفات
ں بار ہا میں نے آپ کے سامنے عرض کیا ہے کہ مالک کے سامنے فرزندرسول الثقلینؐ
یدان عرفات میں جب مناجات کر رہے تھے تو مناجات کرتے کرتے حسینؑ اس
نزل پر پہونچے آواز دیتے ہیں پروردگار! "مَاذَا فَقَدَ مَنْ وَجَدَكَ وَمَا الَّذِیْ
جَدَ مَنْ فَقَدَكَ" پروردگار! جس نے تجھ کو پالیا اس نے کھو یا کیا، جس نے
جھ کو کھو دیا اس نے پایا کیا؟ کم سے کم حسینؑ والوں میں تو اتنا اعتماد ہونا چاہیئے،
سینؑ والوں میں تو یہ ایمان ہونا چاہیئے، آلِ محمدؐ کے چاہنے والوں میں یہ بھروسہ
ونا چاہیئے۔ پروردگار اگر ساتھ آجائے تو ساری دنیا کی طاقتیں کچھ نہیں کر سکتیں۔
ساری کمزوری پیدا ہوتی ہے اسی وقت جب انسان کا اعتبار خدا سے ہٹ جاتا ہے،
نسان مالک پر بھروسہ نہیں کرتا ہے۔

میں دور نہ لے جاؤں گا ایک جملہ سُنانا چاہتا ہوں ربطِ کلام کے لئے۔ ایک
رات ہیں تین منظر دیکھے دو میں بتاؤں گا تیسرا منظر آپ بتائیے۔ اگر جب سے کان
سننے کے لائق ہوئے ہیں تب سے بیانات سُن رہے ہیں اور جب سے آنکھیں کچھ
یکھنے کے لائق ہو گئی ہیں تب سے کتابیں پڑھ رہے ہیں تو باقی آپ سمجھائیے گا۔
کیا وجہ ہے اطمینان کی، کیا وجہ ہے سکون کی؟ اگر صاحبِ ذوالفقار کے ہاتھ میں
تلوار ہو، میں نے صاحبِ ذوالفقار اس لئے کہا ہے کہ صاحب ذوالفقار کے
نام سے آپ پہچانتے ہیں ورنہ قصہ ذوالفقار کے پہلے کا ہے۔ غور کریں۔ قصہ،
ذوالفقار کے پہلے کا ہے۔ اگر وہ جو عرب کا بہترین شجاع، بہترین بہادر اگر
س کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور وہ جاگتا رہتا تو چالیس نہیں چالیس سو بھی سامنے

آتے تو مطمئن ہوتا۔ میں پھر اپنے الفاظ کو دُہراؤں گا۔ وہ جو مانا ہوا بہادر، شجاع ہے، جس کی شجاعت کو دنیا نے آج نہیں تو، کل تو دیکھ ہی لیا اور سب نے مان لیا کہ جس میدان میں کوئی نہ گیا وہی گیا۔ لیکن بچپنے سے اس کے تیور سبھی جانتے ہیں۔ گہوارہ میں ہے اور اژدر کے ٹکڑے کر دئے، اس کی شجاعت تو جانی پہچانی ہے، اگر اس کے ہاتھ میں اسلحہ ہوتا اور وہ جاگتا ہوتا اور اس کے بعد چار سو آدمی گھر کے چاروں طرف اکٹھا ہو جاتے اور مطمئن ہوتا تو مجھے کوئی تعجب نہ ہوتا۔ میں کہتا زورِ بازو پر بھروسہ ہے، تلوار پر بھروسہ ہے، اپنی بیداری پر بھروسہ ہے۔ مگر کتنی ہی ہمت والا ہو، اسلحہ ہاتھ سے چھوٹ جائے، تلوار ہاتھ میں نہ ہو اور بیدار بھی نہ ہو، گھر تلواروں کے درمیان گھرا ہو اور سونے کے نام سے بلایا جائے تو اطمینان کہاں سے پیدا ہوگا؟ بتائیے اس اطمینان کا فلسفہ کیا ہے؟ اس اطمینان کا راز کیا ہے؟ اسلحہ ہاتھ میں نہیں ہے، تلواریں چاروں طرف ہیں، گھر گھِرا ہوا ہے، کہا گیا سو جاؤ، اطمینان سے سو گئے۔ اس اطمینان کا راز کیا ہے؟ ایک منظر۔ توجہ کریں۔

دوسرا منظر۔ جس کو گھیرنے کے لئے آئے تھے وہ گھر سے تو چلا گیا، مگر جہاں گیا دشمن وہاں پہونچ گئے۔ میرے عزیزو! اس بات پر غور کریں۔ جس کو مارنے کے لئے آئے تھے حکمِ خدا سے چلا گیا مگر جہاں جا کے، خدا نے کہا یہاں ٹھہرو۔ جب وہاں ٹھہر گیا تو ڈھونڈنے والے یہاں سے وہاں پہونچ گئے۔ تو کم سے کم اب تو پریشان ہونا چاہیئے تھا کہ جن کی وجہ سے گھر چھوڑ کے آیا تھا یہ ظالم کمبخت تو یہاں تک آگئے۔ ہم غار کے اندر بند یہ باہر، اگر خالی ایک دیوار اُٹھا دیں تو کیا ہوگا؟۔ توجہ کریں۔ مگر آپ نے سرکارؐ کو پریشان دیکھا؟ بتائیے آپ نے

پیغمبرِ اسلامؐ کو اس غار میں جب چاروں طرف سے کفّار ڈھونڈتے ہوئے آ گئے، نشانِ قدم دیکھتے ہوئے جب پہونچ گئے، تو کہیں تاریخ میں پیغمبرؐ کی پریشانی کا ذکر سُنا ہے؟ اگر پیغمبرؐ پریشان ہو جاتے؟ دوسرا مصرع آپ سمجھیں۔ بھائی غور کیجئے۔ فرض کیجئے، اگر ایک آدمی یہاں سے چاقو لے کر میرے سامنے آجائے اور میں خود ہی گھبرا جاؤں اور آپ بھی پریشان ہونے لگیں اور میں آپ سے کہوں پریشان نہ ہوں تو آپ پلٹ کے کہیں گے پہلے اپنے کو سنبھالئے۔ بھائی دوسرے سے پریشان نہ ہو تو وہی کہے گا جو خود پریشان نہ ہو۔ مگر سرکار دو عالمؐ کا اطمینان دیکھئے، اسی غار کے اندر پیغمبرؐ ہیں کفار ڈھونڈتے ہوئے غار کے دہانے تک آ گئے۔ کھڑے بحث کر رہے ہیں یہ جالا کیسا ہے یہ...... ہاں آوازیں اندر آ رہی ہیں۔ اُدھر پیغمبر مطمئن ہیں آپ کہیں نہیں ایسی جگہ تھی جہاں مطمئن ہونا چاہیئے تھا۔ اگر جگہ نے اطمینان پیدا کرایا ہوتا تو غور کریں۔ اگر کسی جگہ سے اطمینان پیدا ہوتا ہے تو جتنے اس جگہ میں چلے جائیں سب مطمئن ہو جائیں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ گھر گھرا ہوا ہے تو علی مطمئن تھے، غار گھرا ہوا تھا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مطمئن تھے۔ نہ یہاں پر اسلحہ تھا نہ وہاں پر اسلحہ تھا۔ نہ یہاں کوئی فوج تھی نہ وہاں کوئی فوج تھی۔ اگر کوئی طاقت مطمئن بنائے ہوئے تھی تو فقط پروردگار پر بھروسہ تھا۔ تو جب بھروسہ ہوگا تو دشمنوں میں گھر کے بھی مطمئن رہے گا اور جب بھروسہ نہ ہوگا تو ادنیٰ تکلیف پر بھی پریشان ہو جائے گا۔ (صلوات)

اسی نبیؐ کا ٹکڑا، اسی علیؑ کا لال وہ ہے جو تیس ہزار کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے بلا سبب حضورؐ نے نہیں کہا تھا "حسین مِنّی"، حسینؑ مجھ سے ہے، حسینؑ میرا

جز ہے، حسینؑ میرا ٹکڑا ہے۔ اگر میرا اطمینان تم نے دیکھ لیا تو خدا پر بھروسہ کے بعد حسینؑ، علیؑ کا لال ہے۔ اگر علیؑ کا اطمینان تم نے ہجرت کی رات دیکھ لیا ہے اب حسینؑ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو ۳۰ ہزار کی فوجیں ہوں، ۳۰ لاکھ کی فوجیں ہوں۔

اسی لئے بعض علماء نے واقعاتِ کربلا کا تجزیہ کرتے ہوئے اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کم سے کم جو مورخین نے تعداد معین کی ہے ۳۰ ہزار کا لشکر تھا جو میدانِ کربلا میں فرزندِ رسولؐ کے مقابلہ کے لئے آیا تھا یہ ۳۰ ہزار کا لشکر جو آیا ہے ظاہر ہے کہ یہ ۳۰ ہزار افراد ہیں تو ان کے ۳۰ ہزار گھوڑے بھی ہوں گے، ان کے پاس ۳۰ ہزار تلواریں بھی ہوں گی۔ بعض علماء نے کہا ایک لمحہ کے لئے تصور کرو، ایک ایسا میدان جس میں ۳۰ ہزار گھوڑے دوڑ رہے ہوں اور ۳۰ ہزار تلواریں چمک رہی ہوں، بڑے سے بڑا بہادر بھی اگر ایسا منظر دیکھ لے کہ ۳۰ ہزار تلواریں ایک میدان میں چمک رہی ہیں اور ۳۰ ہزار گھوڑے میدان میں دوڑ رہے ہیں، بڑے سے بڑا انسان بھی ہوگا تو اس کا دل لرز جائے گا۔ مگر کیا حسین فقرہ کہا ہے کربلا کی زمین گھوڑوں کے دوڑنے سے ہل گئی، گھوڑوں کی ٹاپوں سے کربلا کی زمین ہل گئی مگر سکینہؑ کا دل نہیں ہلا۔ کربلا کی زمین لرز گئی مگر علی اصغرؑ کا دل نہیں لرزا۔ بچوں میں اضطراب نہ دیکھا۔ کتنا اطمینان سوائے توکل کے، اور کون سی طاقت تھی جو یہ اطمینان پیدا کئے ہوئے تھی۔ دشمن لاکھوں ہو جائیں مگر ایک خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ تو اتمامِ حجت کے طریقے ہیں یہ جو مصائب کا اظہار کر دیا جائے تاکہ کل کی دنیا یہ نہ کہنے پائے کہ پریشانی

کیا تھی ؟ ورنہ ممکن تھا بچےّ علمدار کے گرد آ کے جمع ہوتے اور کہتے ہائے پانی، ہائے پیاس العطش العطش ۔ یہ بچوّں کی شان صبر نہیں ہے ۔ کربلا کے صابروں کا انداز الگ ہے مگر چاہتے ہیں کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ خیمہ میں ایک قطرہ پانی نہیں ہے، خیمہ میں ایک قطرۂ آب نہیں ہے لہٰذا علمدار کے گرد جب بچے بار بار سامنے آتے ہیں العطش العطش جہاں تک یہ آواز پہونچے سب پر حُجّت تمام ہو جائے کہ کل کوئی ظالم پیش پروردگار میدان حشر میں یہ نہ کہنے پائے ہمیں اگر معلوم ہو جاتا کہ حسینؑ کے بچے اتنے مظلوم ہیں تو ہم حسینؑ کے ساتھ چلے جاتے ہمیں اگر معلوم ہوتا کہ حسینؑ کے بچوّں کو پانی بھی نہیں ملا ہے تو ہم پانی کا انتظام کر دیتے ۔ کل روز قیامت کوئی نہ کہنے پائے بچےّ آواز بلند کر رہے ہیں تاکہ جہاں تک یہ آواز پہونچے سب پر حُجّت تمام ہو جائے ۔ ورنہ یہ اضطراب نہیں ہے یہ پریشانی نہیں ہے ۔ اگر پیاس سے پریشانی ہوتی تو سب سے زیادہ پریشانی علی اصغرؑ کو ہوتی ۔

بس عزیزو! میں بیان کو آخری منزل تک لے آیا، تین چار منٹ اور مجلس تمام کر رہا ہوں ۔ اگر پیاس سے کوئی اضطراب ہوتا تو سب سے زیادہ اضطراب تو علی اصغرؑ کو ہوتا ۔ علی اصغرؑ سے چھوٹا تو کربلا میں کوئی نہیں ۔ مگر علی اصغرؑ کا عالم یہ ہے کہ میدان میں آنے کے بعد بھی اپنی پیاس کا اشارہ بھی نہ دیا ۔ جب تک باپ نے نہیں کہا بیٹا تم انھیں بتاؤ کہ کتنے پیاسے ہو تب تک اتمامِ حُجّت کا وقت نہیں آیا، علی اصغرؑ نے اپنی پیاس کا اظہار نہیں کیا اور اگر حوصلہ دیکھنا چاہتے ہو تو جب پیاس پر تیر سہ شعبہ کا اضافہ ہو گیا تو آنکھوں میں آنسو نہیں آئے، لبوں پر مسکراہٹ آئی ۔ اے کربلا والو! اے کربلا والو! یہ دنیا کے سارے صاحبِ ایمان بندے

تم پر قربان ہو جائیں۔ ایسا ایمان، ایسا توکّل، ایسا بھروسہ اتنا اعتماد و اطمینان تو کائنات کی تاریخ میں کہیں نہ دیکھا جتنا اعتماد تم میں پایا جاتا ہے۔

مگر عزیزو! اتنے اعتماد کے بعد، اتنے اطمینان کے بعد جب علمدار کے گرد بچے جمع ہو جائیں اور اپنی پیاس کا اظہار کریں تو اس علمدار، اس سقائے حرم کے دل پر کیا گذر رہی ہے کوئی سوچ نہیں سکتا، کوئی تصوّر نہیں کر سکتا کہ عباس علمدار کے دل پر کیا گذر جاتی تھی۔ جب بچے سامنے آجاتے تھے ہاتھ میں خالی کوزہ لئے ہوئے العطش العطش یہ اضطراب چلتا رہا، سات محرّم کو یہی عالم دیکھا، آٹھ محرّم کو یہی عالم دیکھا۔ اِدھر بچّے پیاس کا اعلان کر رہے ہیں اُدھر سقار کا دل تڑپتا جا رہا ہے۔ لیکن ایک وقت وہ آیا جب بچّوں کے لئے اطمینان کی پہلی لہر نگاہ کے سامنے آئی وہ وقت تھا جب درِ خیمہ پر ایک آواز بلند ہوئی سکینہؑ! میری لال سکینہؑ! بچی دوڑ کے خیمہ تک آئی۔ چچا کیوں یاد فرمایا؟ کہا بیٹا جاؤ ذرا اپنا مشکیزہ تو لے آؤ۔ چچا مشکیزہ کو کیا کریں گے؟ کہا میں مولاؑ کے سامنے اجازت لینے گیا تھا فرمایا بچّوں کے لئے پانی کا انتظام کرو۔ لاؤ ذرا مشکیزہ میرے حوالہ کرو۔ بس عزادارو! دو چار لمحے۔ انشاء اللہ بہت روئیں گے آپ۔ سکینہؑ مشکیزہ لے کر چلی۔ چھوٹے چھوٹے بچّے سکینہؑ کے گرد جمع ہو گئے۔ بی بی! یہ مشک کہاں جا رہی ہے؟ بی بی! یہ مشک کہاں لئے جا رہی ہو؟ کہا بابا نے چچا کو حکم دیا ہے پانی لانے کے لئے، اب میرا چچا پانی لانے کے واسطے جا رہا ہے۔ بچّو مطمئن ہو جاؤ پانی آرہا ہے۔ مطمئن ہو جاؤ چچا جائے گا تو خالی ہاتھ واپس نہیں آئے گا، بس پانی آنے والا ہے۔ مشکیزہ دے دیا۔ عباسؑ رخصت ہو کے میدان میں آئے۔ فوجوں کو ہٹایا۔ فرات میں

گھوڑا ڈال دیا۔ مشکیزہ کو تر کیا۔ چلّو میں پانی لیا۔ ظالمو! مجھے بیکس و بے بس نہ سمجھنا پانی میرے قبضہ میں ہے مگر پی نہیں سکتا۔ کیا کروں میری بچی پیاسی ہے، کیا کروں خیمہ میں بچے پیاسے ہیں، میں پانی پی نہیں سکتا۔ پانی کو چلّو سے پھینکا۔ اب جو پلٹ کے چلے۔ مشکیزہ کو سنبھالے ہوئے، علم کو سنبھالے ہوئے عباسؑ خیمے کی طرف جا رہے ہیں۔ داہنا ہاتھ قلم ہو گیا کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بایاں شانہ کٹ گیا کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس پانی کو خیمے تک پہونچ جانا چاہیئے۔ ایک تبر تیر ستم مشکِ سکینہ پر لگا۔ اولاد والو! مجلس تمام ہو رہی ہے۔

تیر کا مشکیزہ میں لگنا تھا اِدھر پانی بہنے لگا، اُدھر عباسؑ نے گھوڑے کا رُخ موڑ دیا۔ اب خیمے کی طرف جا کے کیا کروں گا۔ سر جھکا کے کھڑے ہو گئے۔ ظالم نے ایسا گرز لگایا کہ پُشتِ فرس سے خاکِ کربلا کی طرف چلے۔ آواز دی مولاؑ! حسینؑ کے کانوں میں آواز آئی۔ کمر پکڑ لی۔ اے بھیا کمر ٹوٹ گئی۔ یہ کہہ کے مقتل کی طرف چلے۔ بس آخری فقرہ۔ یہاں تک کہ شیر کے سرھانے پہونچے۔ سر اُٹھا کے زانو پر رکھا۔ تھوڑی دیر بھائی بھائی میں گفتگو ہوئی۔ عباسؑ جیسے ہی خاموش ہوئے حسینؑ نے مرثیہ شروع کر دیا اَلْیَوْمَ نَامَتْ اَعْیُنُ۔۔۔ ''اے عباسؑ جو آنکھیں تیری ہیبت سے نہ سوتی تھیں اب وہ چین سے سوئیں گی۔ اب بچے جاگیں گے اب سیدانیاں جاگیں گی۔'' عباسؑ کے کہنے کے مطابق۔ لاشے کو فرات کے کنارے چھوڑا۔ پرچم کو سنبھال کے چلے۔ جیسے ہی پرچم درِ خیمہ کے قریب آیا۔ سکینہؑ نے کہا بچو! میں نہ کہتی تھی دیکھو میرا چچا آ گیا۔ پرچم قریب آیا بچی نے خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ دیکھا بابا آئے، چچا نہیں آئے۔

ایک مرتبہ دوڑ کے باپ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ بابا میرے چچا کی کوئی خبر ہے؟ سن لو اولاد والو! میرے چچا کی کوئی خبر ہے؟ کہا، سکینہؑ یہ کیوں پوچھا کہا، چچا نے بڑی دیر لگادی۔ کہا بیٹی کیا انتظار کر رہی تھی؟ کہا کیسے انتظار نہ کرتی چچا نے پانی کا وعدہ کیا ہے۔ میرا چچا بے وفا نہیں ہے۔ حسینؑ نے بچی کو کلیجہ سے لگا لیا۔ سکینہؑ، میری لال سکینہؑ! بیٹی اب چچا کا انتظار نہ کرنا، تیرا چچا فرات کے کنارے شانے کٹا کے سو گیا۔ بچی تڑپنے لگی۔ چچا.....

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس ۱۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا۔

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہوں، مگر میری طرف مسلسل یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ جو اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

آیۂ کریمہ کے ذیل میں توحید پروردگار سے متعلق جو سلسلۂ کلام آغاز محرم سے آپ کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے نویں مرحلہ پر توحید کے ایک اور شعبہ کے بارے میں کچھ باتیں گذارش کرنا ہے جس کا اقرار صبح سے شام تک مسلمان مسلسل کرتا رہتا ہے۔ جس کا نام ہے "الحمد للّٰہ"۔ جس طرح سارا ملک اللہ کے لئے، جس طرح ساری عبادت اللہ کے لئے، جس طرح سارے سجدے اللہ کے لئے، اسی طرح ساری حمد بھی اللہ کے لئے۔ مولائے کائناتؑ کا یہ ارشاد گرامی

یقیناً آپ حضرات کے ذہنوں میں محفوظ ہے کہ آپ نے ابن عباس سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمام آسمانی صحیفوں میں پایا جاتا ہے وہ سب مالک نے قرآن حکیم میں جمع کر دیا ہے۔ اور جو کچھ قرآن مجید میں تھا وہ سب سمٹ کر سورۂ حمد میں آگیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ مبارکۂ حمد کا امتیاز یہ ہے کہ اگر سارے قرآن کا خلاصہ دیکھنا ہو تو اسی سورۂ مبارکۂ حمد میں پایا جاتا ہے۔

آج میں تھوڑی دیر آپ کے سامنے کچھ ایسی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جو عام لوگوں کے ذہن سے شاید ہم آہنگ نہ ہوں اور بہت سے لوگ مختلف غلط فہمیوں میں مبتلا ہوں، لیکن حقائق کی طرف متوجہ رہنا ہر مرد مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

سارے قرآن کا خلاصہ ہے سورۂ مبارکۂ حمد۔ اگر آپ سورۂ حمد کا تجزیہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا پورے سورہ میں فقط دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا تجزیہ مختلف اعتبارات سے کیا گیا ہے۔ لیکن میں خالی اپنے موضوع سے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا حصّہ شروع ہوتا ہے حمد پروردگار سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ساری حمد، ساری تعریف اللہ کے لئے جو ربّ العالمین ہے۔ "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" وہ رحمان ہے، وہ رحیم ہے۔ "مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" وہ روز قیامت کا مالک ہے۔

ساری حمد اس خدا کے لئے۔ ابھی تک تذکرہ حمد پروردگار کا ہو رہا تھا۔ حمدِ خدا کے ذکر کے بعد بندہ نے اس نتیجۂ حمد کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

چونکہ وہ "اللہ" ہے، وہ "رب العالمین" ہے، وہ "رحمان ورحیم" ہے، وہ "قیامت کا مالک ہے"۔ وہی اس بات کا حقدار بھی ہے کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ کُل کائنات دنیا سے لے کے آخرت تک تو تیری ہے، کس کے سامنے ہاتھ پھیلانے جائیں۔ یہ ایک حصّہ ہے جس کا تعلق ہے حمد پروردگار سے۔

اس کے بعد دوسرا حصّہ شروع ہوا "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" پروردگار! ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عنایت فرما۔ اور یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے "وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کے اوپر۔ اس کا مطلب کیا ہوا کہ پورے سورۂ حمد کا خلاصہ دو چیزیں ہیں ایک کا نام ہے حمد خدا، ایک کا نام ہے دُعا۔ توجہ فرمائیں۔ ایک حصہ ہے حمد پروردگار کا جو مالک کے صفات وکمالات پر تمام ہوا، اور ایک حصّہ ہے ہم بندوں کی دُعا کا جو صراط مستقیم سے شروع ہو کے "وَلَا الضَّآلِّیْنَ" پر تمام ہوتا ہے۔ ان کا راستہ چاہیئے جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں۔ ان کا راستہ نہیں چاہیئے جو بہک گئے ہوں، جن پر غضب نازل ہو جائے۔ یہ ایک حصّہ ہے دعا کا اور ایک حصّہ ہے حمد خدا کا۔ یعنی کُل قرآن میں جتنا سکھایا گیا۔ توجہ کریں۔ پورے قرآن میں بندوں کو جتنا سکھایا گیا سب کو سمیٹ دیا گیا دو جملوں میں، ایک کا نام ہے حمد خدا، ایک کا نام ہے دُعا۔

اتنی بات تو واضح ہو گئی لیکن یہاں سے ہماری لائن، ہماری زندگی کا نقشہ قرآن مجید سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ہمارے اور آپ کے او

تمام شعور والوں کے سمجھنے کا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مسلمان کا راستہ اسلام سے الگ ہو گیا۔ امت قرآن کا راستہ قرآن سے الگ ہو گیا۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ ہماری زندگی میں حمد بھی ہے، ہماری زندگی میں دُعا بھی ہے مگر ہمارا ترتیب کا سلسلہ یہ ہے کہ پہلے دعا کریں۔ توجہ کریں۔ ہماری زندگی کا نقشہ کیا ہے، پہلے خدا کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، پہلے دعا کریں، پہلے خدا سے مانگیں اور جب وہ دیدے تو حمدِ خدا کریں، شکرِ خدا کریں۔ متوجہ ہیں آپ میں کیا کہہ رہا ہوں؟۔ ہماری زندگی کا یہی نقشہ ہے یا نہیں ہے؟ ارے غنیمت جانیئے کہ دعا کے قبول ہونے کے بعد ہی شکر خدا کرلے، ورنہ کتنے بے ایمان ہیں جو منتظر رہتے ہیں کہ خدا دُعا کو قبول کرے تو گناہ کریں۔ میں گفتگو کو تلخ نہیں بنانا چاہتا مگر زندگی کے حقائق سے آنکھ بھی نہیں بند کی جاسکتی۔ کتنے افراد ہیں جو اپنی معصیت میں، اپنے گناہ میں، اپنی نافرمانی میں، اپنی بے ایمانی میں منتظر رہتے ہیں کہ خدا کچھ دیدے، اس لئے کہ اگر کچھ ملا نہیں تو بے ایمانی کریں گے کیسے؟ اگر جیب میں پیسہ نہیں ہے تو نالائقی کا مظاہرہ کہاں سے ہو گا؟ اگر کوئی عہدہ نہیں ملا ہے تو بیہودگی کہاں سے شروع ہو گی؟ اگر اولاد نہیں پیدا ہوئی ہے تو رقص و رنگ کی محفلیں کس کے لئے سجائی جائیں گی، جنازوں کا رقص تو ہو گا نہیں؟ یعنی منتظر رہتا ہے انسان کہ خدا کچھ دیدے تو نافرمانی شروع ہو۔ ان سے تو وہ بندے بہرحال غنیمت ہیں جو لینے کے بعد شکر خدا کر لیتے ہیں۔ توجہ کریں۔ تو میں نالائقوں کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو لے کے بھی شکر خدا نہیں کرتے۔ کتنے فرعون، کتنے ہامان ہر دَور میں پیدا ہوتے ہیں، میں تو ان لائق افراد کا ذکر کر رہا ہوں کہ جن کی زندگی

نقشہ یہ ہے کہ پہلے دُعا، اس کے بعد مل جائے تو شکر خدا۔ مگر قرآن نے جو مسلمان
کی زندگی کا نقشہ بنایا ہے (توجہ کریں) "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" پہلے شکر خدا "اِھْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اس کے بعد دُعا۔ کوئی سوچ سکتا ہے اس نقشہ کو؟ بُرا نہ
مانئے گا کیا آسانی سے کسی آدمی کے دماغ میں یہ بات آسکتی ہے کہ پہلے شکر خدا
کرو اس کے بعد دعا کرو۔ کاہے کا شکر کریں کچھ ملا تو ہے نہیں۔ پہلے کچھ ملے تو
شکر کریں گے۔ پہلے شکر خدا کرو بعد میں دعا کرو۔ اب دعا کرکے کیا کریں گے۔
مسئلہ یہ ہے کہ پہلے مانگیں جب مل جائے تو شکر کریں، نہ ملے تو غنیمت ہے کہ
شکایت نہ کریں، چُپ رہیں۔ مگر قرآن مجید کا نقشہ اس سے مختلف ہے جس پر
اُمتِ قرآن نہیں چل رہی ہے۔ توجہ کریں۔

ایک روایت جو شاید آپ نے نہ سُنی ہو اس کی طرف میں اشارہ کرنا
چاہتا ہوں۔ اللہ کے نمائندہ کی بارگاہ میں معصوم کی خدمت میں ایک شخص
آیا۔ کہا حضور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں۔ دو اعلانات پروردگار
کے ایسے ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آئے۔ اچھا ہے بہت سی باتیں ہم کو نہیں معلوم
ہیں ورنہ ہم کو بھی سمجھ میں نہ آئے۔ دو آیتیں قرآن مجید میں ایسی ہیں جو ہماری
سمجھ میں نہیں آئیں۔ فرمایا کون سی آیت تمھاری سمجھ میں آگئی ہے کہ دو نہیں آئیں؟ جیسے
اکثر مومنین آتے ہیں کہتے ہیں جناب یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، جیسے معلوم ہوتا
ہے کہ ساری شریعت تو آپ کو ہضم ہو ہی گئی ہے۔ خالی ایک ہی مسئلہ باقی رہ گیا
ہے ہم سمجھا دیں گے اور معاملات طے ہو جائیں گے۔ کیا سمجھ میں نہیں آیا؟ کہا
پروردگار ایک مقام پر اعلان کرتا ہے "اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" تم دُعا کرو میں

قبول کروں گا۔ کھُلا ہوا وعدہ ہے کہ تم دُعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور ہمارا تجربہ ہے کہ سیکڑوں دعائیں کیں اور کہیں ایک بھی قبول نہیں ہوئی۔ ہزار میں ایک قبول ہو جائے تو ہو جائے ورنہ آدمی کا کام صبح سے شام تک دعا کرنا ہی تو ہے۔ کتنی دُعائیں جو قبول نہیں ہوتی ہیں تو اس آیت کے معنی کیا ہیں؟ اگر نہیں قبول کرنا تھا تو پہلے ہی نہ کہا ہوتا۔

ایک فقرہ میں نے کبھی کہا تھا اب مناسبت ہے اس لئے دُہرا رہا ہوں یہ بھی مقامِ شکر ہے کہ چودہ سو سال پہلے بھی ہماری برادری کے لوگ پیدا ہو گئے ورنہ سب اسی دَور میں پیدا ہوتے تو مسائل کو حل کون کرتا؟۔ یہ سوال صرف اس دَور کا نہیں ہے یہ تو ہر دَور کا ہے۔ جو قرآن کی اس آیت کو پڑھے گا اور اپنے حالات کو دیکھے گا فوراً یہ کہے گا بات سمجھ ہی میں نہیں آتی کہ خدا کہتا ہے تم دُعا کرو ہم قبول کریں گے۔ ہم دُعا کرتے ہیں خدا قبول نہیں کرتا ہے، سمجھ میں نہیں آیا کہ اس اعلان کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ معصومؑ نے نہایت ہی اطمینان سے فرمایا تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا اپنے وعدہ کے خلاف کرتا ہے؟ اب بیچارہ کیا کہے۔ کہا نہیں میرا یہ کہنے کا مطلب نہیں ہے وہی لہجہ جو ہمارا ہوتا ہے جو کہنا تھا کہہ دیا جب کسی نے گرفت کی یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے آپ سمجھے ہی نہیں۔ یہ اتنے قابل ہو گئے کہ یہ سب سمجھے معصومؑ نہیں سمجھے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں کہوں کہ خدا اپنے وعدہ کے خلاف کرتا ہے، یا معاذ اللہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ خدا نے وعدہ کیا ہے تم دُعا کرو میں قبول کروں گا۔ تو جب ہم دُعا کرتے ہیں

قبول کیوں نہیں کرتا؟ ایک مسئلہ۔

دوسرا مسئلہ۔ پروردگار عالم قرآن مجید میں وعدہ کرتا ہے[1] کہ تم ہماری راہ
میں جو بھی انفاق کروگے، جو بھی خرچ کروگے "فَهُوَ يُخْلِفُهُ" خدا اس کا معاوضہ
دے گا۔ یعنی ایک لگاؤگے دس ملے گا۔ تو خدا کہتا ہے کہ اگر خرچ کروگے تو اس کا
بدلہ خدا دے گا۔ آخرت کی بات نہیں ہے۔ جنّت، ثواب کا ذکر نہیں ہے خدا
دے گا۔ حالانکہ ہم کتنا راہِ خدا میں دے چکے خالی جا ہی رہا ہے آتے تو کچھ نہیں
دیکھا۔ تو سارا قرآن سمجھ میں آگیا مگر یہ دو باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ ایک یہ مسئلہ
سمجھ میں نہیں آیا کہ خدا کہتا ہے دُعا کرو ہم قبول کریں گے تو ہم دُعا کرتے ہیں قبول
کیوں نہیں کرتا؟ دوسرا مسئلہ خدا کہتا ہے جو ہماری راہ میں دوگے اس کا بدلہ
نہیں دیں گے۔ ہم دیتے ہیں راہِ خدا میں بدلہ کیوں نہیں ملتا ہے؟ معصومؑ نے
جو فرمایا وہ تو میں بعد میں عرض کروں گا۔ کاش آپ نے اسی کو اُلٹ کے سوچ لیا
ہوتا اگر خدا نے وعدہ کیا ہے تو دو ہی راستے ہیں یا یہ کہا جائے کہ خدا کا وعدہ، وعدہ
نہیں ہے، یا یہ کہا جائے کہ ہماری دُعا، دُعا نہیں ہے۔ جب پروردگار نے کہا تم
دُعا کرو ہم قبول کریں گے تو کیا ہماری دُعا، دُعا نہیں ہے یا اُس کا وعدہ، وعدہ
نہیں ہے۔ بندہ یہ کہنے کی ہمّت نہیں کرسکتا ہے کہ خدا نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں
کیا یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ہماری دُعا، دُعا نہیں ہے کوئی تو کمزوری کہیں
پیدا ہوگئی ہے جو دُعا، دُعا کہے جانے کے قابل نہیں ہے ورنہ خدا اپنے وعدہ
کے خلاف نہیں کرے گا۔ توجہ کریں آپ۔ اب معصومؑ نے حوالہ دیا۔ اُس نے کہا

---

[1] سورہ سبا، آیت ۳۹

کیا دُعا کا بھی کوئی خاص انداز ہوتا ہے، دُعا کا بھی کوئی خاص طریقہ ہوتا ہے؟ فرمایا وہی ہوتا ہے جو قرآن میں ہے۔ اب آپ متوجہ ہو گئے؟ ۔ وہی انداز ہوتا ہے جو قرآن میں ہوتا ہے۔ کہا قرآن میں کیا ہے؟ کہا پہلے حمد خدا کرو بعد میں دُعا کرو۔ پہلے اپنی بندگی کا حوالہ دو اس کے بعد دعا کرو۔ نہیں عزیزو! آپ نے توجہ نہیں فرمائی میں نے کیا کہا۔ بات کہاں سے شروع ہوئی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پہلے شکر خدا "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" ہم تیری عبادت کرتے ہیں "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" تجھ سے مانگتے ہیں۔ تب کہا "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" ۔ اب دعا کی ہے کتنی منزلوں کے بعد دُعا آئی ہے۔ پہلے شکر خدا، اس کے بعد عبادت کا حوالہ، پھر خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا حوالہ، اس کے بعد دُعا۔ فرمایا تم نے کبھی ایسی دُعا کی ہے؟ آپ میری طرف متوجہ رہیں میں آپ کو کہاں لے جا رہا ہوں۔ کبھی شکر خدا بھی کیا ہوتا، کبھی مالک کے کرم کا ذکر بھی کیا ہوتا، کبھی اپنی کسی عبادت کا حوالہ بھی دیا ہوتا؟ تو یہ قرآن کیا بلا وجہ نازل ہوا تھا؟ جس قرآن کی ایک آیت تم کو بہت آگے دکھائی دی اس کا پہلا صفحہ کیوں نہیں دکھائی دیا؟ میری بات ضائع نہ ہو۔ اس کا پہلا صفحہ کیوں نظر نہیں آیا؟ اگر پہلا ہی صفحہ دیکھ لیا ہوتا تو آداب دعا معلوم ہو جاتے۔ جب آداب کے ساتھ دُعا کرو گے کبھی رد نہ ہو گی، جب بے ادب بن جاؤ گے تو بے ادب کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ راہِ خدا میں نہیں دیا اصلاح کرو۔ توجہ کریں۔ اگر ہم نے راہِ خدا میں بہت کچھ دیا اور خدا نے اس کے بدلے میں ہمیں کچھ نہ دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عمل میں کمزوری ہے، عمل کو ٹھیک کرو خدا پر اعتراض نہ کرو۔

اب آپ مجھ سے پوچھیں گے تو کوئی ایک مثال ایسی بتا دیجئے جہاں کسی نے راہِ خدا میں دیا ہو اور خدا نے دے دیا ہو تاکہ ہم سمجھیں ہمارے عمل میں کمزوری ہے خدا کے وعدہ میں کمزوری نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر مثال چاہتے ہو تو قرآن ہی پڑھ لو راہِ خدا میں دینے والے چپ بیٹھے ہیں۔ پروردگار کہتا ہے " اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ" ایک دن یتیم کو کھلا دیا، ایک دن مسکین کو کھلا دیا، ایک دن اسیر کو کھلا دیا وہ نہیں کہتے کہ ہم نے اللہ کے لئے دیا ہے۔ خدا ان کے دل کی ترجمانی کر رہا ہے تو اب تو اندازہ ہو گیا کہ آل محمد (علیہم السلام) نے یتیم و مسکین و اسیر کو کھلایا یہ عمل " لوجہ اللہ" خدا کے لئے تھا جس کا اعلان خود خدا نے کیا۔ اب دیکھنا چاہتے ہو کہ خدا کیا دیتا ہے، جنّت و کوثر تو بعد کے تذکرے ہیں، چند روٹیوں پر پورا سورہ تو یہیں نازل ہوا ہے۔

اگر عمل میں کمزوری پائی جاتی ہے تو اپنے عمل کی اصلاح کر و وعدہ خدا کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ کتنی مثالیں آپ دیکھنا چاہتے ہیں روٹیاں سائلوں کے پاس گئیں سورہ یہیں نازل ہوا جنّت و کوثر کا ذکر تو بعد میں آئے گا۔ جَزَاھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً وَّحَرِیْرًا" وہ تو وہاں کا مسئلہ ہے یہ سورہ تو یہیں نازل ہوا۔ یہ تو دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا یہیں دیتا ہے وہاں تو دیتا ہی ہے، وہاں کے بدلے نہیں وہاں تو دیتا ہی ہے۔ اگر عمل میں واقعی اخلاص پایا جاتا ہے تو یہاں دیتا ہے۔

اگر اجتماعی عمل دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی مثال بھی قرآن میں ہے۔ میری بات پر توجہ نہیں کیا ؟ ۔ اگر انفرادی عمل دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی مثال بھی قرآن میں ہے۔ یہ طے ہو جائے کہ خدا یہ کہے کہ ہماری راہ میں دیا خالی یہ طے ہونے کی دیر

ہے۔ پروردگار وہاں بھی عطا کرے گا اور یہاں بھی عطا کرے گا چاہے انفرادی
ہو یا اجتماعی۔ اگر انفرادی عمل دیکھنا ہے تو انگوٹھی دیکھو۔ اگر اجتماعی عمل دیکھنا
ہے تو روٹیاں دیکھو۔ جب انگوٹھی دینے والے نے انگوٹھی دی تو اللہ نے کہا
"یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ" یہ زکوٰۃ دی ہے، اگر راہِ خدا میں نہ ہوتا تو خدا اسے زکوٰۃ
نہ کہتا۔ وہاں کہتا ہے "لِوَجْہِ اللّٰہِ" اگر راہِ خدا میں نہ ہوتا تو خدا نہ کہتا۔ اس
واسطے یہ بھی عمل خدا کے لئے، وہ بھی عمل خدا کے لئے۔ یہ عمل اکیلے انسان
کا تھا تو تاجِ ولایت دے دیا، وہ اجتماعی عمل تھا تو سورۂ "ھَلْ اَتٰی" دیدیا۔ (صلوات)

اور ایک دو لمحہ کے لئے چونکہ شب مبارک جمعہ بھی ہے لہٰذا ایک جملہ اور
بھی گذارش کرنا ہے اسے بھی نگاہ میں رکھئے گا۔ اب آئیے معصومؑ کی دنیا میں
قبولیتِ دُعا کا منظر دیکھیں۔ ایک صاحب نے ہم سے کہا فلاں صاحب سے
آپ کے تعلقات ہیں اگر آپ ان سے کہہ دیں تو ہمارا کام ہو جائے گا۔ ہم نے
کہا آپ کہتے ہیں تو ہم کہہ دیں گے۔ دنیا میں یہی طریقہ چل رہا ہے اللہ کو کون
زحمت دیتا ہے سب بندوں ہی سے کام لیتے ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں
کہہ دوں گا۔ وہ صاحب ملے میں نے کہا صاحب ان کی کوئی درخواست ہے
اس پر نظر رکھئے گا اور میری خواہش ہے کہ یہ پہلی مرتبہ بیچارے نے کہا ہے
اس کا کام کر دیجئے گا۔ کہا ٹھیک ہے آپ فرماتے ہیں تو کر دوں گا۔ وقت گذر
گیا ایک دس دن کے بعد وہ آئے کہا مولانا ابھی تک ہمارا کام ہوا نہیں۔
ہم نے کہا بھائی ہم سے تو انھوں نے آپ کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ کام ہو جائے گا
ابھی تک نہیں ہوا؟ کہا نہیں ہوا۔ ہم نے کہا کہیں ملاقات ہو تو پوچھیں۔ اتفاق

سے دکھائی دیئے۔ میں نے کہا میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ آپ سے ایک کام
کہا اور آپ نے وہ کام نہیں کیا۔ کہنے لگے کیا کام؟ میں نے کہا اِن کے بچے
کی درخواست تھی خالی اس کے اوپر ایک نوکری دینا تھی اتنا کام بھی آپ نہیں
کر سکتے؟ کہنے لگے مولانا وہ درخواست کہاں ہے جس پر ہم کو اپائنمنٹ لیٹر دینا
ہے، نوکری دینا ہے، وہ درخواست کہاں ہے؟ میں نے کہا درخواست آپ کے
پاس ہو گی۔ کہنے لگے ان سے ذرا پوچھیے گا۔ ہم نے ان سے پوچھا بھائی کیا
آپ نے درخواست دی ہے؟ کہنے لگے آپ سے تو کہہ ہی دیا تھا۔ میں نے
کہا آپ بھی عجیب احمق آدمی ہیں، خود تو نالائق ہیں ہی مجھے بلا وجہ بدنام کر رہے
ہیں آپ درخواست دیجئے جبھی تو کارروائی ہو گی۔ میرے کہنے کا اتنا ہی اثر ہو گا
کہ کام ہو جائے گا، مگر درخواست وہاں تک پہونچ تو جائے۔ خدا جانتا ہے
درخواست کو منظور کرانے کے تو چودہ وسیلے ہیں مگر پہلے پہونچ تو جائے۔ توجہ
کریں۔ منظور کرانے کے وسائل الگ ہیں مگر پہلے پہونچ تو جائے۔ آپ کہیں گے
پہونچنے میں کیا دیر ہے؟ کہا جن کو وسیلہ بنایا ہے انھیں سے پوچھو کیا دیر ہے۔
شبِ جمعہ دعائے کمیل "اَللّٰھُمَّ اغفِرلِیَ الذُّنُوبَ الَّتِی تَحبِسُ الدُّعَاءَ" مولاؑ
کہتے ہیں دُعا کرو۔ پروردگار ان گناہوں کو معاف کر دے جو دعاؤں کو قیدی
بنا لیتے ہیں، یعنی زندگی میں ایسے گناہ بھی ہیں جو دعا کو مالک کی بارگاہ تک
جانے ہی نہیں دیتے اور یہ اسی علی علیہ السّلام نے کہا جس کو وسیلہ بنایا تھا۔ کاش
میری محنت ضائع نہ ہو۔ اسی مولاؑ نے کہا جس کو وسیلہ بنایا تھا۔ اب وہی پلٹ کے
کہیں گے درخواست پہونچا دینا تمھارا کام ہے، منظور کرا دینا ہمارا کام ہے۔

مگر پہنچنے کی شرط یہ ہے کہ پہلے ان گناہوں کو چھوڑ دو جو دعا کو خدا کی بارگاہ تک جانے نہیں دیتے۔ تم خود کو گناہوں سے پاکیزہ بنا لو ہم مالک کی بارگاہ سے دلوا دیں گے۔ (صلوات)

میں پھر پلٹ کے اسی منزل پر آیا۔ پھر آپ اس مسئلہ پر غور کریں یہ مسئلہ میں نے عرض کیا انتہائی سنجیدہ ہے۔ اسے سمجھیں تاکہ کبھی پروردگار کے بارے میں غلط فہمی اور بدگمانی نہ ہونے پائے۔ اب ہو سکتا ہے کوئی بچہ مجھ سے یہ سوال کرے کہ ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں پہلے شکر خدا کرو اس کے بعد دعا کرو، شکر خدا کا ہے پر کریں۔ بھائی ہم مانگ رہے ہیں پروردگار ایک لاکھ درہم چاہیئے تاکہ ایک مکان بنا لیں، یا پچاس ہزار چاہیئے تاکہ ایک گاڑی خرید لیں، یا ایک نوکری چاہیئے جس میں ہزار دو ہزار ہر مہینہ ملتا رہے، یا یہ چاہیئے، وہ چاہیئے کچھ چاہیئے خدا دیدے گا تو ہم حمد خدا، شکر خدا کریں گے۔ مگر جب تک دُعا نہیں کی، مانگا نہیں، ملا نہیں تو شکر کا ہے کا؟ بس اس جہالت کے بارے میں مجھے آپ کے سامنے آج عرض کرنا ہے۔ جب کسی آدمی کو سمجھائیے پہلے شکر خدا کرو اس کے بعد دعا کرو۔ کہے گا کا ہے کا شکر؟ پہلے کچھ ملے تو شکر کریں۔ یعنی انسان اتنا جاہل ہو گیا ہے کہ ہزار درہم کی نوکری نہیں ملی ہے تو سوچ رہا ہے کہ کچھ ملا نہیں ہے۔ زندگی مل گئی تو نہ سوچا کہ کچھ مل گیا ہے۔ یہ آدمی جو شکایت کرنے جا رہا ہے کہ ہم دُعا کرتے ہیں قبول نہیں ہوتی ہے اس کی شکایت میں کتنے حصّے پائے جاتے ہیں۔ سوچیئے آپ۔ اس مبارک رات میں جس کو شبِ جمعہ کہتے ہیں اگر اس میں ہمارے عمل کی اصلاح نہ ہو گی تو کب ہو گی؟

در یہ ہمارا آپ کا عیب نہیں ہے یہ تو ساری دنیا میں ایک بیماری ہے جو پھیلی
ہوئی ہے۔ انسان سمجھتا ہی نہیں ہے کہ دُعا کیا ہے، شکرِ خدا کیا ہے۔ یہ انسان
جو دُعا کے قبول نہ ہونے پر خدا کی شکایت کر رہا ہے ذرا اس شکایت کا تجزیہ
کیجئے، اگر مُردہ ہوتا تو شکایت کرتا؟ یہ شکایت کیوں کر رہا ہے اس لئے کہ
زندہ ہے؟ اگر گونگا ہو گیا ہوتا تو لوگ مذاق اُڑاتے کوئی سُننے کے لئے تیار
نہ ہوتا کیا شکایت کرتا خود ہی شرمندہ ہو کے چُپ ہو جاتا۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ زبان چل رہی ہے جبھی تو شکوہ کر رہا ہے۔ توجہ کریں۔ سانس آ رہی
ہے جبھی تو شکوہ کر رہا ہے۔ شکایت کے حروف، الفاظ جانتا ہے تبھی تو شکوہ
کر رہا ہے۔ دُعا کے معنی جانتا ہے تبھی تو مانگ رہا تھا۔ شکایت کا لہجہ جانتا
ہے تبھی تو فریاد کر رہا تھا یعنی اتنا سب پہلے سے ہے۔ فقط نہیں ہے تو ہزار
درہم کی نوکری نہیں ہے۔ کتنا بے غیرت انسان ہے، زندگی جیسی قیمتی دولت
لے کے شکرِ خدا نہ کیا اب ہزار روپے مانگنا چاہتا ہے۔ اگر پلٹ کے مالک
کہہ دے اتنا دے کے دیکھ لیا۔ نہیں عزیزو آپ نے توجہ نہیں کی میں نے
کیا کہا؟ اگر پروردگار پلٹ کے کہہ دے کہ زندگی دے کے دیکھ لیا تم نے
کیا کیا؟ سانسوں کو دے کے دیکھ لیا تم نے کیا کیا؟ زبان کو دے کے دیکھ لیا
تم نے کیا کیا؟ قوتِ گویائی دے کے دیکھ لیا تم نے کیا کیا؟ جب تم جیسا نالائق
کوئی پیدا ہو جائے کہ اتنی بڑی بڑی دولتیں لے کے ایک "الحمدللہ" نہ کہے
ایسے نالائق کو کیا مزید کچھ دیا جائے گا؟ (توجہ کریں)، اس کو ہماری زبان
میں کہا جاتا ہے پُرانا ریکارڈ ٹھیک کرو آگے کی بات بعد میں کرنا۔ جس کو

ریکارڈ ہی پوری زندگی کا احسان فراموشی ہو اسے شکایت کرنے کا کیا حق ہے
اسی لئے قرآن نے کہا پہلے حمد خدا اس کے بعد دُعا۔ (صلوات)
پہلے شکر خدا اس کے بعد دعا تاکہ معلوم ہو جائے احسان فراموش نہیں ہو
مالک نے جتنا دیا ہے اس کا شکریہ ادا کر رہے ہو مزید چیزوں کو مانگ رہے ہو حالانکہ
اتنا بھی بغیر مانگے دے دیا تھا۔ یہ تو مانگنا فقط اپنی زندگی کا اظہار ہے ورنہ وہ تمہارے
مانگنے کا محتاج نہیں ہے، اگر مانگنے ہی کا انتظار کرتا تو زندگی ہی نہ دیتا، اگر مانگنے کا
انتظار کرتا تو ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان ہی نہ دیتا، وہ تو بغیر مانگے دیتا ہی رہتا ہے۔
تم سے مانگنے کے لئے اس لئے کہا تاکہ دماغ خراب نہ ہونے پائے۔ اس نے
تمھارے جذبۂ زندگی کی بقا کے لئے دعا کا حکم دیا ہے ورنہ وہ کسی کے مانگنے کا محتاج
نہیں ہے وہ تو انھیں دے دیتا ہے جو مقابلہ میں خدا بن جاتے ہیں۔ تم کم سے کم
بندۂ خدا تو ہو۔ (صلوات)

اب یہ موضوع آ ہی گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع کی ذرا اور کچھ وضاحت
ہو جائے، شاید میرے عزیز بچوں، نوجوانوں اور میری بیٹیوں کے ذہن میں یہ بات
واضح ہو جائے کہ انداز دعا سیکھ لیں تاکہ قبولیت کے امکانات پیدا ہو جائیں۔

بعض صاحبان معرفت نے ایک عجیب جملہ کہا سب آل محمد (علیہم السلام)
کے تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ عجیب جملہ کہا کہ ہمارے سامنے دو مسئلے ہیں، ایک مسئلہ
ہے ہماری دُعا کا، ایک مسئلہ ہے خدا کی عطا کا۔ (توجہ کر رہے ہیں؟) یہ دونوں
ایک ساتھ چلتے ہیں، ہم دُعا کرتے ہیں خدا عطا کرتا ہے۔ صاحب معرفت سے
پوچھا گیا بتائیے آپ کی نظر میں دعا کی قیمت زیادہ ہے یا عطا کی قیمت زیادہ

ہے۔ فی الحال مجھے چھوڑ دیجئے۔ روایت تو میں بعد میں سناؤں گا آپ سنائیے
آپ کا خیال کیا ہے؟ دُعا کی اہمیت زیادہ ہے یا عطا کی اہمیت زیادہ ہے؟
کون کہے گا دعا کی اہمیت زیادہ ہے؟ سب یہی کہیں گے دُعا کا فائدہ ہی کیا
ہے اگر عطا نہ ہو۔ بتائیے اس کے علاوہ اور کچھ کہیں گے آپ؟ نہ آپ کہیں گے
نہ میں کہوں گا سب کی آواز ایک ہی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے "اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ
الْمُؤْمِنِ" ہر مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے کہا مولانا ایک بات سمجھ میں نہیں آتی ہے آپ بعض
اوقات ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جیسے ہماری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ آپ
کو ہمارے حالات کیسے معلوم ہو گئے؟ ہم نے کہا معلوم کرنے میں کیا تکلیف ہے
مولاؑ نے پہلے ہی فرما دیا ہے کہ مومن، مومن کا آئینہ ہے۔ میں اپنے کو دیکھ لیتا ہوں
آپ کو پہچان لیتا ہوں، نہ آپ ایمان سے خارج نہ میں ایمان سے خارج ضرورت
ہی نہیں ہے کہ میں آپ کو دیکھنے جاؤں، ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے،
میں اپنے آئینہ میں آپ کو دیکھتا ہوں، آپ اپنے آئینہ میں مجھے دیکھ لیجئے۔

تو میں کیا گذارش کر رہا تھا عطا زیادہ عزیز ہے، قیمتی ہے یا دُعا زیادہ
قیمتی ہے۔ ہر آدمی کے ذہن میں ہے کہ عطا کی قیمت زیادہ ہے مل رہا ہے، دُعا
تو خالی مانگ رہے ہیں دعا میں کیا رکھا ہے۔ مگر قربان جائیے واقعاً جو صاحبانِ معرفت
ہیں ان کے سوچنے کا انداز الگ ہے۔ کسی نے پوچھا بھائی آپ کا کیا خیال ہے
کہ دعا کی اہمیت زیادہ ہے یا عطا کی اہمیت زیادہ ہے۔ عجب فقرہ کہا کہ دونوں
کا فرق یہ ہے کہ جب تک بندہ منزلِ دُعا میں رہتا ہے رُخ اُدھر رہتا ہے، جب تک

بندہ مانگتا رہتا ہے بندہ کا رُخ خدا کی طرف رہتا ہے اور جیسے ہی مل گیا۔ اگر معلوم ہوجائے کہ پتہ نہیں اس مہینہ میں تنخواہ ملے گی یا نہیں ملے گی تو اللہ ہی اللہ۔ اور جیسے ہی تنخواہ جیب میں آئی، جیسے ہی چیک ملا، جیسے ہی بینک والوں نے بتایا پیسہ آگیا ہے ویسے ہی گئے بینک، اور بینک سے نکلے اب اِدھر اُدھر، گھر، دروازہ، سڑک، بازار، اب نہ کہیں خدا دکھائی دیتا ہے نہ کہیں پیغمبر نظر آتا ہے۔ یہ انسان کے مزاج کی کمزوری ہے کہ منزلِ دعا میں رہتا ہے تو رُخ ادھر رہتا ہے اور جیسے ہی منزلِ عطا میں آیا ادھر سے رُخ ہٹ جاتا ہے۔ اب جواب دینے والے کے جواب تو آپ سمجھ ہی گئے، ہم سے نہ پوچھو کہ یہ بہتر یا وہ۔ یہ فیصلہ تم کرو کہ اِدھر دیکھنا بہتر ہے یا اُدھر دیکھنا بہتر ہے۔ (صلوات)

بندہ کا رُخ دنیا کی طرف ہو اس کی اہمیت زیادہ ہے یا بندہ کا رُخ خدا کی طرف ہو اس کی اہمیت زیادہ ہے؟ جو دعا اور عطا کا فرق جانتے ہیں وہ لذّتِ دعا کو پہچانتے ہیں۔ یہ عطا انسان کو ادھر سے ہٹا دیتی ہے، آدمی کاروبار میں لگ جاتا ہے۔ پیسہ جیب میں آیا کچھ نہیں روٹی خریدیں گے، کچھ نہ ہوگا جاکے پیپسی ہی لے آئیں گے کچھ تو ہوگا رُخ دکان کی طرف ہے۔ مگر جب تک منزلِ دُعا میں تھا اُس وقت تک رُخ پروردگار کی طرف تھا دُعا ادھر کھینچتی ہے۔ توجہ کریں۔ عطا وہاں سے ہٹا دیتی ہے، لہٰذا انسان کو قیمتِ دُعا پہچاننا چاہیئے اور اگر آپ یہاں تک میرے ساتھ چلیں تو پہچان لیجیے، ہم تو دُعا کرتے ہیں عطا کے لئے، ہم تو اسی لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ خدا کچھ دیدے، مگر جو لذّتِ دعا کو جانتے تھے انھیں سب کچھ دے دیا تھا۔ ہماری جیب میں اگر ہزار درہم آجائے تو جب تک

خرچ نہ ہو جائے گا خدا دوبارہ یاد نہیں آئے گا۔ توجہ کریں۔ اگر ہزار، دو ہزار، دس ہزار مل جائے تو جب تک یہ ختم نہ ہو جائے تب تک خدا کی فی الحال ضرورت نہیں ہے۔ یعنی مل جائے تو خدا سے غافل ہو جائیں۔ مگر اللہ کے ایسے نیک بندے بھی تھے کہ اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے مالک نے آواز دی ۔۔ انھیں پہچان لو آسمان ان کے لئے بنایا، زمین کو ان کے لئے بنایا، دریاؤں کو ان کے لئے بنایا، چاند، سورج کو ان کے لئے بنایا" لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" اے محمدؐ! تم نہ ہوتے تو افلاک کو نہ پیدا کرتا۔ اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ اتنا سب کچھ پہلے دے دیا، تو حضور جب اتنا مل گیا اب باقی کیا رہ گیا ہے کہ آپ دعا کر رہے ہیں؟ کہا لینا کچھ نہیں ہے مگر لذّت دعا مجبور کر رہی ہے کہ ہاتھ پھیلائے رہوں ۔ (صلوات)

کون جانے کہ مالک کی بارگاہ میں حاضر رہنے میں کیا لذّت یا ذائقہ کیا مزہ حاصل ہوتا ہے۔ ہم اس لذّت کو پہچان نہیں سکتے ہیں اس لئے کہ ہماری معرفت کمزور ہے۔ ہمیں واقعتاً اس ذات واجب کا عرفان نہیں ہے۔ اس مالک کی بارگاہ کی عظمتوں کا اندازہ نہیں ہے لہٰذا ہمارا حساب وکتاب کچھ اور ہوتا ہے۔

تو میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ ساری دنیا کا نقشہ یہ ہے کہ پہلے دعا اس کے بعد شکرِ خدا۔ قرآن کا لہجہ یہ ہے کہ پہلے شکرِ خدا اس کے بعد دعا۔ اب ایک بات درمیان میں ضروری آگئی ہے وہ بھی گذارش کر دوں۔ تو سورہ حمد میں شکرِ خدا بھی ہے اور دُعا بھی ہے۔ ہے یا نہیں؟ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" یہ شکرِ خدا ہے۔ "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" دعا ہے اور سارا قرآن سمٹ آیا ہے سورہ حمد

ہیں۔ تو پھر پروردگار اس سورہ کو جس میں شکر بھی ہے اور جس میں دُعا بھی ہے
اس کو کسی خاص موقع کے لئے رکھا ہوتا۔ جب شکر کا وقت آتا تو سورۂ حمد
پڑھتے۔ جب دُعا مناسب ہوتی تو سورۂ حمد پڑھتے۔ کوئی وقت معین کر دیا ہوتا
یا ہمارے اوپر چھوڑ دیا ہوتا۔ جب وقت شکر آئے تو الحمد پڑھ لینا۔ جب منزلِ دُعا
آئے تو الحمد پڑھ لینا۔ لیکن یہ اکیلا ہی سورہ ہے جو ہر مسلمان پر پڑھنا واجب ہے
اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ہر مسلمان پر یہ اکیلا سورہ ہے جس کا پڑھنا واجب
ہے۔ اب ہو سکتا ہے آٹھ دن گذر جائیں سورۂ "اِنَّا اَعْطَیْنَا" نہ پڑھیں تو کیا
گنہگار ہو جائیں گے، جہنّم میں چلے جائیں گے؟ نہیں۔ پندرہ دن گذر جائیں
سورۂ "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ" نہ پڑھیں کون سا گناہ ہو جائے گا۔ لیکن دو وقت گذر
جائے اور سورۂ حمد نہ پڑھیں تو گنہگار بھی ہو جائیں، حقدارِ جہنّم بھی ہو جائیں یعنی
یہی سورہ ہے صبح کو آنکھ کھلی پروردگار نے کہا یہ سورہ پڑھو، کوئی اور پڑھو نہ
نہ پڑھو یہ سورہ پڑھو۔ آفتاب کو زوال ہوا کہا یہ سورہ پڑھو تاکہ ایمان کو زوال
نہ ہونے پائے۔ سورج ڈوب گیا، وہ ڈوب گیا ڈوب جانے دو، یہ سورہ پڑھو
تاکہ بندگی نہ ڈوبنے پائے۔ اُبھرتے ہوئے سورج سے پہلے یہی سورہ، ڈھلتے
ہوئے سورج کے وقت یہی سورہ، ڈوبے ہوئے سورج کے سامنے یہی سورہ،
یہ تین دفعہ، پانچ دفعہ جو پڑھوایا گیا اور ہر نماز میں دو دو مرتبہ پڑھوا دیا گیا
اس کا مطلب کیا ہوا کہ سب کا کوئی وقت ہو سکتا ہے۔ میری محنت ضائع نہ
ہو۔ ہر کام کا کوئی وقت ہو سکتا ہے، لیکن نہ شکر خدا کا وقت معین ہے نہ دُعا
کا وقت معین ہے۔ صبح دُعا، شام دُعا، دوپہر دُعا، دن میں دُعا، رات میں دُعا،

آدھی رات میں دعا، صبح سے لے کر شام تک شکر خدا، رات کے سناٹے میں شکر خدا، اگر کسی نے یہ سمجھ لیا ہوتا تو یہ کہیں کہیں جو جہالت پائی جاتی ہے کہ اس دن میں دُعا نہ کرو۔ بعض خواتین گھر میں بیٹھ کے جب کوئی کام نہیں ہوتا تو مذہب بنایا کرتی ہیں، بھائی روٹی بنا چکیں، سالن بنا چکیں، پراٹھے بنا چکیں، کباب بنا چکیں اب باقی کیا کریں کچھ احکام ہی بنائیں، کچھ فلسفے ہی بنائیں، کچھ مذہب ہی بنائیں، یہ بھی اچھا کام ہے کوئی بُرا کام تو نہیں ہے بیکار وقت کو اسی کام میں صرف کر دیا جائے، وہ روزانہ اپنے پاس سے ایک نیا فلسفہ ایجاد کر کے اس بات کی کوشش کرتی ہیں کہ سب کو مطمئن کر دیا جائے اور کوئی نہ مانے تو کہہ دیا جائے کہ تم دین سے خارج ہو گئے، اور واقعاً دین سے خارج ہو گئے، جو دین آپ نے بنایا اس میں داخل ہی کب ہوئے تھے خارج ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کہنے لگیں دس دن غم کے دن ہیں اس میں دُعا نہیں کرنا چاہیئے، غم کے دن میں کھانا کھانا چاہیئے؟ کیا خیال ہے! اب کوئی نہیں بولتا ارے آپ پر اتنا ہی غم طاری ہو گیا واقعاً سنجیدگی سے کھانا چھوڑیئے، پانی چھوڑیئے، راحت چھوڑیئے، آرام چھوڑیئے، سونا چھوڑیئے، دفتر چھوڑیئے، اسکول چھوڑیئے، کاروبار چھوڑیئے۔ کچھ نہ چھوٹا نہ آرام چھوٹا، نہ کھانا چھوٹا نہ پانی چھوٹا، نہ گھر چھوٹا، نہ دفتر چھوٹا، نہ پیسہ چھوٹا، فقط ایک خدا چھوڑ دو۔ کہاں ہیں آپ؟ شکر کس کا؟ خدا کا، دعا کس سے؟ خدا سے۔ یعنی سب یاد رہ جائیں کہیں غم طاری نہیں ہوگا، خالی غم طاری ہوگا خدا سے دُعا کرنے میں۔ خالی غم پیدا ہوگا شکر خدا کرنے میں۔ پروردگار کو چھوڑ دو باقی سب کو پکڑ کے بیٹھ جاؤ۔ یہ کونسا فلسفۂ حیات ہے۔ اسی لئے پروردگار نے سورۂ حمد کو ہر مسلمان پر واجب کیا تھا۔

ہر لمحہ تمہارا شکر خدا میں گذرنا چاہیئے، ہر لمحہ تمہارا دعا میں گذرنا چاہیئے، فرق یہ ہے کہ غم کا موقع آئے خوشی کی دعا نہ کرو۔ بات سمجھ رہے ہیں یا نہیں آپ؟ اگر غم کا موقع آئے تو خوشی کی دعا نہ کرو۔

کس نے کہا ہے کہ کسی کے گھر میں جنازہ نکل رہا ہو آپ اپنے لڑکے کی شادی کی دعا کریں کس نے مشورہ دیا ہے؟ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دعا چھوڑ دیجئے مسلمان دعا چھوڑ دے گا؟ اگر جنازہ بھی نکل رہا ہے تو مرنے والے کی مغفرت کی دعا کرے گا۔ توجہ کریں۔ کیسے دعا مسلمان چھوڑ دے گا؟ حد یہ ہے کہ کوئی دشمن بھی ہے تو اس کے حق میں ہدایت کی دعا کرے گا۔ نہیں توجہ کی میں کیا کہہ رہا ہوں؟

پیغمبرؐ میدانِ جنگ میں آئے، چاروں طرف سے نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے ہیں، دشمنوں کی تلواریں چمک رہی ہیں۔ حضورؐ کیا کہہ رہے ہیں "اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ" پروردگار میری قوم کو ہدایت دیدے یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ یہ دعا نہیں تو کیا تلوار ہے؟ (توجہ کریں) معصوم کی زندگی کا نقشہ یہ ہے، چاہنے والوں کے لئے دعا درجات کے بلندی کی، دشمنوں کے لئے دعا ہدایت کی تاکہ مسلمان کی زندگی کا ایک لمحہ کے لئے دعا سے خالی نہ ہونے پائے۔

اور اگر شکر خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تو کچھ نہیں چھوڑ دو ساری باتیں، ایک ہی لفظ اتنا ہی سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ آپ کہیں گے کس کس نعمت کا شکر ادا کریں۔ میں کہتا ہوں آج، اس وقت آپ کا فرض ہے کہ آپ شکر خدا ادا کریں خدا جانے کس گھر میں اُتار دیا ہوتا۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے معنی گھر جا کر

سوچ لیجئے گا۔ نہ جانے اس کی کیا مصلحت ہے، کس گھر میں اُتار دیا ہوتا۔ اس فرش تک آنے کی بھی توفیق نہ ہوتی اس سے بڑی نعمت کیا ہے۔ توجہ کریں۔ خدا نے اپنی معرفت دے دی، سرکارؐ کا عشق دے دیا، اہلِ بیتؑ کی محبت دے دی، حسینؑ کا غم دے دیا، فرش عزا پر بیٹھنے کی سعادت دے دی، ذکر آل محمد علیہم السّلام سُننے کا شرف دے دیا۔ کیا خالی پیسے ہی پر شکر خدا ہوتا ہے؟ ارے ان نعمتوں کی قدر پہچانو جن نعمتوں سے عاقبت بنا کرتی ہے۔ پیسوں سے دنیا بنتی ہے عاقبت نہیں بنا کرتی۔ (صلوات)

بس میں اسی مقام پر بیان کو روک دینا چاہتا تھا لیکن ایک پانچ منٹ اور بات کو مکمّل کرنے کے لئے اس کے بعد ذکر مصائب۔

"الحمد للہ" ساری تعریف، ساری حمد اللہ کے لئے ہے۔ پہلا فقرہ قرآن مجید کا جیسے ہی قرآن کھولا کہ پہلا لفظ مسلمان کے سامنے آیا "الحمد للہ"۔ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کے معنی کیا ہیں؟ اب ساری باتیں سُنانے کا وقت نہیں ہے خالی یہ لفظ تاکہ اسلام کا مزاج معلوم ہو جائے۔

اللہ اس باکمال ہستی کا نام ہے جس کے پاس سارے کمالات ہیں اور کسی طرح کی کوئی کمزوری نہیں ہے۔ لفظ اللہ کے معنی کیا ہیں؟ اللہ وہ ذات جس میں سارے صفات، سارے کمالات پائے جاتے ہوں اور کسی طرح کی کمزوری کا تصوّر نہ ہو سکتا ہو، حد یہ ہے کہ ایسی کمزوری بھی نہیں جو ہم میں آپ میں ہے۔ آپ کی جیب میں مثلاً ایک لاکھ کا چیک تھا، آپ کو میرے حال پر رحم آگیا، آپ نے وہ چیک مجھے دے دیا، میرا نام لکھ دیا۔ پہلے آپ لکھ پتی تھے، اب

میں لکھ پتی ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ آپ کے پاس تھا تو لاکھوں والے کہے گئے، میرے پاس آ گیا میں لاکھوں والا۔ مگر میرے اور آپ کے درمیان فرق کیا رہا؟ بات ضائع نہ ہونے پائے عزیزو! میرے اور آپ کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ آپ کے پاس تھا تو آپ کی کمائی کا تھا، آپ کے پاس تھا تو آپ کا اپنا تھا اور میرے پاس آیا تو آپ کا دیا ہوا ہے، ورنہ نہ دیتے آپ تو میری جیب جیسے خالی ہے ویسے خالی رہ جاتی۔ دنیا میں کوئی کتنا ہی باکمال کیوں نہ پیدا ہو جائے مگر خبردار اسے کوئی اللہ نہ کہنے پائے۔ اس لئے کہ اللہ اُس باکمال ہستی کا نام ہے کہ جس میں کوئی کمزوری نہ پائی جاتی ہو۔ اگر سارا کمال بھی پروردگار کسی کو دیدے تو کم سے کم اتنی بات تو رہ جائے گی کہ جو ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ توجہ کریں۔ ہم نے جن کو انتہائی باکمال مانا ہے اُنھیں اسی لئے اللہ نہیں کہا۔ اللہ وہ ہے جس کے پاس اپنا کمال ہے۔ بندہ وہ ہے جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا کمال ہے، یعنی ہم عوام ہو کے اتنا سمجھ گئے۔ ایک لفظ میں نے کہا ہے بچے نہیں سمجھیں گے بزرگوں سے پوچھ لیں گے۔ ہم عوام جاہل ہو کے اتنا سمجھ گئے کہ ان کے پاس خدا کا دیا ہوا ہے لہٰذا وہ اللہ ہے یہ اللہ نہیں ہیں۔ حیرت ہوتی ہے مذہبوں کے اماموں پر جو کہتے ہیں زندگی گذر گئی مگر ہم یہ طے نہ کر پائے کہ "علیٌّ رَبُّهٗ اَمْ رَبُّهُ اللّٰه" میرا پروردگار یہ ہے یا وہ ہے۔ آپ نہ سمجھے توجہ کریں۔ اور ہم سمجھ گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منزل عقیدہ ہی میں ہم آپ سے آگے نکل گئے، فروعِ دین کے جھگڑے تو بعد میں پیدا ہوں گے۔ (صلوات)

تو پہلا لفظ قرآن میں اسلام نے مسلمان کو سکھایا "الحمد للّٰہ" ساری

تعریف اللہ کے لئے ہے۔ وہ اللہ جو صاحب کمال ہے ایسا صاحبِ کمال ہے کہ ہر کمال اس کے پاس ہے اور کسی طرح کی کوئی کمزوری اس کی ذات اقدس میں نہیں ہے۔ آپ سمجھے کہ یہ بات یہاں سے کیوں شروع ہوئی؟ یہ تفسیر کا ایک نیا رُخ ہے اس کا موقع نہیں ہے، انشاء اللہ جب سورۂ حمد کی تفسیر کبھی چھپ کے آپ کے سامنے آئے گی تو ایسے سیکڑوں مطالب آپ کی نظر سے گذر جائیں گے۔ لیکن فی الحال اس لفظ پر نگاہ رکھیے گا۔

"الحمد للہ" ساری حمد اللہ کے لئے ہے۔ اللہ یعنی صاحب کمال۔ وہ باکمال جس میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ یہ پہلا لفظ قرآن نے مسلمان کو سکھایا تاکہ انسان کمال کی تعریف کرنا سیکھے۔ اب وقت نہیں رہ گیا ہے عزیزو! وقت تمام ہو گیا ہے لہٰذا بات کو یہیں چھوڑتا ہوں تاکہ اگر پہلا لفظ بھی قرآن کا پڑھ لیا تو مسلمان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام میں تعریف کمال کی ہوتی ہے۔ توجہ کریں۔ اگر سارے کمالات اس کے پاس ہیں تو حمد ہو گی۔ توجہ کریں۔ اگر سارے کمالات اس کے پاس ہیں تو حمد ہو گی لیکن تعریف کی بنیاد ہے کمال۔ جب سارے کمالات ہوتے ہیں تو حمد کی جاتی ہے، جب کوئی کمال ہوتا ہے تو مدح کی جاتی ہے۔ مگر مزاجِ اسلام یہ ہے کہ بغیر کمال کے تعریف نہ ہو گی۔ بس میں تقریر تمام کرتے ہوئے ایک ہی جملہ کہتا ہوں، سب سے ہاتھ جوڑ کے ایک ہی گذارش کرتا ہوں۔ ہر تقاضا کیجئے لیکن اگر ہم سے کسی کی تعریف کرانا ہو تو پہلے کمال بتائیے اس لئے کہ اسلام میں معیار ہی تعریف کا، کمال ہے۔ کمالات آپ بتاتے جائیے تعریف ہم کرتے جائیں۔ اب اتنا بڑا حوصلہ کہاں سے لائیں۔ آپ بھی میرے ساتھ ایسی محبت نہیں کر سکتے،

میں منبر پر بیٹھ کے کہوں کہ میں جاہل ہوں، آپ کہیں سبحان اللہ! ۔ میں کہوں گا مجھ سے تو آپ ہی بہتر ہیں، آپ کہیں دیگر سبحان اللہ! ۔ آپ تو آپ، ہیں اندر جو خواتین بیٹھی ہیں وہ مجھ سے بہتر جانتی ہیں، آپ کہیں اور سبحان اللہ! اتنا حوصلہ تو کسی میں نہیں پایا جاتا ہمیں سے ایسے حوصلہ کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے ۔ (صلوات)

اور لفظ آگیا ہے تو یہ جملہ کہہ دیتا ہوں، انشاء اللہ آپ کو یاد رہے گا ۔ اجی کمال پیدا کرنا آپ کا کام ہے، تعریف کرنے والے تو مل ہی جائیں گے ۔ ہم نالائق نکل جائیں گے تعریف نہ کریں گے ۔ وہ نالائق نکل جائیں گے تعریف نہ کریں گے ۔ آپ کمال تو پیدا کیجئے، تعریف کرنے والے تو مل ہی جائیں گے ۔ یہی وجہ ہے جب صاحبِ کمال نے میدان میں کمال کا مظاہرہ کیا اور سب چلے گئے، کوئی تعریف کرنے والا نہیں تھا تو اُدھر والا کہنے لگا "لَا فَتیٰ اِلَّا علیؑ" ۔

لہٰذا کمال کا اظہار انسان کرے، تعریف کرنے والے تو زمین سے آسمان تک مل جاتے ہیں ۔ مالک تعریف کرتا ہے بندوں کا کیا ذکر ہے، پروردگار تعریف کرتا ہے انسانوں کا کیا ذکر ہے، سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تعریف کرتے ہیں اُمتیوں کا کیا ذکر ہے، آسمان والے تعریف کرتے ہیں زمین والوں کا کیا ذکر ہے ۔ لیکن ہو تو کوئی صاحبِ کمال ۔ جب منزلِ کمال میں آیا اگر تلوار چلائی تو "لَا فَتیٰ" کی آواز آئی اور اگر تلوار روک لی تو "یَا مَنْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِهٖ مَلٰٓئِکَةُ السَّمٰوَاتِ" سلام ہو اس مظلوم پر جس کے صبر کو دیکھ کے فرشتے حیرت میں پڑے ہوئے تھے ۔

وہ کمالِ صبر حسین ابن علی (علیہما السّلام)، جس کو دیکھ کے فرشتے حیرت میں پڑے ہوئے تھے اور آپ کو حیرت نہ ہو کہ اس صبر میں، اس منزل میں فرشتے

کیسے حیرت میں پڑ گئے، اس لئے کہ فرشتوں نے سب کچھ سیکھا ہے قربانی کا سبق نہیں سیکھا۔

امام ابو حامد غزالی سے پوچھئے کہ ہجرت کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ جب بسترِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر علی (علیہ السّلام) سو رہے تھے تو پروردگارِ عالم نے جبرئیلؑ اور میکائیلؑ سے کہا کہ یہ بھی دونوں بھائی ہیں اور تم دونوں کو بھی ہم نے بھائی بنا دیا، ہے کوئی جو اپنے بھائی پر جان قربان کر دے۔ دونوں نے معذرت کر لی۔ تب آواز آئی "هَلْ لَا كُنْتُمَا مِثْلَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍؑ"؟ تم علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسے کیوں نہ ہو گئے؟ سجدے کرنا سب کو آتا ہے، قربانی دینا سب کو نہیں آتا۔ عبادت کرنے کا سلیقہ آسمان والوں کے پاس بھی ہے مگر قربانی دینے کا سلیقہ آسمان والوں کے پاس نہیں ہے۔

اور اے اربابِ عزا! جب آپ متوجہ ہی ہو گئے تو مجھے یہ لفظ کہنا ہے اور یہیں سے ذکرِ مصائب پانچ سات منٹ۔ انشاء اللہ بہت روئیں گے، بہت مثاب ہوں گے۔

دنیا یہ سمجھی تھی کہ شاید سجدہ اُن کے حصہ میں آیا، شاید عبادت فرشتوں کے حصّہ میں آئی اور قربانی انسانوں کے حصہ میں آئی۔ قربانی یہاں والے دیں گے، سجدے وہاں والے کریں گے۔ قربان جایئے حسینؑ نے عظمتِ بشریت کی لاج رکھ لی، حسینؑ نے عظمتِ انسانیت کی لاج رکھ لی کہ قربانی دی تو سجدہ کے عالم میں تاکہ دنیا دیکھ لے کہ نہ بشر جیسی کوئی قربانی دے سکتا ہے، نہ انسان

جیسا سجدہ کوئی کرسکتا ہے۔

اور چونکہ میری گفتگو شکرِ پروردگار سے شروع ہوئی تھی اس لئے اب مورّخ کربلا کا بیان پڑھئے "لَمْ اَرَ اِمْرَءًا قَطُّ" کوئی ایسا مطمئن انسان نہ دیکھا جو زخمی بھی ہو "قَدْ قُتِلَ اَصْحَابُهٗ" اس کے اصحاب بھی مارے جائیں "وَاَهْلُ بَيْتِهٖ" اور اس کے اہلِ بیتؑ بھی مارے جائیں "اَرْبَطُ مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ علیہما السّلام" اور حسینؑ بن علیؑ سے زیادہ مطمئن ہو۔ خود زخمی ہو، اصحاب مارے جائیں، دل کے ٹکڑے قربان ہوجائیں اور اتنا مطمئن ہو جتنا حسینؑ مطمئن تھے۔ تاریخ میں کوئی انسان نہ ملا بلکہ جیسے جیسے قربانیاں راہِ خدا میں پیش ہوتی جارہی ہیں مورّخ کربلا کہتا ہے حسینؑ کے چہرہ کا رنگ کھلتا جارہا ہے جن منزلوں میں سب بے قرار ہو کے روتے ہیں وہاں حسینؑ شکر کا سجدہ کرتے ہیں۔ مالک تیرا شکر ہے یہ تیری امانت تیرے حوالہ کردی، حسینؑ تیری امانت کو تیری بارگاہ میں حاضر کر رہا ہے۔

یہ منزلِ اطمینان، یہ منزلِ شکر کائنات میں کہاں پائی جاتی ہے جس کا منظاہرہ کربلا کے میدان میں ہوا۔ اگر یہ مثالیں کہیں اور مل جاتیں تو یہ ہزاروں کا مجمع ذکرِ کربلا کے لئے جمع نہ ہوتا اس لئے کہ دنیا کی تاریخ میں چودہ صدیاں دیکھی گئیں مگر کوئی ایسی منزل نظر نہ آئی کہ جہاں ایسا شکر ادا کرنے والا ایسا بندہ ہو یا ایسے بندے ہوں کہ بیٹوں کے جنازے خیمہ میں لا کے رکھے جائیں اور ماں سجدہ میں سر رکھ دے۔ پروردگار تیرا شکر ہے کہ میرے بچّے تیری راہ میں کام آگئے۔ میدان سے لاشے آئے اور ماں شکرِ خدا ادا کرے۔ شوہر کا جنازہ آئے

اور زوجہ شکر خدا ادا کرے۔ سارے کربلا کا ایک ہی نقشہ دیکھا جن منزلوں کے تصوّر سے دنیا پریشان ہوجائے، جن منزلوں کے تصوّر سے دنیا حیران ہوجائے اس منزل پر کربلا والوں کو شکر کرتے دیکھا۔

بس آپ متوجہ ہوگئے اور روئیں گے بہت روئیں گے ارباب عزا اس لئے کہ میرے سامنے جو مجمع بیٹھا ہوا ہے اس کا تین چوتھائی تو یقیناً جوانوں کا مجمع ہے۔ آج کسی اسّی سال کے صحابی کا ماتم نہیں ہے، کسی ساٹھ برس کے جاں نثار کا ماتم نہیں ہے، آج تو اٹھارہ سال کے کڑیل جوان کا ماتم ہے۔ کس کے دل کا جائزہ لیا جائے، کس سے پوچھا جائے، کس باپ سے پوچھے کہ تمھارا جوان بیٹا جُدا ہوجائے تو تمھارا کیا عالم ہوگا؟ کس ماں سے پوچھے کہ تمھارا بیٹا رخصت ہوجائے تو تمھارا کیا عالم ہوگا؟ کون اس جذبہ کو پہچان سکتا ہے جو کربلا میں حوصلہ دیکھا گیا، چاہنے والے خدا کی راہ میں قربان ہوگئے۔

اب جو بنی ہاشم کی قربانی کا وقت آیا تو فرزند رسولؐ نے فرمایا "بُنَیَّ تَقَدَّمْ" اے میرے لال اکبر اب تم جاؤ، بیٹا اب تم میدان میں جاؤ۔ بیٹا کب سے انتظار کر رہا ہے کہ بابا اجازت دیں اور میں جا کے قربان ہوجاؤں۔ قربانی کے لئے لال تیار ہے۔ جیسے ہی حسین علیہ السّلام نے فرمایا ویسے ہی بیٹا آمادہ ہوگیا میدان میں جانے کے لئے۔ کہا مگر بیٹا پہلے خیمے میں جاؤ۔ جاؤ جا کے خیمے سے رخصت ہو کے آؤ۔ جاؤ ماں کو سلام کر کے آؤ۔ جاؤ پھوپھی سے رخصت ہو کے آؤ۔ پہلے خیمے سے رخصت ہو کے آؤ اس کے بعد میدان میں جانا۔ باپ نے حکم دیا علی اکبرؑ خیمے میں آئے۔ آ کے ماں کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ اماں! اب آپ میدان میں جانے کی اجازت

دیجئے۔ روایتوں کی بنیاد پر، ماں نے دیکھا میرے لال میدان میں جانا چاہتے ہو پہلے پھوپھی سے تو بات کرو جس نے ناز و نعم سے پالا ہے، مشقتوں سے پالا ہے۔ پھوپھی کے سامنے آ کے کھڑے ہو گئے۔ بیٹا خیر تو کیوں آئے؟ کہا پھوپھی اماں اب مرنے کی اجازت دیجئے، چاہنے والے کام آگئے، بابا اکیلے ہوئے جا رہے ہیں۔ زینبؑ نے سر سے پیر تک اکبرؑ کو دیکھا۔ ہاں میرے لال میں نے اٹھارہ سال تمھیں پالا ہے اب تم مجھ سے مرنے کی اجازت لینے کے لئے آئے ہو۔ کہا پھوپھی اماں اگر آپ اجازت نہ دیں گی تو میں رک جاؤں گا۔ لیکن اگر محشر میں یہ سوال اٹھا کہ حسینؑ زیادہ عزیز تھا یا علی اکبرؑ، تو کون جواب دے گا؟ کہا بیٹا اگر بھیا کا معاملہ ہے تو جاؤ قربان ہو جاؤ۔ لو رونے والو مجلس تمام ہو رہی ہے۔ اُدھر سے پھوپھی نے رخصت کیا اِدھر سے ماں نے رخصت کیا۔ اب علی اکبرؑ خیمہ سے نکلنا چاہتے ہیں۔ نہ سُن سکو گے اور عزیزو، نہ برداشت کر سکو گے۔ مورخ کربلا کہتا ہے کہ میں نے دیکھا بار بار خیمہ کا پردہ اٹھتا ہے، گرتا ہے۔ جب علی اکبرؑ نکلنا چاہتے ہیں تو کوئی دامن پکڑ کے کھینچ لیتا ہے۔ پھر پلٹ جاتے ہیں، بار بار باہر جانا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ اکبرؑ نے کہا بی بیو! تم نے تو رخصت کر دیا تھا، اب مجھے جانے دو۔ میرا بابا اکیلا رہ گیا ہے۔ کہا علی اکبر جاؤ مگر ایک لمحہ کے لئے ٹھہر جاؤ۔ علی اکبرؑ نے کہا بی بیو، جو کہنا ہے جلدی کہو۔ کہا علی اکبرؑ میدان میں تو جا رہے ہو "اِرْحَمْ غُرْبَتَنَا" ہماری غربت کا خیال رکھنا، ہماری بیکسی کا خیال رکھنا علی اکبرؑ نے کہا تمھیں اپنی غربت کا خیال ہے میرا بابا بھی تو غریب ہے۔ یہ کہہ کے اب جو خیمہ سے نکلے تو جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔

رونے والو! اس مقام پر میں ایک فقرہ کہا کرتا ہوں اور شاید یہیں مجلس

تمام کر دوں گا۔ میں نہ سمجھا کہ یہ بار بار پردہ کیوں گرتا ہے، اٹھ جاتا ہے؟ علی اکبرؑ کیوں واپس چلے جاتے ہیں۔ پھوپھی نے تو اجازت دے دی، ماں نے تو رخصت کر دیا، بیدانیوں نے تو خدا حافظ کہہ دیا، یہ کون اب واپس بُلا رہا ہے؟ یہ کون روک رہا ہے؟۔ اولاد والو! میں نے روایت میں کسی کا نام تو نہیں دیکھا۔ مگر یہ خیال آتا ہے کہ کسی بڑے نے روکا ہوتا تو بازو پکڑا ہوتا۔ مگر روایت کہتی ہے کوئی دامن پکڑکے کھینچ رہا ہے۔ عجب نہیں چھوٹی بہن آگے بڑھی، اے بھیّا اب آپ بھی میدان میں جا رہے ہیں؟۔

حسینؑ آئے، علی اکبرؑ کو سجا کے گھوڑے پر بٹھایا۔ میدان کی طرف چلے۔ اے بیٹا جب تک سامنا رہے مڑ مڑ کے اپنی شکل دکھاتے جانا۔ چند لمحے نہ گذرے۔ علی اکبرؑ نے آہٹ محسوس کی، مُڑ کے دیکھا، ضعیف باپ کمر تھامے چلا آ رہا ہے۔ کہا اے بابا آپ نے تو رخصت کر دیا تھا اب کیوں آئے۔ کہا بیٹا اگر تم صاحب اولاد ہوتے تو یہ معلوم ہوتا کہ جوان بیٹے کو رخصت کرنے کے بعد ضعیف باپ پر کیا گذرتی ہے۔

اے مرے لال جاؤ خدا کو سونپا اے علی اکبرؑ!

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ۔

مجلس ۱۱

اِنّا لِلّٰہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا۔

"پیغمبرؐ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہوں مگر فرق یہ ہے کہ میری طرف مسلسل یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے، جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"۔

آغاز عشرۂ محرم الحرام سے مسئلۂ توحیدِ پروردگار سے متعلق جو معروضات آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے اس کے تقریباً آخری مرحلہ پر آج عقیدۂ توحید کی ایک اور قسم کے بارے میں چند لفظیں گذارش کرنا ہیں۔ شبِ عاشور کسی تفصیلی تذکرہ کی متحمل نہیں ہے لیکن موضوع ایسا ہے کہ جس کی طرف توجہ دیئے بغیر انسان واقعاً عظمتِ حسین ابن علی علیہما السلام کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

ابھی تک میں نے آپ کے سامنے توحیدِ پروردگار کے جن شعبوں سے

علق اپنے معروضات پیش کئے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ مالک تو ایک ہے،
س کی ذات میں وحدانیت اور یکتائی پائی جاتی ہے، اور اس کے بعد کُل
ائنات اس کی ہے۔ عبادتیں اس کے لئے، ملک اس کے لئے، احکام اس کے
یں، اور ان سب کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان یہ بھی طے کرے کہ جیسے کل کائنات
س کی ہے، ویسے ہی ہم بھی اسی کے ہیں۔

عقیدۂ توحید کا نچوڑ ہے یہ کلمہ "اِنَّا لِلّٰہِ" ہم اللہ کے لئے ہیں ورنہ
ہاں انسان کو یہ تصوّر پیدا ہو گیا کہ کوئی چیز ہماری بھی ہے اس کا مطلب یہ
ہے کہ وحدانیت کے عقیدہ میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ ساری کائنات بھی
مارے قبضہ میں آجائے تو اس قبضہ کی حقیقت کیا ہے، ہم خود ہی اس کے
یں۔ یہ لفظ وہ ہے جس کو زبان سے ادا کرنا بہت آسان ہے، مگر دل کی
گہرائیوں میں اُتر جانا بہت مشکل ہے۔ انسان کے اندر جذبۂ للّٰہیت پیدا
ہو جائے اور واقعاً یہ تصوّر پیدا ہو جائے کہ ہم اللہ کے ہیں۔ یہ مسئلہ نہ سوچنے
سمجھنے میں آسان ہے، نہ منزل عمل میں لانے میں آسان ہے۔ میں دو تین
واقع آپ کے سامنے گذارش کروں اور اس کے بعد بیان کو اپنی آخری
منزل تک لے آؤں تاکہ آپ پہچانیں کہ یہ للّٰہیت کیا ہے جس کے اقرار
کے لئے ہم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی مصیبت آجائے تو مالک کی بارگاہ
یں یہ کہو "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ہم اللہ کے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں
پلٹ کے جانے والے ہیں۔

قرآن مجید نے اس لفظ کا حوالہ دینے سے پہلے اُن مواقع کا حوالہ دیا جہاں

انسان کی للّٰہیت کا امتحان ہوتا ہے "وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ" دیکھو ہم تم سب کو آزمائیں گے، تم سب کا امتحان لیں گے، تم سب کو منزلِ آزمائش میں لائیں گے اور ہمارے امتحانات کے پانچ طریقے ہوں گے۔ کبھی تمہیں خوف سے آزمائیں گے، کبھی تمہیں بھوک سے آزمائیں گے، کبھی اموال میں کمی ہوگی، کبھی نفس میں کمی ہوگی، کبھی ثمرات میں کمی ہوگی۔ اتنے امتحانات کی منزل سے گذرنے کے بعد میرے حبیب آپ کہیے "وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ"۔ اگر کوئی صبر و سکون کے ساتھ ان منزلوں سے گذر جائے تو وہی کامیاب کہے جانے کے لائق ہے۔ مگر صبر کا مطلب کیا ہوتا ہے "اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ"۔ صابرین کی شان یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آجائے تو کہیں ہم تو اللہ کے لئے ہیں اور پلٹ کے اللہ کی بارگاہ میں جانے والے ہیں۔ یعنی یہ کوئی ایسا کلمہ نہیں ہے جو گھر میں بیٹھ کے تسبیح لے کے پڑھا جائے۔ جب انسان خوف میں گھر جائے تو کہے" انّا للّٰہ۔ جب بھوک کی شدت سے پریشان ہو تو کہے" انّا للّٰہ"۔ جب مال لٹ رہا ہو تو کہے" انّا للّٰہ"۔ جب اولاد قتل ہو رہی ہو تب کہے انا للّٰہ"۔ جب اپنی جان جا رہی ہو تب کہے" انّا للّٰہ"۔ اب سمجھے " انّا للّٰہ"، مجبوریوں کا اعلان نہیں ہے حوصلوں کا اعلان ہے۔ (صلوات)

ہم نے ابھی" انا للّٰہ" کا لہجہ بھی نہیں پہچانا کسی مصیبت کی خبر آئی، کسی کے مرنے کی اطلاع آئی کہنے لگے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" جیسے کسی بیکسی کا اعلان ہو رہا ہو، جیسے کسی غربت کا اعلان کر رہا ہو کسی مجبوری کا اعلان ہو رہا ہو یعنی کیا کریں جانے والا چلا گیا اب تو بس بھی نہیں چلتا ہے کہ ملک الموت سے اسے واپس لے آئیں۔

نہیں عزیزو! اگر مسئلہ یہ ہوتا۔ توجہ کریں۔ بڑی قیمتی بات گذارش کر رہا
ہوں، اگر انّا للہ کا تعلق مرنے والے سے ہوتا تو بات انّا للہ پر ختم ہو جاتی لیکن
قرآن نے جو کلمہ پڑھوایا ہے، جو اقرار لیا ہے وہ تنہا انّا للہ نہیں ہے "وَاِنَّا اِلَیْہِ
رَاجِعُوْنَ" بھی ہے۔ یعنی ہم بھی اللہ کے لئے ہیں، ہمیں بھی پلٹ کے خدا کی
بارگاہ میں جانا ہے۔ مسئلہ ان کے جانے کے افسوس کا نہیں ہے۔ توجہ کریں۔
مسئلہ اپنے جانے کے حوصلہ کا ہے، اپنے جانے کی ہمّت کا ہے، یعنی خبر مصیبت
سننے کے بعد دل ٹوٹا نہیں ہے، ہمّت پست نہیں ہوئی ہے، بلکہ حوصلہ اور بلند
ہو گیا، وہ چلے گئے ہمیں بھی جانا ہے، وہ چلے گئے ہم بھی جانے کے لئے تیار
ہیں۔ یہ حوصلہ جب پیدا ہو جائے تب کہو "انّا للہ"۔ نہیں ابھی آپ نے غور نہیں
کیا؟۔ میں قرآن مجید کی دوسری آیت پڑھوں تاکہ آپ یہ سمجھیں کہ یہ انّا للہ
کیا ہے؟ تاکہ آپ کو محسوس ہو کہ انّا للہ کے اندر کون سا جذبہ اور کون سا حوصلہ
پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے انسانوں کو موت سے آگاہ کیا "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ
الْمَوْتِ" آپ برابر سنتے رہتے ہیں "ہر نفس موت کا مزا چکھنے والا ہے۔ آپ کو
جانا ہے، مجھے جانا ہے، انھیں جانا ہے۔ یہ پندرہ ہزار افراد جو یہاں بیٹھے ہوئے
ہیں، کوئی یہاں رہنے کے لئے نہیں آیا ہے، سب جانے کے لئے آئے ہیں۔ مگر
ہمارے جانے کی شان کیا ہے "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" ہر نفس موت کا
مزہ چکھنے والا ہے۔ "ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ" اس کے بعد تم پلٹا کر لائے جاؤ گے۔
آپ اس اس لفظ کی بلاغت کو محسوس کریں۔ پروردگار اپنے بندوں کو متوجہ
کر رہا ہے یہاں کوئی رہنے والا نہیں ہے۔ یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ہم یہاں رہ جائیں گے۔

ہزار سال رہو، دو ہزار سال، دس ہزار سال لیکن اس کے بعد آنا ہوگا۔ مگر لہجہ کیا ہے "ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ" تم ہماری بارگاہ میں پلٹا کر لائے جاؤ گے۔ آپ نے اس "لائے جاؤ گے" کی مجبوری کو محسوس کیا؟ یعنی اس کا مطلب کیا ہے کہ اگر کہیں ہمارا بس چلے تو کبھی جانے کے لئے تیار نہ ہوں اور جہاں تک بس چلتا ہے کون تیار ہوتا ہے، جہاں تک انسان کی طاقت کام کرتی ہے کون جانے کے لئے تیار ہوتا ہے؟ دواؤں کے ذریعہ روکتے ہیں، دعاؤں کے ذریعہ روکتے ہیں، انتظامات کے ذریعہ روکتے ہیں، سیکورٹی کے ذریعہ روکتے ہیں، ہر طرح آدمی کو روک لیا جائے کوئی جانے نہ پائے۔ پروردگار نے کہا یہ ساری تدبیریں ناکام ہو جائیں گی۔ "ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ" تم پلٹا کے لائے جاؤ گے، کوئی انتظام کام آنے والا نہیں ہے، جب ہم بلائیں گے تو بالآخر تم کو آنا پڑے گا۔ ورنہ بندہ کا حال تو قرآن مجید کہتا ہے۔ جب مر گیا اور مالک کی بارگاہ میں گویا پہونچ گیا تو جا کے کہتا ہے "رَبِّ ارْجِعُوْنِ" پروردگار پھر پلٹا دے۔ پڑھئے قرآن مجید یہ انسان کے جذبہ کی صحیح ترجمانی ہے جو قرآن نے کی ہے۔ اب مرنے کے بعد جب خدا کی بارگاہ میں پیشی کا وقت آیا تو بندہ نے کہا "رَبِّ ارْجِعُوْنِ" پروردگار مجھے پلٹا دے "لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا" شاید میں دنیا میں جا کے اب ٹھیک کام کر لوں۔ میں نے کیا کہا؟ یہ انسان کا اعلان نہیں ہے یہ انسان کے حالات کی ترجمانی ہے، ورنہ اگر ہمیں بولنے کا موقع ملتا اور ہم یہ درخواست پیش کرتے تو کبھی شاید نہ کہتے۔

میں نے عرض کیا تھا آج ان تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے مگر قرآن کی لفظوں کی بلاغت کو دیکھئے "رَبِّ ارْجِعُوْنِ" پروردگار ہم کو پلٹا دے "لَعَلِّیْ اَعْمَلُ

صَالِحًا" شاید میں دوبارہ جا کے نیک کام کروں۔ جو اعتبار دلا کے پلٹنا چاہتا ہے وہ شاید نہیں کہتا، وہ ایسا کہتا ہے کہ جتنا کر آیا اس کے سو گنا کروں گا ذرا واپس کر کے دیکھ تو لے۔ مگر قرآن کہتا ہے "لَعَلِّیْ" شاید میں نیک کام کروں۔ یہ علامت ہے کہ کہنے والا نہیں کہہ رہا ہے، مالک اس کے حالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اگر آپ نے اس نکتہ کو پہچان لیا تو اب پہچانئے سب کا حال یہ ہے کہ سب کے حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ پلٹا دے شاید اب ٹھیک ہو جائیں، دوبارہ جائیں شاید اب نیک کام کریں۔ تو جو ہمارے حالات تھے اس کی ترجمانی بھی قرآن نے کر دی، اسی لئے لفظ "شاید" استعمال کیا۔ تو پروردگار جو کمزور تھے ان کا جذبہ تو معلوم ہو گیا "شاید" کہہ کے، تو جو تیرے نیک کردار بندے ہیں ان کے جذبے کی ترجمانی کون کرے گا؟ مالک نے کہا تمھارا حال زار بھی میں ہی بتاؤں گا اور ان کا کردار بھی میں ہی بتاؤں گا۔ تم جب بولے بھی تو یہ کہا شاید نیک کام کروں۔ وہ کچھ نہ بولے میں ہی کہہ رہا ہوں "اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ" اے یتیمو! اے مسکینو! اے اسیرو! ہم تمھیں لوجہ اللہ کھلا رہے ہیں۔ یعنی بندہ نہیں بولتا مالک اس کی حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ (صلوات)

تو میں نے کیا عرض کیا سب کا حال یہ ہے کہ موت سب کو آنے والی ہے۔ "ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ" اس کے بعد تم پلٹا کر لائے جاؤ گے۔ یعنی گویا صاف لفظوں میں یہ اعلان ہے کہ اگر تم خود سے آنے کے لئے تیار ہوتے تو ہم کیوں کہتے لائے جاؤ گے۔ تم میں اگر ہماری بارگاہ میں آنے کا حوصلہ ہوتا تو ہم کیوں یہ کہتے پلٹا کے لائے جاؤ گے۔ یہ "لائے جاؤ گے" اس بات کی علامت ہے کہ

بندہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وقت نہیں ہے لیکن ایک جملہ گذارش کرنا ہے۔
جب پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ انسان موت سے گھبراتا ہے۔ ہر آدمی کا حال یہی ہے کہ موت سامنے آئی اور انسان گھبرانے لگا۔ کیا وجہ ہے کہ کوئی مرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا؟ کہا مسئلہ تو بہت واضح ہے "عَمَّرْتُمُ الدُّنْیَا وَ خَرَّبْتُمُ الْاٰخِرَۃَ" تم نے دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو برباد کیا۔ کون آبادیوں کو چھوڑ کے خرابوں میں جائے گا؟۔ نہیں توجہ کی عزیزو؟۔ شبِ عاشور اس کو پہچانئے۔ انسان موت سے کیوں گھبراتا ہے کہ تم نے دنیا کو آباد کیا آخرت کو برباد کیا۔ آبادی کو چھوڑ کے خرابے میں جانا نہیں چاہتے۔ تو جتنے موت سے گھبرانے والے ہیں، سب وہ ہیں جنھوں نے دنیا کو بسایا ہے، آخرت کو برباد کر دیا۔ تو اُن کا حال تو معلوم ہو گیا، اب اگر کسی نے دنیا کو اُجاڑ کے آخرت کو آباد کیا ہے تو اس کا نقشہ اس سے کچھ الگ ہونا چاہیئے، سب موت سے گھبرا رہے ہیں وہاں ہر ایک کہتا ہے مولاؑ مجھے جانے دیجئے، پہلے مجھے جانے دیجئے۔ یہ علامت ہے کہ دنیا اُجڑ جائے مگر آخرت کو سنبھال کے رکھا ہے۔ (صلوات)

تو ساری دنیا کا حال یہ ہے کہ سب پلٹا کے لائے جائیں گے۔ اس کے بعد درمیان میں ایک آواز آتی ہے مگر جو ہمارے صابر بندے ہیں "قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" ان کا اعلان یہ ہے کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم خود پلٹ کر مالک کی بارگاہ میں جانے والے ہیں، جو لے جائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ بس میں آگے آپ کو نہیں لے جاؤں گا فقط اس نکتہ کو واضح کرنا چاہتا تھا کہ جو لے جائے جائیں گے وہ اور ہیں، جو خود کہتے ہیں ہم پلٹ کے جانے والے ہیں

رہ جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ جن کی عاقبت کمزور ہے وہ لے جائے جائیں گے، جن کو اپنی آخرت پر اعتبار ہے وہ جانے کے لئے تیار ہیں۔ تو اب آپ کو اندازہ ہوا کہ "مُرْجِعُوْنَ" کمزوری کا اعلان ہے "رَاجِعُوْنَ" حوصلہ کا اعلان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں دنیا سے چلے گئے مگر کسی کی زبان پر "رَاجِعُوْنَ" نہ دیکھا۔ کاش میری بات ضائع نہ ہو جائے۔ کروڑوں انسان مر کے چلے گئے مگر کسی کو "رَاجِعُوْنَ" کہتے نہ دیکھا کہ ہم پلٹ کے جانے والے ہیں۔

تاریخ اسلام اس نکتہ پر متفق ہے کہ میدانِ جہاد میں جب اللہ کے نیک بندے قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ نبیؐ کے دَور میں جب قرآن نازل ہو رہا تھا ایک گیا کام آیا، دوسرا گیا قربان ہو گیا، تو سب سے پہلے علی علیہ السلام کی زبان پر یہ فقرہ آیا "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ"۔ اگر حمزہ گئے تو گئے، ہم جانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر اس کے پہلے جانے والے گئے تو ہم جانے کے لئے تیار ہیں۔ اب آپ کو اندازہ ہوا یہ ہمّت کا اعلان ہے، یہ حوصلہ کا اعلان ہے، یہ مرنے والے کے بارے میں اعلان نہیں ہے، یہ رہ جانے والے کے بارے میں اعلان ہے۔ (صلوات)

تو میں گذارش کر رہا تھا وہ للّٰہیت کیا ہے کہ جس کے بارے میں انسان اعلان کرتا ہے "اِنَّا لِلّٰهِ" ہم اللہ کے لئے ہیں۔ تاریخ میں سب سے پہلے یہ فقرہ مولائے کائنات کی زبان اقدس پر آیا "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ"۔ اور پروردگار نے اُسی لہجہ میں اس کو ذکر کیا یہ نہیں فرمایا کہ صابر وہ ہوتے ہیں جو "یقولون" جو یہ کہتے ہیں کہ "اِنَّا لِلّٰهِ"۔ نہیں توجہ کی؟ اگر عربی لہجہ سے آپ آشنا ہیں تو قرآن مجید کی آیت یوں نہیں آئی کہ "وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ" ان صبر کرنے والوں کو

بشارت دیں کہ جن پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو "یَقُوْلُوْنَ" کہتے ہیں "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" نہیں۔ "اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا" ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیں، جنھوں نے مصیبت پر کہا "انّا للّٰہ"، فرق پہچانئے اگر خدا یہ کہتا کہ "کہتے ہیں" تو اس کا نام تعلیم ہوتا۔ یعنی خدا سکھا رہا ہے کہ صابر بننا ہے تو کہو۔ لیکن جب خدا نے کہا، انھوں نے کہا "انا اللّٰہ" تو یہ تعلیم نہیں ہے، یہ کردار کا تذکرہ ہے۔ کوئی صاحب کردار ہے جس نے اپنے کردار کو "انّا للّٰہ" کے سانچے میں ڈھال دیا۔ (صلوات)

تو عزیزانِ محترم! آئیے دیکھیں یہ "انا للّٰہ" کیا ہے؟ تھوڑی دیر اس مسئلہ کو پہچانیں کہ انسان کے کردار کی کون سی بلندی ہے جس بلندی کا نام ہے "انّا للّٰہ"۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی للّٰہیت کا اعلان کیا بلکہ قرآن مجید نے اعلان کرایا پروردگار نے کہا میرے حبیب آپ اپنے اعمال و کردار کی للّٰہیت کا اعلان کیجیے "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پیغمبرؐ! آپ یہ اعلان کردیجیے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری ساری زندگی، حد یہ ہے کہ میری موت سب "لِلّٰہ" سب اللہ کے لیے ہے۔ اب اس سے بڑی للّٰہیت کیا ہوگی؟ ہم چوبیس ۲۴ گھنٹے میں تیئس ۲۳ گھنٹے دنیا کا کاروبار کرتے ہیں اپنے لیے۔ سترہ ۱۷ رکعت نماز ایک گھنٹہ میں سب ملا کے پڑھتے ہیں اللہ کے لیے۔ اتنا حصہ للہ، باقی سب اپنے لیے۔ دکان پر بیٹھے اپنے لیے، اپنے بچوں کے لیے، دفتر میں گئے اپنے لیے یا اپنے بچوں کے لیے، ساری زندگی گذاردی اپنے لیے یا اپنے گھر والوں کے لیے، اپنے دوستوں کے واسطے، اپنے چاہنے والوں کے لیے۔ ایک حصہ ہوتا ہے جو للہ ہوتا ہے

بھی اگر ہو جائے مگر اللہ نے پیغمبر سے اعلان کرایا کہ کہئے "مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ"
ری پوری حیات۔ توجہ کریں۔ حد یہ ہے کہ میری موت بھی لِلّٰہ سب اللہ کے
ئے ہے۔
فرق کیا ہوتا ہے جو عمل اللہ کے لئے ہوتا ہے اُسے عبادت کہا جاتا ہے۔
جہ کریں۔ عبادت کی شرط یہ ہے کہ عبادت کو اللہ کے لئے ہونا چاہیئے۔ اگر
پ لِلّٰہیت رکھتے ہیں تو اس کا نام نماز ہوگا، ورنہ یہ اُٹھنا بیٹھنا ہے نماز نہیں
ہے۔ اس لئے نیّت کرتے ہیں "قُرْبَةً اِلَى اللهِ" اللہ سے قریب ہونے کے
لئے۔ تو یہی قیام وقعود اگر اللہ کے لئے ہے تو نماز، ورنہ ورزش۔ یہی روزہ اگر اللہ
کے لئے ہے تو روزہ ورنہ فاقہ۔ توجہ کریں۔ یہی طواف اگر اللہ کے لئے ہے تو طواف
ورنہ چکر۔ یہی جہاد اگر اللہ کے لئے ہے تو جہاد ورنہ مار پیٹ۔ توجہ کریں۔ حد یہ ہے
کہ نیّت شامل ہو جائے تو اُسی ڈوبنے کا نام غسل ہو جائے اور اگر لِلّٰہیت ختم ہو جائے
تو ڈوب مرنا ہے غسل نہیں ہوا۔ توجہ کریں۔ تو لِلّٰہیت وہ ہے جو عمل کو عبادت
بناتی ہے۔ میری طرف متوجہ رہیں۔ یہ لِلّٰہیت ہے جو عمل کو عبادت بناتی ہے۔ تو
ہم نے جب نماز پڑھی اللہ کے لئے تو نماز اللہ کے لئے۔ وضو کیا اللہ کے لئے
تو وضو اللہ کے لئے ہو گیا۔ ہر عمل جو اللہ کے لئے ہوا وہ عبادت ہو گیا۔ لیکن کتنے
کام چوبیس گھنٹے میں لِلّٰہ کئے۔ جتنے کام لِلّٰہ کئے ایک وضو کیا، ایک نماز پڑھی،
ماہ رمضان میں روزہ رکھا اتنا ہو گیا لِلّٰہ۔ باقی ساری زندگی تو اپنے لئے ہو گئی۔
مگر پیغمبرؐ سے کہلوایا گیا میرے حبیب آپ یہ کہئے کہ میری پوری حیات لِلّٰہ۔ میں
چاہتا ہوں کہ اس لفظ کی قیمت پہچانیں۔ یعنی جیسے تمہاری نماز اللہ کے لئے ہے

میرا اُٹھنا اللہ کے لئے ہے۔ جیسے تمہارا روزہ اللہ کے لئے، ویسے میرا بیٹھنا اللہ
کے لئے ہے۔ جیسے تمہارا طواف اللہ کے لئے، ویسے میرا ہر عمل اللہ کے لئے
یعنی تمہاری زندگی میں عبادت بھی ہے غیر عبادت بھی، میری پوری زندگی عبادت
ہی عبادت ہے۔ توجہ کریں۔ تو جب میری پوری حیات اللہ کے لئے ہے
قرآن نے اعلان کیا، پیغمبرؐ نے اعلان کیا۔ خدا نے اعلان کرایا تو جب سرکار کی
پوری زندگی اللہ کے لئے ہے تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ اگر کسی سے محبت کریں تو
پھر نہ کہیئے گا یہ رشتہ کے لیے ہے۔ کہیئے اللہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ
ان کی تو پوری حیات اللہ کے لئے ہے۔ اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو کہیئے یہ اللہ
کے لئے ہے۔ اگر کسی سے نفرت کرتے ہیں تو کہیئے کہ یہ اللہ کے لئے ہے۔ اگر
کسی کو کاندھے پر بٹھاتے ہیں تو کہیئے اللہ کے لئے ہے۔ کسی کو کاندھے پر
اُٹھاتے ہیں تو کہیئے اللہ کے لئے ہے۔ حد یہ ہے کہ کسی کے لئے محفل میں اُٹھتے
ہیں تو کہیئے اللہ کے لئے ہے۔ کسی کو محفل سے اُٹھاتے ہیں تو کہیئے یہ بھی اللہ
کے لئے ہے۔ (صلوات)

پوری زندگی کا للہ گذار دینا آسان نہیں ہے۔ اسی لئے کبھی میں نے یہ
فقرہ کہا تھا کہ ان دونوں جملوں کو اگر آپ ملا لیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ
ایک ہی انداز، ایک ہی لہجہ، ایک ہی فکر، ایک ہی کردار۔ حضورؐ نے تفصیل
بیان کی میری نماز، میری عبادتیں، میری حیات، میری موت، یہ سب للہ۔ علیؑ
نے میدان میں ایک جملہ کہا تھا "اِنّا لِلّٰہِ" میں اللہ کے لئے۔ جب میں اللہ کے
لئے تو نماز بھی اللہ کے لئے، عبادت بھی اللہ کے لئے، حیات بھی اللہ کے

لئے، موت بھی اللہ کے لئے۔ نبیؐ نے اس کو پھیلا کے بیان کیا۔ میں نے جو لفظ کہی ہے اس کے معنی پہچانئے گا۔ حضورؐ نے اس کو تفصیل سے بیان کیا۔ علیؑ نے اس کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کر دیا۔ یعنی اگر تفصیل میں چلے جاؤ تو حیات، موت، نماز سب۔ اجمال میں آجاؤ تو میرا سارا وجود اللہ کے لئے۔ تفصیل نبی سے ملی، اجمال علیؑ کی حیات میں دیکھا۔ میرے اس لفظ کے معنی پہچانئے۔ تفصیل نبیؐ کے بیان میں دیکھی، اجمال علیؑ کے یہاں دیکھا۔ اور ہونا بھی چاہیئے تھا اس لئے کہ قرآن ان کی زبان پر تھا نقطہ انھیں بنایا گیا تھا۔ (صلوات)

خلیلِ خدا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا "اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ" بیٹا میں خواب میں جیسے دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، "فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی"، بیٹا بتاؤ تمھاری رائے کیا ہے؟ تم اس سلسلہ میں کیا کہنا چاہتے ہو؟ ۔ کیا کہا جناب اسماعیلؑ نے "یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ" بابا جو آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس پر عمل کریں "سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ" انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ توجہ کریں۔ انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ جب جناب اسماعیلؑ عنفوانِ شباب میں، ابتدائے شباب میں اپنی زندگی قربان کرنے کے لئے تیار ہوئے تو کہا انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

صابروں کی تعریف کیا ہے؟ جب مصیبت آئے تو "قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ"، قرآن نے صابروں کی یہی تعریف تو کی ہے "اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ" جو مصیبت میں کہیں "اِنَّا لِلّٰہِ" اس کا مطلب یہ ہے کہ للّٰہیت کا اعلان اسماعیلؑ درپردہ

کر رہے ہیں۔ کاش میرے پاس وقت ہوتا اور میں اپنے بچوں کو یہ بات سمجھا سکتا۔ لیکن اشارہ کرتا ہوں انشاء اللہ آپ صاحبانِ فہم ہیں سمجھیں گے۔

اسماعیلؑ نے کیا کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ یعنی جو شانِ صبر ہے "للّٰہیت" انشاء اللہ۔ آپ دیکھیں گے کہ مجھ میں ہے یہ انشاء اللہ نہ بھولئے گا قرآن ہے یہ۔ "سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ" نہ بھی کہیں تو اللہ کے نیک بندوں کے بیان میں انشاء اللہ تو رہتا ہی ہے، وہ مشیتِ خدا سے ہٹ کے کوئی کام تو کرتے نہیں مگر یہ تو قرآن میں آ گیا کہ اسماعیلؑ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، اور صبر کرنے والوں کا کام لِلّٰہ ہوتا ہے۔ یعنی اسماعیلؑ اپنی قربانی کی منزل میں للّٰہیت کا اعلان تو کر رہے ہیں۔ میں الفاظ تلاش کر رہا ہوں کسی نبی خدا کی شان میں گستاخی نہ ہو جائے اس لئے کہ ہر پیغمبر کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ مگر جتنا قرآن نے کہا اتنا تو سمجھ میں آتا ہے، انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ یعنی آپ میرے گلے پر چھری رکھئے، آپ مجھے ذبح کیجئے آپ انشاء اللہ میرے عمل میں للّٰہیت دیکھیں گے۔ اس سے زیادہ تو اسماعیلؑ نے اعلان بھی نہیں کیا۔ توجہ کریں۔ یعنی اپنی للّٰہیت میں "انشاء اللہ" شامل کیا۔ خدا نے چاہا تو آپ میری للّٰہیت کو دیکھ لیں گے۔ کتنا فرق ہے اس کردار میں جو صابروں میں شامل ہونے کے لئے انشاء اللہ کا لفظ استعمال کرے اور جس کے صبر کا خدا یوں اعلان کرے کہ نبی! صابروں کو بشارت دے دیجئے وہ صابروں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے صابر ہونے کی سند پروردگار کی طرف سے آئی تو کوئی تو فرق ہونا چاہیئے تھا اسماعیلؑ اور علیؑ کی قربانی

ہیں، شاید یہی فرق تھا جس کو معصومؑ نے بتایا جو انشاءاللہ والا تھا وہ صبر کہہ رہا تھا۔ توجہ کریں۔ جو انشاءاللہ والا تھا وہ اپنے کو صابر کہہ رہا تھا جو اس سے ذرا آگے بڑھ گیا تھا اب وہ صبر کا نام نہیں لیتا قربانی کا ذکر آیا سجدۂ شکر کیا۔ توجہ کریں۔ یعنی صبر کا مظاہرہ، ہجرت کی رات بستر پیغمبرؐ پر شکر خدا کا مظاہرہ، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسماعیلؑ قربانی کو مصیبت سمجھتے ہیں، علیؑ قربانی کو نعمت پروردگار سمجھتے ہیں۔ (صلوات)

جب انسان کے کردار میں یہ بلندی پیدا ہو جائے کہ "اِنَّا لِلّٰہِ" ہر انسان کی زندگی میں، ہر انسان کے کردار میں یہ عظمتیں نہیں پیدا ہوتیں مگر الحمدللہ تاریخ بشریت میں، تاریخ اسلام وایمان میں ایسی شخصیتیں پائی جاتی ہیں جن کا سراپا وجود اِنَّا لِلّٰہِ ہے، جن کی ساری زندگی کا نقشہ "اِنَّا لِلّٰہِ" ہم اللہ کے لئے ہیں اور پلٹ کے اسی کی بارگاہ میں جانے والے ہیں۔

میں آپ کو دور نہ لے جاؤں گا ورنہ بہت سی باتیں اس مقام پر کہنے کی تھیں، اگر موقع ہوگا تو پھر گذارش کروں گا۔ صرف ایک بات آج عرض کرنا ہے اور یہیں سے سلسلۂ ذکر مصائب۔

حدیث مبارک قدسی میں پروردگار عالم نے اپنے بندوں سے ایک وعدہ کیا ہے اور اگر یہ الفاظ نہ بھی ہوتے تو پروردگار کی رحمانیت، مالک کی رحیمیت اس کی کریمیت، اس کا حنّان ومنّان ہونا بغیر کسی اعلان کے اس حقیقت کا اعلان ہے۔ لیکن خود مالک نے اعلان بھی کیا اپنے بندوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا اے میرے بندو! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمھارا ہو جاؤں تو اس کی

ایک ہی شرط ہے "کُن لِی اَکُن لَکَ"۔ چھوٹا سا جملہ ہے اسے یاد رکھیے گا اور خالی زبان اور دماغ میں نہیں، اپنے کردار میں، اپنی زندگی میں جب یہ خیال پیدا ہو کہ خدا آپ کا ہو جائے تو خالی آرزوؤں میں نہ بیٹھ جائیے گا۔ تمنّاؤں سے کام چلنے والا نہیں ہے، یہ دعاؤں کا بھی کام نہیں ہے۔ مالک ایک دم صاف کہہ رہا ہے تم میرے ہو جاؤ میں تمہارا ہو جاؤں گا۔ "کُن لِی اَکُن لَکَ" تم میرے ہو جاؤ میں تمہارا ہو جاؤں گا۔ میں لفظ کو بلا وجہ نہیں دُہرا رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ یہ بات آپ کے ذہن میں بیٹھ جائے۔ یہ وعدۂ الٰہی ہے اور پروردگار تو بہت بلند ہستی ہے، اس کے رحیم و کریم ہونے کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اتنا کام تو ہم بندگانِ خدا بھی کسی حد تک کرتے ہیں اور جانتے ہیں اگر آپ نے اپنے گھر کسی موقع پر مجھے بُلایا ہے تو میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ جب میرے گھر ایسا موقع آئے گا تو میں آپ کو بلاؤں گا۔ ساری زندگی کا کاروبار اسی پر چل رہا ہے یا نہیں؟ آج ہم نے مجلس کی ہے آپ کو بُلایا ہے، کل آپ کے گھر میں مجلس ہو گی آپ مجھے ٹیلیفون کریں گے۔ یہ کون سا کاروبار ہے؟ یہ وہی کاروبار ہے تم میرے ہو جاؤ۔ وہ بندہ جو کسی قابل نہیں ہے، جس کی کوئی اوقات کوئی حیثیت نہیں ہے مگر دنیائے بندگی میں بھی یہ کاروبار چلتا ہے کہ جو جس کا ہو جائے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ اس کا ہو جائے۔ آپ نے ایک وقت مجھے بُلایا ہے، ایک دن مَیں آپ کو بُلاؤں گا۔ ایک وقت میں آپ نے مجھے یاد کیا ہے ـــــ ایک وقت میں آپ کو یاد کروں گا۔ ایک وقت آپ میرے کام آئے ہیں، ایک دن میں آپ کے کام آؤں گا۔ یہ ساری دنیا کا نظام ہے چہ جائیکہ پروردگار جس کے خزانہ میں کمی

نہیں، جو غنی مطلق ہے وہ اپنے بندے سے کہتا ہے تو میرا ہو جا، میں تیرا ہو جاؤں گا
یہ وعدۂ الٰہی ہے۔ اگر آپ نے اس وعدۂ الٰہی کو پہچان لیا تو یوں پہچانیے
کہ ہم نے راہِ خدا میں دو پیسے دیئے، پروردگار نے کیا کہا "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ
فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" جو ہماری راہ میں ایک نیکی کرے گا ہم دس گنا دیں گے۔
ہم نے اسے دو پیسے دیئے اُس نے دس گنا بنا کے واپس کیا۔ لہٰذا اب نہ
بھولیے گا۔ تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں۔ میں کیا اُس کا ہو گیا خالی چار پیسے
اُس کے نام پر دے دیئے ہیں۔ مگر وہ چار پیسے بھی جو اُس کے نام پر دیدیئے
اُسے اُس نے چالیس بنا دیا۔ توجہ کریں۔ اور پھر کہا "یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ" جہاں
چاہوں گا دو گنا چوگنا کر دوں گا۔ حدیثوں میں ایک لاکھ تک ہے۔ توجہ کریں۔
یعنی اگر ہم نے ایک درہم اپنا اس کا بنا دیا تو وہ ایک لاکھ تو بنا ہی دے گا۔
سوچیے میں کیا گذارش کر رہا ہوں۔ ایک درہم آپ نے اس کا بنا دیا، اس کی
راہ میں دے دیا، کہا تو میرا ہو جا، میں تیرا ہو جاؤں گا۔ اور جب ہو جاؤں گا تو
ایسے نہیں جیسے تو ہو گیا۔ تو محتاج تھا، تو کمزور تھا، نہ میں محتاج ہوں اور نہ
کمزور ہوں، میں ہزار، لاکھ گنا بنا دوں گا۔ تو جتنا تم نے دیا اس سے زیادہ
واپس آئے گا۔ کبھی دس گنا، کبھی سَو گنا، کبھی ہزار گنا، کبھی لاکھ گنا، کبھی اگر
یہ حساب سمجھ میں آجائے تو وعدۂ الٰہی کو یوں پہچانیے گا کہ جو تم دوگے وہ کم ہوگا،
جب وہ واپس کرے گا زیادہ ہوگا۔ تم نے میدان میں جا کے جو زندگی دی ہے
چالیس سال میں مارے گئے بیس سال اور رہ جاتے، پچاس سال میں مارے
گئے دس سال اور جی لیتے، ساٹھ سال میں مارے گئے دو چار سال اور رہ لیتے

بندے نے جو خدا کو دیا ہے وہ دس سال، بیس سال، پچاس سال اس سے زیادہ تھا کیا جو دیتا، مگر مالک نے کہا تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا۔ اسی کو اگر آپ لاکھ گُنا بنائیں تو اسی کا نام ہو جاتا ہے حیاتِ جاودانی۔ جو بندے نے راہِ خدا میں دیا وہ بہت کم ہے، جو مالک نے بندے کو دیا وہ بہت زیادہ ہے۔ یہ اُس کا ہو جائے یہ مشکل ہے، وہ اِس کا ہو جائے بہت آسان ہے۔ وعدۂ الٰہی ہے تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا، مگر پہلے کوئی ہو تو جائے۔ توجہ کریں۔ پہلے کوئی ہو جائے اگر اس کا ہو جائے گا تو خدا اپنے وعدہ پر قائم ہے وہ اپنے بندہ کا ہو جائے گا۔ بندہ خدا کا ہو جائے گا تو خدا کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ہم سب اگر راہِ خدا میں ساری زندگی دے دیں تو خدا کو کیا ملنے والا ہے وہی زندگی اس کی دی ہوئی ہے۔ ہم اگر خدا کے ہو جائیں تو خدا کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن اگر وہ ہمارا ہو جائے تو فائدہ ہی فائدہ ہے، نقصان کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔ اگر یہ نکتہ بھی انسان سمجھ لے تو للّٰہیت کا تصوّر خود بخود انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہو جائے گا میرے بندے تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں۔

اگر یہاں تک عزیزو میرے ساتھ چلے تو دو چار جملوں تک آپ میرے ساتھ اور رہیں تاکہ نتیجہ پہچانیں۔

صبح سے حسین علیہ السّلام اعلان کر رہے تھے۔ کربلا کا نقشہ پہچانو۔ صبح سے حسین علیہ السّلام اعلان کر رہے ہیں کہ مالک جو کچھ میرا ہے وہ سب تیرا ہے۔ توجہ کریں۔ یہ بندہ کی للّٰہیت ہے کہ جو ہے وہ سب اللہ کے لئے ہے۔ حیات، موت جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے لئے ہے۔ صبح سے یہ اعلان ہو رہا ہے کہ میرے پاس جو

کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کے لئے ہے۔ میرا حبیب اللہ کے لئے، میرا زہیر اللہ کے لئے، میرا مسلم اللہ کے لئے، میرا اکبر اللہ کے لئے، میرا عباس اللہ کے لئے، میرا اصغر اللہ کے لئے، صبح سے عصر تک حسینؑ بول رہے تھے۔ عزیزو! آپ نے توجہ نہیں کی میں نے کیا کہا؟۔ صبح سے عصر تک حسینؑ اپنے کردار سے اعلان کر رہے تھے یہ سب اللہ کے لئے۔ میں کسی کو بچا کے نہ رکھوں گا، سب کو راہِ خدا میں دے دوں گا، سب کو قربان کر دوں گا۔ صبح سے عصر تک بندہ بول رہا تھا کہ جو کچھ میرا ہے مالک سب تیرے لئے۔ اب عصر کے بعد اُدھر سے آواز آتی ہے، اگر جو کچھ تیرا تھا وہ سب میرے لئے، تو حسینؑ میری زمین تیرے لئے، میرا آسمان تیرے لئے، میری ہوائیں تیرے لئے، میری فضائیں تیرے لئے، جنّت و کوثر تیرے لئے، سب میں نے تیرے حوالہ کر دیا۔ نہیں اربابِ عزا ابھی آپ نے لفظ کے معنی پر غور نہیں کیا۔ یہ میں کوئی خطابت نہیں کر رہا ہوں۔ عصر تک تو ہم نے یہ دیکھا کہ جو حسینؑ کو ملا تھا وہ سب خدا کی راہ میں دے رہے تھے۔ عصر کے ہنگام نظام اُلٹ گیا۔ اب خدا آواز دے رہا ہے جو میرا ہے وہ سب تیرے لئے ہے۔ اگر زمین نہ دے دی ہوتی تو خون تازہ اُبلتا کیسے؟ اگر زمین حسینؑ کو نہ دے دی ہوتی تو جہاں سے پتھر اُٹھایا جائے وہاں سے خون تازہ اُبلتا کیسے؟ اگر آسمان حسینؑ کا نہ ہو گیا ہوتا تو آسمان سے خون کی بارش ہوتی کیسے؟ اگر ہوائیں حسینؑ کی نہ ہو گئی ہوتیں تو آندھیاں چلتیں کیسے؟ اگر آفتاب حسینؑ کا نہ ہو گیا ہوتا تو گہن لگتا کیسے؟ اب کیا ہے اے میرے حسینؑ! تو نے اپنے کو میرے حوالہ کر دیا اب یہ ساری کائنات تجھے دی جا رہی ہے۔ ایک للٰہیت سے ساری کائنات، ساری کائنات کا اختیار

مالک نے حسینؑ کے ہاتھوں میں رکھا اور حسینؑ کا اختیار خدا کے ہاتھوں میں۔ وہ معبود ہے، وہ مالک ہے لیکن اتنا بڑا تصرف کا حق دے دیا۔ اتنا بڑا اختیار دے دیا کہ ساری کائنات غمِ حسینؑ میں سوگوار ہو گئی چند انسانوں کا رونا کیا ہے، چند جنات کا پریشان ہونا کیا ہے، چند ملائکہ کا مرثیہ پڑھنا کیا ہے۔ زمین سے خون تازہ اُبل رہا ہے، آسمان سے خون برس رہا ہے۔ یہ روز عاشور کا منظر تو ہر کتاب میں آپ پڑھ لیں گے، ہر جگہ نظر آتا ہے کُل کائنات غمِ حسینؑ میں سوگوار ہے۔ مورخین کہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ یہ واقعہ کربلا میں ہوا، بیت المقدس میں "مَا يُرْفَعُ مِنْ حَجَرٍ" بیت المقدس میں اگر کوئی پتھر اٹھایا گیا تو اس کے نیچے خون تازہ جوش مار رہا ہے۔ یہ اگر غمِ حسینؑ میں زمین سوگوار نہیں ہے تو خون تازہ کہاں سے آیا؟ اگر آسمان سوگوار نہیں ہے تو خون کیسے برس رہا ہے؟ اگر فضائیں سوگوار نہیں ہیں تو یہ آندھیاں کیوں چل رہی ہیں؟ آفتاب کو گہن کیوں لگ گیا ہے؟۔ اگر یہاں تک آپ نے محسوس کر لیا تو میں ایک جملہ کہوں، یہ سب تو وہ ہیں جو حسینؑ کے صدقہ میں بنے تھے۔ زمین، آسمان یہ سب وہ ہیں جن کو بنایا گیا تھا انھیں کے واسطے۔ اس پیغمبرؐ کے لئے جو کہتا ہے حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ جب ان کا یہ حال ہے۔ توجہ کریں۔ جو حسینؑ کے لئے ہیں، جب زمین و آسمان کا یہ حال ہے کہ وہاں سے خون برس رہا ہے، یہاں سے خون اُبل رہا ہے، تو جنھوں نے حسینؑ کو اپنی گود میں پالا تھا، جن کی آغوش میں حسینؑ پلے تھے ان کا عالم کیا ہو گا۔ اس وقت جب حسین ان منزلوں میں ہوں گے جو مصائب کی آخری منزل ہے داب وقت نہیں رہ گیا اور آج کسی نہ کسی مقدار میں مجھے مصائب کا تفصیلی تذکرہ کرنا ہے۔ اگرچہ کل انشاءاللہ

حسب روایات گیارہ بجے دن کی مجلس میں واقعاتِ کربلا کا تفصیلی تذکرہ جیسے کیا جاتا ہے وہ کیا جائے گا۔ لیکن آج چونکہ شبِ عاشور ہے لہٰذا میں تھوڑی دیر تک اس تذکرہ کو جاری رکھنا چاہتا ہوں اور انشاء اللہ آپ بھی شاب ہونگے اور میں بھی اس غم میں آنسو بہانے کا ثواب حاصل کر سکوں۔

ایک تاریخی جملہ آپ کو یاد دلانا ہے تاکہ جب بھی کبھی آپ تاریخ پڑھیں تو اس نکتہ کو پہچانیں۔ امام حسینؑ کی زندگی میں یہ "اِنَّا لِلّٰہِ"، فرزندِ رسولؐ کی حیات میں یہ "اِنَّا لِلّٰہِ" اتنا گہرا رابطہ حسینؑ سے رکھتا ہے کہ اگر آپ پوری تاریخِ کربلا پڑھیں گے۔ کاش میرے بچوں کا ذہن متوجہ ہو جائے۔ اگر پوری تاریخِ کربلا پڑھیں گے تو پوری تاریخِ کربلا شروع ہوتی ہے اِنَّا لِلّٰہِ سے اور ختم ہوتی ہے اِنَّا لِلّٰہِ پر۔ میں تفصیل بیان نہیں کروں گا آپ بعد میں دریافت کر لیجیے گا۔ کربلا کی تاریخ شروع ہوتی ہے اِنَّا لِلّٰہِ سے اور تمام ہوتی ہے اِنَّا لِلّٰہِ پر۔ سوائے حسینؑ کے اور کہیں ایسی انا للٰہیت نہ دیکھی۔ آپ کہیں گے کیسے؟ کربلا کی تاریخ کہاں سے شروع ہوئی۔ جب ۲۷ رجب کی رات کو حسینؑ کو دربارِ ولید میں بلایا گیا، واقعہ سنتے رہتے ہیں، میں بھی پہلی محرم کو ذکر کر چکا۔ دربارِ ولید میں پہلا موقع ہے جب حسینؑ کو دربار میں بلایا گیا ہے اور بلانے کے بعد فرزندِ رسولؐ کے سامنے شام کے حاکم کے مرنے کی خبر سنائی گئی، تاریخ کا فقرہ ہے کہ جیسے ہی حسینؑ کے سامنے یہ خبر آئی حسینؑ کی نگاہ میں سارے مصائب آگئے جو اس کے بعد سامنے آنے والے ہیں۔ سب سے پہلا فقرہ فرزندِ رسولؐ کی زبان پر آیا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ

اِنّا للہ کا تعلق مرنے والے سے نہیں ہوتا ہے زندہ انسان کے حوصلہ سے ہوتا ہے۔ حسینؑ نے اسی وقت اعلان کر دیا " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ" میں سمجھ گیا اس کے بعد کیا ہونے والا ہے، ہم خدا کی بارگاہ میں پلٹ کے جانے کے لئے تیار ہیں۔ توجہ کریں۔ اور یہیں سے اب سفر کربلا شروع ہونے جا رہا ہے۔

اب ۲۸ رجب کی صبح کو حسینؑ مدینہ چھوڑ دیں گے۔ یہ آغاز کربلا ہے۔ جب حسینؑ کی زبان پر مدینہ میں دربارِ ولید میں لفظ انا للہ آیا اور چھ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ عاشور کے دن عصر کے ہنگام جب ساری قربانیاں راہِ خدا میں پیش ہو چکیں اور چھ مہینے کا بچہ بھی تیر ظلم کا نشانہ بن گیا تو حسینؑ نے پھر اسی فقرہ کو دُہرایا " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ" پھر زبان پر وہی جملہ آیا " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ"۔ چھ مہینے کے بچہ کی لاش کو ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں اور پھر حسینؑ اعلان کر رہے ہیں ہم تو اللہ کے لئے ہیں، یہ اصغر بھی اللہ کے لئے ہے، اب تک جتنے تھے سب اللہ کے لئے اور میں خود اللہ کے لئے ہوں۔ یعنی اصغر تو قربان ہو گیا میں بھی اپنی قربانی کے لئے تیار ہوں۔ کہاں دنیا میں کسی انسان کی زندگی، کسی انسان کے کردار میں ایسی للّٰہیت نظر آئی آج فرزند رسول الثقلینؐ حسین ابن علی (علیہما السّلام)، کی زندگی میں نظر آرہی ہے، ورنہ یہ وہ منزلیں ہیں جہاں ہر انسان کے قدم میں لغزش پیدا ہو جائے، جہاں کوئی انسان ثابت قدم نہ رہ سکے مگر حسین علیہ السّلام کا ثبات قدم۔ ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک، صبح سے عصر کا ہنگام قریب آگیا، لوگ میدان میں جا رہے ہیں، راہِ خدا میں قربان ہو رہے ہیں۔ حسینؑ جاتے ہیں، سرہانے بیٹھ کے روتے ہیں، لاشوں کو اٹھا کے میدان سے

لاتے ہیں یہانتک کہ جوان بیٹا بھی کام آگیا، ۳۴ سال کا بھائی بھی قربان ہوگیا، بھتیجے بھی قربان ہو گئے، بھانجے بھی قربان ہو گئے، اب کوئی نہ رہ گیا حسین علیہ السلام اتمام حجت کے لئے میدان میں آئے۔ آواز دی "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا"، بس آپ متوجہ ہو گئے عزیزو! میں اپنے بیان کو آخری منزل تک لے آیا "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا" ہے کوئی جو میری مدد کے لئے آئے؟ کون آئے گا اکبرؑ تو مقتل میں سو رہے ہیں، قاسمؑ تو میدان میں گلا کٹا چکے، عباسؑ تو فرات کے کنارے ہیں کون آئے گا؟ ایک مرتبہ خیمے سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ جیسے ہی خیمے میں کہرام برپا ہوا، رونے کی آواز بلند ہوئی، امام حسینؑ تڑپ کر درِ خیمہ پر آئے، اگر آواز دی بہن خیریت تو ہے، یہ اچانک رونے کی آواز کیوں بلند ہو رہی ہے؟ اچانک گریہ کی آواز کیوں بلند ہو رہی ہے؟ بس یہ سننا تھا کہا بھیا آپ نے میدان میں کوئی آواز دی "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا" ہے کوئی جو میری مدد کے لئے آئے آپ کی آواز سن کے علی اصغرؑ نے اپنے کو جھولے سے گرا دیا۔

اولاد والو! اس غم کو کون پہچانے گا، اس منزل کا کون تصور کرے گا؟ حسینؑ تو پوچھنے کے لئے آئے ہیں، کوئی رباب کے دل سے پوچھے۔ نصفِ شب کی منزل قریب آگئی اتنی دیر سے آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور برابر تذکرہ کو سن رہے ہیں۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ میرے سامنے سارا مجمع جوانوں کا ہے تو علی اکبرؑ کا تذکرہ آسان تھا، لیکن آج میں کس کے سامنے علی اصغرؑ کا ذکر کروں؟ میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو آواز دوں گا کہ جن کی گود میں ابھی بچے ہیں، گھر سے نکلی ہیں دو گھنٹہ کے لئے مجلس میں جانے کے واسطے۔ مگر جس کا بچہ دودھ پیتا ہے، دودھ

کی شیشی لے کر نکل پڑی جس کا بچہ پانی پیتا ہے وہ پانی کا انتظام کر کے چلی ہے کہ کہیں میرا بچہ پیاسا نہ رہ جائے۔ اے مری بہنو! اے مری بیٹیو! تمھارا بچہ تھوڑی دیر پیاسا نہ رہ جائے، رباب کا بچہ تین دن سے پیاسا ہے۔

یہ وہ سخت منزل ہے جہاں حسین علیہ السّلام کے حوصلہ کو دیکھا گیا، جذبۂ قربانی کو دیکھا گیا، کچھ نہ رہ گیا ایک سرمایہ فقط ہے مگر وہ بھی خدا کی راہ میں دینے کے لئے تیار ہیں۔ مالک میں اس اصغر کو بھی قربان کر دوں گا، میں اسے بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب کہہ دیا کہ میں اللہ کے لئے تو جو کچھ میرا سرمایہ ہے سب اللہ کے لئے۔ یہ حسینؑ کا کردار ہے۔ تو عزیزو! جیسے کل وہ آواز دے رہے تھے ہم اللہ کے لئے ہیں تو جتنا جو کچھ اللہ نے دیا تھا سب حسینؑ نے اللہ کی راہ میں دیدیا۔ کاش حسینؑ کے نام پر یہ حوصلہ کبھی ہم میں بھی پیدا ہو جاتا، کبھی یہ خیال ہم میں بھی پیدا ہو جاتا۔ یہ تو سب کہتے ہیں لیتے وقت کہ جو کھا رہے ہیں وہ صدقہ ہے حسین ابن علی (علیہما السّلام) کا۔ جو ملا ہے مولا کے طفیل میں ملا ہے۔ تو اگر یہ اقرار ہے کہ جو ملا ہے وہ حسینؑ کے صدقہ میں ملا ہے، تو جب حسینؑ کی راہ میں دینے کا وقت آجائے تو پھر یہ سوچنے کی گنجائش نہیں ہوتی کہ کیا دیا جائے اور کیا نہ دیا جائے۔ تو اگر انھیں کا صدقہ ہے، انھیں کے طفیل میں ملا ہے تو ان کی راہ میں قربانی کا ویسے ہی حوصلہ ہونا چاہیئے جیسے مالک سے کل کائنات لے کے حسینؑ نے ساری کائنات راہِ خدا میں دے دی۔

میں بیان کو اس منزل تک لے آیا جس مقام پر مجھے تھوڑی دیر مصائب کا تذکرہ کرنا ہے، اور یہ رات ایسی ہے جس میں وقت نہیں دیکھنا ہے۔ آپ کے

جذبات، ہمارے جذبات۔ مگر ذکر مصائب سے پہلے میں دو چار منٹ کے لئے اپنے بیان کو روکنا چاہتا ہوں تاکہ اتنی دیر جو حسین علیہ السّلام کے کردار کی للّٰہیت کا تذکرہ ہوا ہے اور راہِ خدا میں حسین علیہ السّلام کی قربانیوں کا ذکر ہوا ہے ایک مرتبہ ہم بھی حسینؑ کی بارگاہ میں آواز دیں۔ مولا! اگر آپ کے طفیل میں، آپ کے صدقے میں یہ جو کچھ ہم کو ملا ہے تو ہم بھی آپ کی بارگاہ میں ویسے ہی نذر کرنا چاہتے ہیں جیسے آپ نے اپنی کل کائنات مالک کی بارگاہ میں لٹا دی ہے۔ وہ پروردگار خالق و مالک آپ کا بھی ہے، ہمارا بھی ہے۔ اتنی بلند قربانی تو آپ دے سکتے ہیں، مگر جو ہمارے امکان میں ہے ہم آپ کی بارگاہ میں نذر کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ عاشور کی رات ہمیشہ یہ عزادار اپنے جذبۂ ایثار و قربانی، اپنے جذبۂ حسینیت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ بہترین موقع ہوتا ہے آپ یقین کریں یہ نہ دیکھیں کہ پانچ درہم کیا، دس درہم کیا۔ یہ مسئلہ پانچ اور دس درہم کا نہیں ہے۔

بس عزیزو! میں اپنے بیان کو آخری منزل تک لے آیا انشاءاللہ بہت روئیں گے آپ۔ ہے کوئی جو میری مدد کے لئے آئے "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا" ہے کوئی جو میری مدد کے لئے آئے؟ ہے کوئی جو مرے دین کو بچائے؟ ہے کوئی جو میرے اسلام کے لئے قربانی دے؟ زمانہ کا امام پردۂ غیب میں بیٹھ کے آواز دے رہا ہے: جدِ بزرگوار! اگر کل میں کربلا میں نہ رہ سکا، اگر زمانہ نے مجھے پیچھے ڈال دیا تو جدِ مظلوم میں صبح روؤں گا، شام روؤں گا، اتنا روؤں گا کہ آنکھوں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگیں۔ اے رونے والو! میں پھر اس جملہ کو دہرانا چاہتا

ہوں، اتنا روؤں گا کہ آنکھوں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگیں۔ اے مرے زمانہ کے امامؑ! اے پردۂ غیبت میں بیٹھنے والے! آپ تو کربلا میں نہ تھے۔ آپ اتنا روئیں گے کہ آنکھوں سے خون ٹپکنے لگے، تو مولاؑ زینبؑ کتنا روئیں گی؟ سید سجادؑ کتنا روئیں گے؟ سکینہؑ کتنا روئے گی؟ جس نے سارے مصائب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ اسی لئے تاریخ نے یہ منظر بیان کیا کہ کربلا کا واقعہ ختم ہوگیا، شام کے مصائب ختم ہو گئے۔ مگر ایک علی اصغرؑ کی ماں کیسا ہی وقت گذر جائے دھوپ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ جب کسی نے کہا سایہ میں بیٹھ جائیے۔ کہا میں کیسے بیٹھوں، میں نے اپنے وارث کے جنازہ کو دھوپ میں دیکھا ہے۔ سوچو سوچو رونے والو! وہ رباب جو زندگی بھر کربلا کو یاد کر کے دھوپ میں بیٹھتی ہے، سایہ میں نہیں بیٹھتی جب وہ اپنے اصغرؑ کو یاد کرتی ہوگی۔ یادِ علی اصغرؑ میں رباب کا کیا عالم ہوگا اور جب علی اصغرؑ کو جھولے میں دیکھ رہی ہے کہ بچہ پیاس سے جاں بلب ہے، تو ماں کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کس کو آواز دوں، ہاجرہ سے پکار کے کہوں ہاجرہ! آپ کا بچہ پیاس سے بے قرار ہوگیا تو صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں، مگر رباب اپنے اصغرؑ کی پیاس کو تین دن سے دیکھ رہی ہے مگر ماں کلیجہ سنبھالے بیٹھی ہے۔

حسینؑ درِ خیمہ پر آئے۔ زینبؑ نے کہا بھیّا آپ کی آواز سے علی اصغرؑ نے اپنے آپ کو جھولے سے گرا دیا۔ ہاں رونے والو! آپ بہت روئیں گے۔ کہا بہن لاؤ اصغرؑ کو لاؤ میرے حوالہ کردو۔ کہا بھیّا مگر اصغرؑ کسی کی گود ہی میں نہیں آتا آپ چل کے دیکھئے۔ حسینؑ خیمہ کے اندر آئے، بچہ کے گہوارے کے قریب پہونچے۔

اب کیا باپ نے کہا اور کیا بیٹا سمجھا یہ تو کوئی نہیں جانتا، مگر اتنا سب نے دیکھا حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے، اصغرؑ ہمک کے باپ کی گودی میں آگئے۔ بابا! سب اپنے پیروں سے چلنے کے قابل تھے تو میدان میں چلے گئے، مگر میں کیا کروں؟ آپ آکے مجھے لے کے چلیں۔ حسینؑ نے بچہ کو گود میں لیا، لے کے چلنے لگے جب درِ خیمہ کے قریب پہونچے تو دیکھا کہ رباب سر جھکائے کھڑی ہے۔ رباب، رباب یہاں کیوں کھڑی ہو؟ کہا آقا میں صبح سے دیکھ رہی ہوں جو میدان میں گیا پلٹ کے نہیں آیا، چاہتی ہوں جاتے جاتے ایک مرتبہ اپنے لال کو آخری مرتبہ اور دیکھ لوں۔ امام حسینؑ نے تسلّی دی۔ رباب! اب تک جو میدان میں گئے ان کے بارے میں ظالموں کو یہ خیال تھا کہ شاید لڑنے کے لئے، جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چھ مہینے کا بچہ تو جنگ نہیں کرتا ہے میں لے جارہا ہوں شاید کسی کو رحم آجائے۔ ماں کا دل ٹھہرا۔ حسینؑ لے کے چلے ایک بلندی پر آکے آواز دی ظالمو! "أَمَا فِيكُمْ مُسْلِمٌ؟" کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے؟ (دوسرا فقرہ نہ سُن سکوگے)، کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے؟ اسلام نے پیاسوں کو پانی پلانے کا حکم دیا ہے۔ میرا بچّہ تین دن کا پیاسا ہے۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو کہا اگر تم مسلمان نہیں ہو تو کیا تم میں کوئی صاحبِ اولاد بھی نہیں ہے؟ میرا بچہ تین دن سے پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ کوئی جواب نہ ملا۔ فرمایا اصغرؑ یہ مری بات نہیں سمجھتے اب تم بتاؤ کہ تم کتنے پیاسے ہو؟ بچّے نے سوکھی زبان، خشک ہونٹوں پر پھرانا شروع کی۔ فوجوں میں کہرام برپا ہوگیا۔ انقلاب کے آثار دکھائی دینے لگے۔ ابن سعد نے آواز دی حرملہ! "اِقْطَعْ كَلَامَ الْحُسَيْنِ"۔

بس بیان تمام ہو رہا ہے۔ حرملہ سامنے آیا، دوش سے کمان اُتاری ترکش
سے تیر نکالا، تیر چلّہ کمان میں جوڑا۔ (سن لو اولاد والو!) علی اصغرؑ کے گلے کو نشانہ
بنایا، اُدھر سے تیر چلا اصغرؑ کے گلے پر لگا، بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا
سنو سنو عزادارو! بہت روؤ گے۔ بچہ باپ کے ہاتھوں پر پلٹ گیا۔ مگر اب جو
جھک کے حسینؑ نے دیکھا، اصغرؑ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہے۔ بابا! آپ
پریشان نہ ہوں، میں مسکرا کے دنیا سے جا رہا ہوں۔ حسینؑ نے بچّے کو سنبھالا (میں
نے عرض کیا تھا کربلا اِنَّا لِلّٰہِ سے اِنَّا لِلّٰہِ تک ہے) اب لے کے چلے درِ خیمہ
کی طرف۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"۔ درِ خیمہ تک گئے، نہ جانے کیا خیال
آیا کہ ماں کیسے اپنے بچہ کو دیکھے گی۔ پلٹ آئے۔ کبھی آگے بڑھتے ہیں، کبھی پیچھے
ہٹتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ، اِنَّا لِلّٰہِ۔ آخر میں حسینؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ بچہ کا کام تو تمام
ہو چکا ماں کیوں دیدار سے محروم رہ جائے۔ ایک مرتبہ درِ خیمہ پر آ کے ٹھہر گئے۔
دوبارہ واپس نہ گئے۔ آواز دی رباب! اپنے لال کو لے جاؤ۔ تاریخ کا فقرہ
ہے کہ جیسے ہی خیمہ میں یہ آواز پہونچی اِدھر سے رباب چلیں، اُدھر سے سکینہؑ
چلیں۔ مگر روایت کا انداز یہ کہتا ہے کہ پہلے سکینہؑ آئیں، بعد میں رباب آئیں۔
جیسے ہی بچی سامنے آئی کہا بابا، اصغرؑ کو پانی پلا لائے؟ بابا اب تو میرا بھیّا
پیاسا نہیں ہے؟ سکینہؑ کو اطمینان ہو جائے کہ میرے بھیّا کو پانی مل گیا۔ حسینؑ
کیا جواب دیتے۔ اب جو رباب سامنے آئی قبا کا دامن اُلٹا، بچہ خون میں ڈوبا
ہوا، گلے پر تیر سہ شعبہ۔ اے مرے لال کیا اس عمر کے بچّے بھی ذبح کئے جاتے
ہیں؟ حسینؑ نے دیکھا ماں بچّے کو نہ دیکھ سکے گی۔ پلٹ کے آ گئے۔ آخری فقرہ۔

پشتِ خیمہ پر آ کے بیٹھے۔ ذوالفقار سے ننھّی سی قبر بنائی۔ سُن لو، سُن لو اولاد والو! مجلس تمام ہو گئی۔ ذوالفقار سے ننھّی سی قبر بنائی مگر لئے بیٹھے ہیں کیسے خاک پر لٹا دیں۔ کتنی دیر گود میں لئے رہے۔ ابھی حسینؑ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کانوں میں ایک آواز آئی "یَاحُسَیْنُ ضَعْہُ"۔ حسینؑ جاؤ وعدہ طفلی وفا کرو، علی اصغرؑ کو لٹا دو اس لئے کہ کوئی ماں آگئی ہے، کوئی ماں جنّت سے آگئی، عجب نہیں فاطمہؑ نے آواز دی ہو۔ مرے لال، مرے حسینؑ، اب تم جاؤ بیٹا اپنی قربانی پیش کرو۔ فاطمہؑ آگئی۔ اصغرؑ مری گود میں رہے گا۔ حسینؑ اس عالم میں اُٹھے کہ:

ننھّی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبّیرؑ اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس ۱۲

اللہ اکبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا۔

پیغمبرؐ! آپ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارا جیسا ایک بشر ہوں مگر میری طرف یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ جو اپنے مالک کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے''۔

اسلام دینِ توحید ہے۔ اسلام کی بنیاد کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ سرکارِ دوعالمؐ نے اس دینِ اسلام کو جب دنیا کے سامنے پیش کیا تو مکہ کی گلیاں تھیں اور سرکارؐ کی زبان پر یہ اعلان تھا ''قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا'' لا الٰہ الا اللہ کہو اسی میں تمہاری کامیابی اور تمہاری نجات ہے۔ ایک طرف اللہ کا وہ نیک بندہ تھا جو لوگوں کو نجات اور فلاح کی دعوت دے رہا تھا، اور ایک طرف وہ شیطان صفت انسان تھے کہ اسی انسان پر پتھر برسا رہے تھے۔ گلیوں میں کانٹے بچھے ہوئے ہیں مگر پیغمبرؐ لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کر رہے ہیں، اوپر سے کوڑا پھینکا جا رہا ہے مگر حضورؐ

لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کر رہے ہیں۔ بچّے پتّھر مار رہے ہیں مگر نبیؐ کی زبان پر لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اسی صبر اور استقلال کا نتیجہ تھا کہ چند دن نہ گذرنے پائے کہ ایک مرتبہ دنیا کا نقشہ بدلا ہوا دیکھا گیا۔ کل جس پر لوگ پتّھر برسا رہے تھے آج اس کا کلمہ پڑھنے لگے۔ کل جس کی راہ میں کانٹے بچھا رہے تھے آج اس کی بارگاہ میں حاضری دینے لگے۔ جب کوئی انسان لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کرنے میں اتنا مخلص ہوتا ہے، اتنی قوت برداشت کا مظاہرہ کرتا ہے تو دنیا میں خود بخود انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ پیغمبرؐ کی زبان سے گونجی ہوئی آواز لا الٰہ الا اللہ تھی جس نے اُس مکہ میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔

اور دوبارہ پھر یہی آواز جب شبیہ پیغمبرؐ کے لہجہ میں سُنائی دی تو کربلا میں ایک اختلاف دیکھا جو کل تک لشکر یزید میں تھا اس نے لہجۂ پیغمبرؐ میں جب آواز سنی "لا الٰہ الا اللہ" تو ذہنوں میں انقلاب پیدا ہو گیا اور وقت نہ گذرنے پایا تھا کہ ایک مرتبہ فرزند رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کے آواز دیتا ہے، نبیؐ کے لال کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ نبیؐ کے لال کیا میری توبہ بھی مالک کی بارگاہ میں مقبول ہو سکتی ہے؟ حُر نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حسینؑ نے آواز دی حُر سر اُٹھالو تمھاری توبہ کو مالک نے قبول کیا۔

یہ انقلاب کس بات سے پیدا ہوا، اس لئے کہ پھر وہ آواز دُہرائی گئی پیغمبرؐ ہی کے لہجہ میں۔ اس کی زبان سے یہ آواز کربلا میں بلند ہوئی جس کا لہجہ نبیؐ کا لہجہ۔ جس کی صورت، پیغمبرؐ کی صورت۔ جس کا کردار، پیغمبرؐ کا کردار۔ اسی لئے میدان میں بھیجتے ہوئے حسینؑ نے کچھ نہ کہا، فقط مالک کی بارگاہ میں اتنی گذارش کی کہ پروردگار!

اس قوم پر گواہ رہنا اس کو بھیج رہا ہوں جو سیرت میں، صورت میں، رفتار میں، گفتار میں میرے نانا کی شبیہ تھا۔ اے میرے مالک جب نانا کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوتا تھا تو میں اپنے لال کے چہرے کو دیکھ لیا کرتا تھا، مگر یہ تصویر پیغمبرؐ اب خاک میں ملنے جا رہی ہے۔

ارباب عزا یہ ہنگام، سحر کا ہنگام چند لمحے اذان میں باقی رہ گئے ہیں۔ ہر مسجد سے، ہر گلدستہ اذان سے ایک ہی آواز گونجے گی "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" مگر آج پُرسکون ماحول میں مسجدوں کے اندر اس آواز کا بلند کرنا بہت آسان ہے، کل مکّہ کی گلیوں میں ایسی آواز کا اٹھانا آسان نہیں تھا مگر میرا جی چاہتا ہے کہ اتنی گذارش ضرور کروں کم سے کم عالم اسلام سوچے کہ جب پیغمبرؐ کہہ رہے تھے لا الٰہ الا اللہ اور پلٹ کے گھر میں آتے تھے تو بیٹی باپ کے جسم پر پتھروں کے زخم دیکھتی تھی۔ جب پیغمبرؐ اس آواز کو گلیوں میں بلند کر کے گھر میں پلٹ کے آتے تھے تو فاطمہ دیکھتی ہیں کہ کبھی باپ کے سر پر پتّھر لگا ہے، کبھی باپ کے جسم پر پتّھر لگا ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا اے دختر پیغمبرؐ! آپ نے جب بابا کو یہ آواز بلند کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے بعد اتنا ہی دیکھا کہ کبھی سر زخمی ہے کبھی بدن زخمی ہے۔ کبھی یہاں پتّھر لگ گیا کبھی وہاں کانٹے چُبھ گئے، مگر آپ کی بیٹی نے جب شبیہ پیغمبرؐ کو یہ آواز بلند کرتے ہوئے کربلا میں دیکھا تو اس کے بعد پتّھروں کے زخم نہیں دیکھے۔ اس کے بعد علی اکبرؑ کے جسم پر کانٹوں کے زخم نہیں دیکھے بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ مورخ کربلا کہتا ہے کہ زخموں کا کیا ذکر ہے جب باپ کڑیل جوان کے سرھانے پہونچا تو اپنے لال کو اس عالم میں دیکھا کہ "فَقَطَعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا" علی اکبرؑ کے جسم کا کوئی

حصہ سلامت نہ رہ گیا تھا، سر سے پیر تک زخمی تھے۔ یہ وہ داعیٔ لاالٰہ الااللہ تھا جس کا انتخاب اس آواز کو بلند کرنے کے لئے حسینؑ نے کربلا میں کیا تھا۔ آپ جانتے ہیں جب نبیؐ کا لال وطن چھوڑ کے مدینہ چلا تو جہاں سارا سامان، سارا انتظام حسینؑ نے کیا وہاں مؤذن ساتھ لے کے چلے۔ امام حسینؑ کے مستقل موذن حجاج بن مسروق تھے۔ جب وقت نماز آتا ہے حجاج اذان کہتے ہیں، مولاؑ نماز پڑھاتے ہیں، چاہنے والے نماز ادا کرتے ہیں۔ مدینہ سے چلے راستہ میں یہی ماحول رہا۔ مکہ آئے۔ جتنے دنوں تک مکہ میں قیام کیا ہر نماز کا یہی اہتمام تھا، حجاج اذان کہیں حسینؑ نماز پڑھائیں، چاہنے والے نماز پڑھیں۔ مگر آج کربلا میں جو نماز ہونے والی ہے، عاشورِ محرم کی صبح جو نماز ہونے والی ہے یہ نماز بھی نئی ہوگی اس کا انتظام بھی انوکھا ہوگا اور اس کا مؤذن بھی نیا ہوگا۔ اب تک راستہ بھر مکہ میں جو نمازیں ہوتی رہیں، نماز سے پہلے نمازی وضو کرتے رہے۔ نماز سے پہلے مولاؑ کے لئے 'مصلیٰ' بچھایا جاتا تھا تاکہ آقا نماز پڑھائیں۔ سارے چاہنے والے صف باندھ کے کھڑے ہوتے تھے مگر کربلا میں وضو کا کیا ذکر تھا، کربلا کی نماز نئی نماز ہے۔ اب جو کربلا میں یہ زمانہ آیا تو انقلاب آگیا۔ اب جب وقت نماز آتا ہے تو چاہنے والے خاک گرم پر تیمم کرتے ہیں۔ وہ دن اور تھے جب مولاؑ کے لئے 'مصلیٰ' بچھایا جاتا تھا، اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ حسینؑ اسی خاک گرم کربلا پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ دن اور تھا جب سارے چاہنے والے مولاؑ کے پیچھے کھڑے ہو کے نماز پڑھتے تھے۔ کربلا میں تو ایسی نماز بھی ہو گئی کہ جہاں کچھ آگے کھڑے ہیں کچھ پیچھے کھڑے ہیں۔ نبیؐ کا لال جب ظہر کے ہنگام نماز پڑھائے گا تو سعید و زہیر سامنے کھڑے ہو جائیں گے، تھوڑے سے چاہنے والے

پیچھے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہاں کی نماز کا نقشہ الگ، یہاں کے وضو کا انداز الگ، یہاں کے رکوع و سجدہ کا انداز الگ۔ جب سارا انداز کربلا میں بدل گیا تو حسینؑ نے اس کربلا کے لئے اپنا مؤذن بھی بدل دیا۔ دوسری محرم کو فرزندِ رسول واردِ سرزمینِ کربلا ہوئے اور دوسری محرم سے نو محرم تک وہی حجاج کی اذان، وہی مولاؑ کا اندازِ نماز، وہی چاہنے والوں کی جماعت۔ مگر جب کربلا میں عاشور کی صبح آئی حجاج اذان کے لئے تیار ہیں، نمازی نماز کے لئے تیار ہیں۔ کس عالم میں یہ رات گذری ہے، آپ بھی بہت جاگے، یقیناً آپ نے رات بھر ماتم کیا زہراؑ کی نگاہ آپ پر ہے۔ میں کسی اور سے کچھ نہیں کہہ سکتا بس دو ہی جملے کہوں گا اپنے بیان کو تمام کرنے کے لئے۔ کبھی جی چاہتا ہے بقیع کا رُخ کر کے آواز دوں مادرِ حسینؑ کو، بی بی آپ کو بڑی آرزو تھی کہ بابا جب میں نہ رہوں گی، آپ نہ رہیں گے، ابوالحسنؑ نہ رہیں گے تو میرے لال کی صفِ عزا کون بچھائے گا۔ آیئے شہزادی فاطمہ زہرا آکے دیکھئے آپ کے لال کی صفِ عزا بچھانے والے۔ ساری رات گذر گئی مگر آپ کے لال کا ماتم کر رہے ہیں۔ ساری رات تمام ہو گئی، سارا شہر سو گیا مگر یہ آپ کے لال کے عزادار آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اور دوسری آواز چاہتا ہوں ساکنِ غیبت کو دوں۔ مولاؑ! کاش اس مجلس میں آپ ہوتے اور چاہنے والے آپ کو جد بزرگوار کا پرسہ دیتے، مگر آپ سامنے نہیں ہیں لیکن گواہ رہئے گا کہ آپ کے چاہنے والے، آپ کے غلام رات بھر آپ کے جد مظلوم کی صف عزا بچھائے رہے۔ ساری دنیا محو راحت، ساری دنیا آرام کر رہی ہے، مگر یہ آپ کے جد بزرگوار کے چاہنے والے، یہ آپ کے عزادار ماتم

کرتے رہے، آنسو بہاتے رہے، آپ کے غم میں بقدر امکان شریک رہے
اور شریک رہیں گے، جب تک زندہ رہیں گے آپ کے جد مظلوم کا ماتم کرتے
رہیں گے۔

عزادارو! آج ہماری رات گذری پھر بھی سکون کا ماحول ہے، اطمینان
کا ماحول ہے۔ نہ خطروں کے حصار میں ہیں، نہ گرمی کا وہ عالم ہے، نہ کہیں پیاس
ہے نہ کہیں وہ شدّت و پریشانی ہے۔ مگر کربلا میں یہ رات کیسے گذری؟ کبھی
خیموں سے العطش کی آواز بلند ہو رہی ہے، کبھی فوجِ دشمن میں حملوں کی تیّاری
ہو رہی ہے اور حسینؑ ایک ایک کو سمجھانے کے لئے خیموں کا دورہ کر رہے
ہیں۔ علمدار جو غلام کی طرح آقا کے ساتھ چل رہا ہے۔ چلتے چلتے جب بہن کے
خیمے میں آئے تو دیکھا ایک گوشہ میں بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے۔ آئے حسینؑ
قریب آ کے چھوٹی بہن کے پاس کھڑے ہو گئے۔ بہن یہ خیمہ کے گوشہ میں بیٹھ کے
رونے کا کیا سبب ہے؟ کہا بھیّا یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ نے بتایا کہ یہ زندگی
کی آخری رات ہے اب جو صبح آ رہی ہے یہ قربانی کی صبح ہے۔ اے بھیّا سوچتی
ہوں کہ ام فروہ قاسم کو قربان کریں گی، ام لیلیٰ اپنے کڑیل جوان علی اکبرؑ کو قربان
کریں گی۔ بہن اپنی گود کے پالے عون و محمد کو قربان کریں گی۔ مگر ہائے میرا مقدر
میرے تو کوئی اولاد بھی نہیں ہے جو میں آپ پر قربان کر دیتی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ
میں کیسے آپ کے کام آؤں۔ یہ سُنتا تھا چھوٹا بھائی ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ بی بی
یہ نہ کہیے گا ابھی تو غلام موجود ہے، جب قربانی کا وقت آئے تو اپنی طرف سے
عبّاس کو آقا پر قربان کر دیجیے گا۔

اس عالم میں رات گذری، کبھی حسینؑ خیمے کے اندر سیدانیوں کو دلاسہ دی
کے لئے، کبھی خیموں کے باہر اصحاب سے گفتگو کرنے کے لئے، کبھی تیاریوں کا جا
لے رہے ہیں، کبھی مصلّے پر آکر ذکر پروردگار کرتے ہیں اس لئے کہ ایک رات ک
مہلت اسی لئے لی ہے تاکہ یہ رات عبادت الٰہی میں گذر جائے۔ یہاں تک کہ سحر
ہنگام آیا، حجاج اذان کے لئے تیار ہوئے۔ حسینؑ نے کہا حجاج تم نہیں، آج کی اذان
علی اکبرؑ کے حوالہ۔ شبیہ پیغمبرؐ اذان کے لئے تیار ہوا۔ سیدانیاں گوش بر آواز علی اکبر
کی اذان شروع ہوگئی "اللہ اکبر، اللہ اکبر" زینبؑ کی نگاہ میں نانا کا زمانہ۔ مگر جب
فاطمہؑ نے باپ کی آواز سُنی تو باپ کے جسم پر پتھروں کے زخم دیکھے تھے۔ مگر زینبؑ
جب یہ آواز سُن رہی ہے تو نانا کا زمانہ آنکھوں کے سامنے۔ اس کے بعد علی اکبرؑ سر
سے پیر تک زخمی باپ لاشہ بھی نہ اٹھا سکے، آواز دی بنی ہاشم کے بچّو! آؤ ضعیف
باپ سے کڑیل جوان کا جنازہ نہ اٹھ سکے گا۔ آؤ بچّو سہارا دو لاش اٹھواؤ۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۔

مجلس ۱۳

اہل لقاء اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔

"پیغمبرؐ! آپ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارا جیسا ایک بشر ہوں، مگر میری طرف یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا پروردگار ایک ہے جو اپنے مالک کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

یوں تو دنیا سے جانے والا ہر انسان بالآخر مالک کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ" سب پلٹا کر مالک کی بارگاہ ہی میں لے جائے جاتے ہیں۔ مگر وہ بندے کہاں ہیں جو مالک کی ملاقات کے امیدوار ہوں، جو اپنے پروردگار سے ملنا چاہتے ہوں، اور اس ملاقات کا ی انتظام کریں کہ ایسا نیک عمل انجام دیں کہ جس کی مثال تاریخ میں نہ ہو اور ایسی عبادت کریں کہ سجدہ میں کسی غیر کا تصوّر بھی نہ آنے پائے۔

لقاء الٰہی کی امید رکھنے والے، اپنے پروردگار سے ملاقات کا انتظام کرنے والے دنیا کے عام انسانوں سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ جہاد کے میدان میں مولائے کائناتؑ کو بغیر کسی اسلحہ اور بغیر کسی زرہ کے صفوں کے درمیان دیکھا گیا۔ دیکھنے والے نے گذارش کی یا علیؑ یہ میدانِ جنگ ہے، دشمنوں کے حملے ہو رہے ہیں اور آپ یوں ایک کُرتا پہن کے میدان میں آ گئے؟ فرمایا "اِنَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ لَا یُبَالِیْ بِالْمَوْتِ" ابوطالب کا بیٹا موت سے نہیں گھبراتا ہے، میں موت تک چلا جاؤں یا موت مجھ تک آ جائے۔ جن کی نگاہ میں جلوۂ پروردگار ہوتا ہے، جو اپنے مالک سے ملنا چاہتے ہیں، وہ نہ دشمنوں کو خاطر میں لاتے ہیں نہ فوجوں کو دیکھتے ہیں، نہ کثرت کو دیکھتے ہیں، نہ اسلحوں پر نگاہ رکھتے ہیں، ان کی نگاہ میں جلوۂ پروردگار ہوتا ہے۔

یا میدانِ صفین میں باپ کو یہ کہتے سُنا تھا، یا کربلا میں بیٹے کو یہ کرتے دیکھا۔ کہاں دنیا میں کوئی ایسا انسان ملے گا جو تیس ہزار کے نرغے میں گھر جائے اور اُسکی نگاہ فوجوں پر نہ رہے، اُس کی نگاہ تلواروں اور نیزوں پر نہ رہے، اُس کی نگاہ تیروں پر، دشمنوں کے اسلحوں پر نہ رہے، اُس کی نگاہ فقط جلوۂ پروردگار پر رہے۔ ایسے آزاد لوگ ایک ایک، دو دو تاریخ میں کہیں نظر آئے ہیں۔ تو جتنا بڑا مجمع کربلا میں دیکھا گیا اتنا بڑا مجمع نہ کربلا سے پہلے کبھی دیکھا گیا، نہ کربلا کے بعد چودہ سو سال گذر گئے آج تک ایسا مجمع دیکھا گیا جہاں چھوٹے، بڑے، جوان، بوڑھے، بچے، مرد، عورتیں سب کی نگاہ میں جلوۂ پروردگار ہو۔ اس کے علاوہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے ہوں، کسی کو نگاہ میں نہ لاتے ہوں۔ میں نے اس سے پہلے بھی اشارہ کیا تھا کہ علامہ شیخ جعفر شوستری کہتے ہیں کہ ۹ محرم سے جو کربلا کی صورتِ حال تھی جب حسینؑ

اور اصحابِ حسینؑ چاروں طرف سے نرغۂ اعداء میں گھر گئے تھے اور کربلا کا اتنا طویل و عریض میدان جس میں تیس ۳۰ ہزار گھوڑے دوڑ رہے تھے اور ہر طرف تلواریں چمک رہی تھیں، بڑے سے بڑا بھی کوئی بہادر ہوتا تو اس منظر کو دیکھ کے بیعت کے لئے تیار ہو جاتا، بڑے سے بڑا ہمت والا کوئی ہوتا تو اس صورت حال کو دیکھ کے پریشان اور گھبرا جاتا۔ مگر یہ کربلا والوں کا حوصلہ تھا کہ زمینِ کربلا ہل رہی تھی بچوں کا دل نہیں لرزا۔

اتنا تو تاریخ نے دیکھا کہ بچے آ کے سقا سے کہتے ہیں "العطش، العطش" ہائے پیاس، ہائے پیاس۔ تین دن گذر گئے ایک قطرہ پانی کا میسر نہیں ہے۔ مگر کوئی جھوٹی تاریخ بھی یہ کہنے کے لئے پیدا نہ ہوئی کہ کسی بچے نے آ کے مولاؑ سے کہا ہوتا کہ مولاؑ جب پانی اسی بات پر مل سکتا ہے کہ آپ بیعتِ یزید کے لئے تیار ہو جائیں تو ہم کب تک برداشت کریں گے؟ آپ بیعت کے لئے تیار ہو جائیں کم سے کم دو گھونٹ پانی تو مل جائے گا؟۔

یہ استقلال، یہ ہمت، یہ حوصلہ سوائے کربلا والوں کے کہیں نہ دیکھا گیا۔ بلاوجہ چودہ سو سال کے بعد کسی کو یاد نہیں رکھا جاتا۔ ایسا نہیں ہے کہ دنیا میں نیک کردار افراد فقط ۷۲ تھے، ایسا نہیں ہے کہ ایمان و کردار والے دنیا میں فقط ۷۲ پیدا ہوئے ہیں۔ کتنے ایمان والے پیدا ہوئے، کتنے نیک کردار والے پیدا ہوئے، کربلا سے پہلے پیدا ہوئے، کربلا کے بعد پیدا ہوتے رہے۔ مگر جیسا مجمع کربلا میں جمع ہو گیا تھا، جیسے افراد کربلا کے میدان میں جمع ہو گئے تھے، ویسا اجتماع کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ کوئی ایسا نہ ملا جس کی بارگاہ میں قیامت تک کھڑے ہو کے ہر ایک کی

ذمہ داری ہو کہ یہ اعلان کرے "بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ" اے کربلا والو! ہم کی
ہمارے ماں باپ تم پر قربان ہو جائیں، یہ شرف تنہا تم کو ملا کہ جس زمین میں
دفن ہو گئے وہ زمین بھی طیب و طاہر ہو گئی۔

آپ جانتے ہیں کہ روز عاشور کی یہ مجلس صرف ذکر مصائب تک ہے۔
مگر ذکر مصائب مختصر نہیں ہوگا۔ میں اپنے بچوں کے لئے، اپنے نوجوانوں کے لئے
اپنے تمام سننے والوں کے لئے جہاں تک یہ آواز پہونچے میں چاہتا ہوں کہ
دھیرے دھیرے آپ اس صورت حال کو محسوس کریں کہ عاشور کی رات سے
اور عصر عاشور تک حسینؑ کن منزلوں سے گذر رہے ہیں تذکرہ کر دینا میرا کام ہے
اس کے بعد میں دیکھوں کون اپنے دل کو سنبھال لیتا ہے۔ کون سننے والا جو اپنے
میں یا اغیار میں شمار ہوتا ہو اپنے آنسوؤں کو روک لیتا ہے۔ حسین تنہا ایک بچہ کو
میدان میں لے کر آگئے تھے، ساری فوج دشمن بیقرار ہو گئی۔

عاشور کی رات، فرزند رسول الثقلینؐ خیمہ سے برآمد ہوئے، میدان کا رُخ کیا
چاہنے والے کی نگاہ پڑ گئی، آقا اکیلے میدان میں جا رہے ہیں۔ نافع بن ہلال مولاؑ
کے پیچھے پیچھے چند قدم آگے بڑھے، حسینؑ نے مڑ کے دیکھا۔ نافع تم کیوں آئے؟
کہا آقا آپ اکیلے میدان میں جائیں اور غلام دیکھتا رہ جائے؟ آپ تنہا میدان میں
جائیں اور میں بیٹھا رہ جاؤں، یہ نہیں ہو سکتا ہے میں آپ کے ساتھ چلوں گا؟ اچھا
آگئے ہو تو آؤ تا کہ تمھیں بتاؤں کہ کل کیا ہونے والا ہے، تمھیں وہ جگہیں دکھلاؤں جہاں
کل قربانی پیش ہونے والی ہے۔ یہ جگہ وہ ہے جہاں تمھارا گلا کٹے گا۔ یہ جگہ وہ ہے
جہاں میرا حبیب مارا جائے گا۔ یہ جگہ وہ ہے جہاں مسلم و زہیر و بریر کام آئیں گے۔

یہ جگہ وہ ہے جہاں میرا کڑیل جوان برچھی کھائے گا۔ یہ جگہ وہ ہے جہاں میرا چھ مہینے
کا لال کام آئے گا۔ ایک ایک جگہ کو بتاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔
جب پلٹ کے چلنے لگے تو چاہنے والے نے کہا مولاؑ! میں ہر جگہ سے گذر گیا، ہر
منظر کو میں نے دیکھ لیا مگر ایک جگہ سے جو آپ گذر رہے تھے تو کسی کے رونے کی
آواز آرہی تھی، آقا جب آپ اس نشیب کے پاس سے گذرے تو جیسے کسی کے
رونے کی آواز آرہی تھی۔ یہ جنگل کے مقتل میں کون رو رہا ہے؟ کہا جس کا گھر اُجڑ
رہا ہے وہی رو رہا ہے۔ جس کا گھرانہ لٹنے والا ہے وہ رو رہا ہے۔ واپس آئے مولاؑ۔
نافع درِ خیمہ پر بیٹھ گئے۔ آقا خیمہ کے اندر آئے مگر ایسی گفتگو سُننے میں آئی کہ جیسے
معلوم ہوتا ہے کہ خیمے کے اندر جانے کی نوبت نہیں آئی شاید کوئی درِ خیمہ کے پاس
انتظار کر رہا ہے اس لئے کہ نافع نے درِ خیمہ پر کھڑے ہوکے یہ آواز سُنی جیسے کسی
نے پوچھا بھیّا! رات میں کہاں گئے تھے۔ بھیّا رات کے اندھیرے میں کہاں چلے
گئے تھے؟ کہا بہن مقتل کا جائزہ لینے چلا گیا تھا، قربان گاہ کو دیکھنے گیا تھا۔ کہا،
کیا بھیّا یہ طے ہوگیا کہ کل قربانی کا دن ہے؟ فرمایا ہاں زینبؑ، اب یہ طے ہوگیا
کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کل قربانی کا دن ہے۔ جیسے ہی یہ فقرہ سُنا روایت کہتی ہے
بھیّا تو اگر کل جہاد ہونے والا ہے، کل جنگ ہونے والی ہے تو آپ نے اپنے
ساتھیوں کو آزمالیا ہے، یہ ایسے سخت وقت میں آپ کا ساتھ دیں گے یا نہیں ساتھ
دیں گے؟۔ بس یہ سُننا تھا نافع درِ خیمہ سے اُٹھے، خیمۂ اصحاب میں آئے۔ حبیبؑ
زہیر، بریر، مسلم! ہماری زندگیوں کا فائدہ کیا ہے، ہمارے جینے کا فائدہ کیا ہے؟ کہا
خیریت تو ہے کیا خبر لے کے آئے؟ کہا میں درِ خیمہ پر تھا، شہزادی بھائی سے باتیں

کر رہی تھیں اور فرمایا کہ کیا آپ نے اپنے ساتھیوں کو آزما لیا ہے کہیں عین وقت
پر چھوڑ کے تو نہیں چلے جائیں گے۔ بس یہ سُننا تھا روایت کا فقرہ ہے کہ چاہنے
والوں نے تلواروں کو نیاموں سے نکالا، نیاموں کو توڑ توڑ کے پھینک دیا۔ درِ خیمہ
پر آئے، آ کے آواز دی زہراؑ کے لال! حسین تڑپ کے خیمہ سے باہر نکل آئے۔ مرے
چاہنے والو! یہ تلواریں کیسی، یہ تمہارا کیا عالم ہے؟ کہا بات کچھ نہیں ہے ایک بات
کہنا ہے۔ شہزادی سے کہئے یا ہماری وفا پر بھروسہ کریں یا ہمیں اجازت دیجئے
اپنے ہاتھوں سے اپنی گردنیں کاٹ لیں مگر یہ گوارا نہیں ہے کہ ہماری وفا پر شک
کیا جائے۔

حسینؑ نے اصحاب کے سامنے وہ تاریخی اعلان کیا "وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ
اَصْحَابًا اَوْفیٰ مِنْ اِصْحَابِیْ"، خدا گواہ ہے کہ میرے علم میں میرے اصحاب سے
زیادہ وفادار کسی کے اصحاب نہیں۔ "وَلَا اَھْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ"
نہ میرے گھر والوں سے اچھے کسی کے گھر والے ہیں۔ ارے تم پر نہ بھروسہ کروں گا
تو کس پر بھروسہ کروں گا۔ اور یہ بھروسہ ہی تھا کہ جب سب کام آ گئے۔ درِ خیمہ
پر کھڑے ہو کر آواز دے رہے ہیں مسلم، میرے شیرو! میرے شہسوارو! کہاں
چلے گئے، حسینؑ آواز دے رہا ہے؟

اسی عالم میں عاشور کی رات گذرتی رہی۔ امام حسینؑ کے چاہنے والے
اصحاب وانصار، خیموں کے اندر بی بیاں، سیدانیاں۔ رات عبادتِ الٰہی میں
گذر رہی ہے۔ کہیں سجدے، کہیں تلاوتِ قرآن، کہیں دُعائیں، کہیں درمیان میں
تلواروں پر صیقل۔ فرزندِ رسولؐ کبھی مصلّے پر، کبھی خیموں کے درمیان، بی بیوں کو

سہارا دیا جائے، بچّوں کو تسلّی دی جائے، مالک کی بارگاہ میں مناجات کی جائے، اِسی عالم میں یہ رات گذرتی رہی، اسی عالم میں عاشور کی رات تمام ہوئی یہانتک کہ فجر کا ہنگام آیا۔ حسینؑ نے اپنے کڑیل جوان بیٹے سے کہا، میرے لال علی اکبرؑ! اب تک میری نماز کے لئے حجاج ابن مسروق اذان کہا کرتے تھے مگر بیٹا آج کی نماز کی اذان، اس نماز کی اذان تمھیں دینا ہوگی۔ باپ کا حکم ملا، علی اکبرؑ نے اذان شروع کی اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ لہجۂ پیغمبرؐ میں علی اکبرؑ کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔ زینبؑ کے کانوں میں نانا کی آواز آئی۔ حسینؑ اپنے جد کا لہجہ سُن رہے ہیں۔

ع۔ شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بُلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

علی اکبرؑ کی اذان تمام ہوئی، حسینؑ نے نماز کا اہتمام کیا، مگر کیا اہتمام؟ سارے چاہنے والوں نے خاک گرم کربلا پر تیمم کیا، چاہنے والے صفیں باندھ کے کھڑے ہو گئے۔ امام حسینؑ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ یہ آخری نماز ہے جو سکون سے ادا ہو گئی، حالات کتنے ہی سخت رہے ہوں مگر یہ آخری نماز ہے جو سکون سے ادا ہو گئی کہ سارے پڑھنے والوں نے نماز پڑھی اور مولاؑ نے نماز پڑھا دی۔ مگر تاریخ کربلا کہتی ہے کہ جیسے ہی یہ نماز تمام ہوئی ایک مرتبہ ابن سعدؔ فوجوں سے باہر نکل کے آیا، تیر چلّۂ کمان میں جوڑا، خیامِ حسینی کی طرف تیر پھینکتے ہوئے کہا فوج والو! امیر کے پاس گواہی دینا کہ سب سے پہلا تیر خیامِ حسینی کی طرف میں نے پھینکا ہے۔ ایک تیر کا چلنا تھا کہ چار ہزار تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھار شروع کر دی۔ فرزندِ رسولؐ نے

مڑ کے چاہنے والوں کو دیکھا۔ کہا چاہنے والو! جنگ کی ابتدا ہو گئی، ظالموں نے حملے کا آغاز کر دیا۔ "یَا خَیلَ اللّٰہِ ارْکَبُوْا" اے اللہ کے شہسوارو اٹھو مقابلہ کرو۔ مگر عزیزو! کیسا مقابلہ؟ تلواریں چلیں تو تلوار چلائیں، نیزے والے سامنے آئیں تو مقابلہ کیا جائے۔ اُدھر سے تیر برس رہے ہیں، اِدھر حسینؑ کے چاہنے والے نکل کے میدان میں آ گئے۔ ایک گھنٹہ تک تیروں کی بوچھار ہوتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد جو حملہ رُکا اور حسینؑ نے جھک کے دیکھا تو چالیسؓ چاہنے والے خاک پر۔۔۔۔

سُنتے رہو عزیزو! بہت روئیں گے بہت مثاب ہوں گے۔ تاریخ کربلا میں، بعض روایات میں ۴۰ کا ذکر ہے، بعض روایات میں ۵۰ کا ذکر ہے اور سب کے نام موجود ہیں جو حسینؑ کے چاہنے والے تھے، جو صبح کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ کے اندر راہِ خدا میں قربان ہو گئے۔

اب تھوڑی دیر آپ ذہنوں پر زور دے کے سوچیں کہ جس کے پاس ۷۲ کی سپاہ ہے۔ ابھی جنگ کا آغاز نہیں ہوا، ابھی کوئی میدان میں لڑنے کے واسطے نہیں گیا اگر ۴۰ کام آ گئے تو بچے کتنے؟ تیس افراد اِدھر، تیس ہزار اُدھر۔ اب جنگ کا آغاز ہونے جا رہا ہے کہ اب وہ وقت آ گیا جب میدان میں جانے والے میدان میں جائیں۔ روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جو میدان میں گیا۔ یہ بھی عجیب بات تاریخ کربلا میں ہے، سب سے پہلے جو میدانِ جہاد میں جہاد کے لئے گیا اس کی صورت حال تو سب سے زیادہ نازک ہے۔ جوانی کی عمر، ضعیف ماں ساتھ، زوجہ کو ابھی باپ کے گھر سے رخصت کرا کے لایا ہے اور جیسے ہی انفرادی قربانی کا وقت آیا سب سے پہلے مولاؑ کے سامنے آ کے کھڑا

ہو گیا۔ مولاؑ! میری ماں کہتی ہے کہ سب سے پہلے تو چلا جا۔ اِدھر بیٹے کا اصرار،
اُدھر ماں ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔ مولاؑ نے اجازت دے دی۔ سب سے پہلے
راہِ خدا میں وہب قربان ہو گیا۔ اس کے بعد دو دو، تین تین، ایک ایک کر کے
مولاؑ سب کو بھیجتے رہے اور سب راہِ خدا میں قربان ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ
ظہر کا وقت آنے سے پہلے سب سے آخری آدمی، آخری چاہنے والا جو ظہر سے
پہلے راہِ خدا میں قربان ہوا وہ جناب مسلمؑ بن عوسجہ تھے۔ واقعات ہر سال میں
بیان کرتا ہوں اور آپ سُنتے رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی بعض تصوّرات ذہن میں
پیدا ہوتے ہیں۔ جی چاہتا ہے آپ بھی میرے ساتھ سوچیں۔

حملۂ اولیٰ کے بعد صبح یہ کے کام آنے کے بعد جب پہلا آدمی میدان میں گیا
اور اس کی زوجہ میدان کی طرف آئی اور شوہر نے پوچھا مومنہ تو کیوں آ رہی ہے،
تو کیا کہا؟ آپ کے جانے کے بعد میں مولاؑ کی خدمت میں گئی۔ میں نے دیکھا
سر جھکائے بیٹھے ہیں کہتے ہیں "واغربتاہ"۔ سوچو عزیزو! ابھی جب پہلا
چاہنے والا گیا ہے تب تو حسینؑ غربت کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں کچھ دیر بعد کیا ہونے
والا ہے۔ یہ انفرادی جہاد کی ابتدا ہے کہ جہاں زوجۂ وہب کہتی ہے کہ مولاؑ
اپنی غربت کا ذکر کر کے آنسو بہا رہے تھے اور جب ظہر سے پہلے آخری سپاہی
مسلم کام آئے اُس وقت تک صورت حال کیا ہو گئی تھی، اُس وقت کے حالات
کیا تھے کہ اب جو امام حسینؑ پلٹ کے مسلم کے سرہانے سے چلے تو دیکھا خیمہ
کا پردہ اُٹھا۔ ایک بچہ خیمہ گاہ سے باہر آیا۔ حبیب رو کو یہ بچہ کون ہے، کہاں
جا رہا ہے؟ حبیب نے روکا، کہا میرے لال کہاں جا رہے ہو؟ کہا میدان میں

مولاؑ کے قدموں پر سر قربان کرنے جا رہا ہوں۔ وہ پہلے مرحلہ کی ابتدا تھی ک
جہاں زوجۂ وہب کہتی ہے مولاؑ اپنی غربت کا ذکر کر رہے تھے اور پہلے جہاد ک
آغاز نہیں انجام ہے۔ آخری مرحلہ ہے کہ جہاں ایک خاتون نے اپنے ۱۳ برس
کے بچہ کو سجا کے مقتل میں بھیج دیا۔ مولاؑ نے کہا بیٹا میں تیرے باپ کے سرہ
سے آرہا ہوں۔ تیری ماں کے لئے تیرے باپ کا غم بہت کافی ہے، اب ن
صدمہ کیوں دینا چاہتا ہے، شاید تیری ماں کو معلوم نہیں ہے کہ تیرا باپ راہِ خد
میں قربان ہوگیا۔ تو پس پردہ سے آواز آئی مولاؑ یہ ایک بیوہ کا ہدیہ ہے۔ آقا
ایک بیوہ کا ہدیہ ہے اسے رَد نہ کیجئے گا۔

یہ ظہر سے پہلے کی صورت حال ہے۔ اب اس کے بعد ظہر کے ہنگام جتنے
باقی رہ گئے ہوں، ۲۰ آدمی رہے ہوں، ۲۵ آدمی رہے ہوں، جتنے باقی رہ گئے
انھیں میں تو نماز ہوتی تھی۔

میرے عزیزو! آپ کربلا کی صورت حال، آج کے دن کے حالات کا جائز
لیتے رہے۔ یعنی یہ وقت آتے آتے جب ظہر کا ہنگام قریب آیا ہے اب لڑائی
بہتّر کی نہیں ہے، اب مجمع بہتّر کا نہیں ہے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو ۲۰۔۲۲ افراد
جو باقی رہ گئے ہوں حسینؑ نے ان کو بھی دو حصّوں میں بانٹ دیا، دو حصّوں
میں تقسیم کر دیا۔ دو آگے کھڑے ہو جائیں گے، باقی چاہنے والے پیچھے کھڑے ہو جائیں
اب ظہر کی نماز ہونے جا رہی ہے۔ سعید و زہیر سامنے کھڑے ہیں، باقی چاہنے
والے پیچھے کھڑے ہیں اور حسینؑ نماز پڑھا رہے ہیں۔ مگر جیسے ہی نماز تمام ہوئی
مولاؑ نے نماز کا آخری سلام پڑھا اور ایک چاہنے والا خاک پر گرا اور گر کے

آواز دی زہرؑا کے لال! میرا بھی آخری سلام۔ سچ کہا تھا شب عاشور ایسے وفادار مجھے نہیں معلوم۔ سنو گے عزیزو! کتنا روؤ گے ہمارے آنسوؤں میں ہے کیا؟ ہمارے پاس کتنی طاقت، کتنی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ غم حسینؑ کے آنسوؤں کا حق ادا ہو سکے؟ چاہنے والا خاک پر گرا اور گر کے آواز دی میرا بھی آخری سلام لے لیجئے۔ حسین بیٹھ گئے چاہنے والے کا سر اُٹھا کے زانو پر رکھ لیا۔ دیکھا اتنے زخم کھائے ہے، خون بہا ہے، سینہ یوں چھلنی ہو گیا ہے کہ چاہنے والا بے ہوش پڑا ہے۔ حسینؑ نے رخساروں پر آنسو بہائے جیسے ہی چاہنے والے نے آنکھ کھولی دیکھا میرا سر، مولاؑ کا زانو۔ کہا آقا یہ کیا کر رہے ہیں، غلام کا سر اس قابل ہے کہ مولاؑ کے زانو پر رکھا جائے؟ کہا نہیں یہ تمہارا حق ہے۔ حسینؑ نے کہا کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہا مولاؑ ایک بات کہنا چاہتا ہوں جلدی بتا دیجئے قبل اس کے کہ میں خاموش ہو جاؤں۔ فرمایا زہیر کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ کہا مولا بتا دیجئے غلامی کا حق ادا ہو گیا یا نہیں؟ "ھَلْ وَفَیْتُ بِعَھْدِیْ" مولاؑ! جو عہد آپ سے کیا تھا کیا وہ عہد وفا ہو گیا، وہ عہد پورا ہو گیا؟ فرمایا تم وفا نہیں کرو گے تو کون کرے گا، تم حق محبت ادا نہ کرو گے تو کون محبت کا حق ادا کرے گا۔

لو عزیزو! ظہر کی نماز بھی تمام ہو گئی، اب جو باقی رہ گئے ہیں ان کی قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی حبیب میدان میں آئے اور جب زخموں سے چور ہو کے گرے تو مولاؑ کو آواز دی۔ حسینؑ دوڑ کے آئے۔ مگر مورخ کربلا کہتا ہے اب تک میں دیکھ رہا تھا کہ جو میدان میں گیا، جو کام آیا، حسینؑ لاشے اٹھاتے رہے، حسینؑ آنسو بہاتے رہے۔ مگر حسینؑ کے چہرہ کا رنگ کھلتا جا رہا تھا اور جیسے ہی حبیبؑ

کی آواز آئی حسینؑ دوڑ کے حبیبؑ کے سرہانے آئے۔ میں نے دیکھا کہ اب حسینؑ کے چہرے پر خستگی کے آثار ہیں۔ سرہانے آکے بیٹھ گئے، سر اٹھا کے زانوؤں پر رکھ لیا "رَحِمَ اللّٰہُ حَبِیْبًا" اللہ میرے حبیب پر رحمت نازل کرے۔ "لَقَدْ کَانَ یَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِیْ لَیْلَۃٍ وَاحِدَۃٍ" یہ میرا وہ چاہنے والا صحابی تھا جو صرف ایک رات میں پورا قرآن پڑھتا تھا۔

حبیب کے بعد دوسرے چاہنے والے کبھی بریر، کبھی حُر، کبھی عابس، کبھی شوذب، کبھی جون، کبھی واضح، کبھی کوئی غلام، کبھی کوئی آزاد، کبھی کوئی بوڑھا، کبھی کوئی جوان، ایک ایک کرکے راہِ خدا میں قربان ہوتے رہے اور حسینؑ اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں جب تک ہو سکے جو آواز دے۔ جائیں ضرور۔ اگر سوچ سکو تو سوچو چاہنے والو صحیح نقشہ ہے:

کبھی لاش اُٹھائی، کبھی رو دیئے

اسی شغل میں شاہؑ دن بھر رہے

کبھی زندگی میں کسی کا ایسا مشغلہ نہ دیکھا ہوگا جو کبھی لاش اٹھاتا ہو، کبھی سرہانے بیٹھ کر روتا ہو، یہانتک کہ سارے چاہنے والے راہِ خدا میں کام آگئے۔ سارے چاہنے والے قربان ہو گئے۔ اب بنی ہاشم کی باری آئی۔ دل کے ٹکڑے، گود کے پالے، بنی ہاشم کے بچّے اور جوان اب ان کے قربان ہونے کا وقت آگیا۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اولادِ عقیل راہِ خدا میں قربان ہوئی اور اولادِ عقیل میں بھی سب سے پہلے مسلم کے لال نے وراثت کا حق ادا کر دیا۔ بچّوں نے وراثت کا حق ادا کر دیا۔ اگر کربلا سے پہلے باپ قربان ہوا تو کیوں نہ کربلا میں سب سے

پہلے ہم قربان ہو جائیں۔ اس کے بعد دیگر اولاد عقیل جاتی تھی۔ خاندان عقیل کے آٹھ افراد ایک کے بعد ایک راہِ خدا میں قربان ہوتے رہے اور حسینؑ ایک ایک کا لاشہ اٹھاتے رہے۔ اولادِ عقیل کے بعد آپ جانتے ہیں ابو طالب کی اولاد میں طالب کے بعد عقیل ہی تو ہیں، اولادِ عقیل قربان ہو گئی۔

اب اولاد جعفر طیار کی باری آئی۔ جب عقیل کی اولاد قربان ہو چکی تو ایکمرتبہ ماں نے اپنے گود کے پالوں سے کہا، بچو جاؤ ماموں کے پاس۔ جاؤ جاکر ماموں سے اجازت لو اور تم میدان میں چلے جاؤ۔ کہا اماں آپ چل کے کہہ دیجئے۔ شہزادی بچّوں کا بازو پکڑ کے بھائی کے سامنے آئیں۔ سر جھکا کے کھڑی ہو گئیں۔ حسینؑ نے چہرہ کو دیکھا۔ حسینؑ سے بہتر زینبؑ کے انداز کو کون پہچانے گا۔ کہا بہن خیر تو ہے، کچھ کہنا چاہتی ہو؟ کہا بھیّا کہنے تو آئی ہوں کچھ کہنا چاہتی ہوں اور اس لئے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے یہ اعتبار ہے کہ میری بات کو آپ ٹالتے نہیں ہیں، اگر میں کوئی بات کہوں گی تو آپ میری بات کو ٹالیں گے نہیں۔ فرمایا بتاؤ تو زینبؑ کیا کہنا چاہتی ہو؟ کہا بھیّا میرے بچّوں کو مرنے کی اجازت دے دیجئے۔ کیا کروں زینبؑ آج قربانیوں کا دن ہے، آج راہِ خدا میں قربان ہونے کا دن ہے، میں روک نہیں سکتا جاؤ میں نے اجازت دے دی۔ ماں نے بچّوں کو سمجھایا، میدان میں بھیج دیا مگر جاتے جاتے یہ کہا، بیٹو! میدان میں جا رہے ہو۔ نہ سُن سکو گے رونے والو، یہ جذبات سوائے کربلا کے کہاں ہیں یہ تو سوچ بھی نہیں سکتے ہیں جو کربلا والوں نے وفا کے منظر پیش کئے ہیں۔ کہا بیٹا میدان میں تو جا رہے ہو اور مجھے معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے پیاسے ہو، مگر دو باتوں کا خیال رکھنا، ایسی

جنگ کرنا کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ جعفر طیار کے پوتے ہو، حیدر کرارؑ کے نواسے ہو:

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکار اُٹھیں کہ نواسے علیؑ کے ہیں

میرے شیرو! جہاد کا حق ادا کر دینا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ پیاسے رہنا مگر کبھی دریا کا رُخ نہ کرنا، دریا پر جانے کا ارادہ نہ کرنا۔ سکینہ پیاسی ہے، اصغر پیاسا ہے، بچّے پیاسے ہیں۔ شہزادے میدان میں آئے۔ ایک بھائی میمنہ پر ایک میسرہ پر۔ حق جہاد ادا کیا زخموں سے چُور ہو کے گھوڑے سے گرے۔ مولاؑ کو آواز دی۔ کہا بھیّا عباسؑ چلو۔ امام حسینؑ نے قوت بازو کو ساتھ لیا۔ میدان میں آئے۔ اب دونوں لاشیں اٹھائیں گے۔ ایک کو حسینؑ نے اُٹھایا، ایک کو عباسؑ نے اُٹھایا۔ لا کے خیمہ میں جنازوں کو رکھا۔ فضّہ نے آ کے خبر دی بی بی آپ کے لال آئے ہیں، شہزادی آپ کے فرزند آئے ہیں۔ کہا میں نے مرنے کے لئے بھیجا تھا آئے کیوں؟ کہا چل کے دیکھ تو لیجئے کیسے آئے ہیں۔ خدا کسی ماں کو یہ منظر نہ دکھلائے اب جو مڑ کے دیکھا تو دیکھا اِدھر عون کا جنازہ، اُدھر محمد کا جنازہ۔ مگر یہ ماں کا حوصلہ تھا، آنسو بہانے کے بجائے کہا شاباش میرے شیرو! تم نے مجھے بھیّا کے سامنے شرمندہ نہ ہونے دیا۔

جعفر طیارؑ کی اولاد بھی کام آگئی۔ اس کے بعد اولاد امیر المومنینؑ کی باری آئی۔ اتنی دیر سے قربانیوں کا منظر عباسؑ علمدار دیکھتے جا رہے ہیں۔ جب دیکھا کہ سب چاہنے والے، گود کے پالے جنھیں فنِ جنگ ہم نے سکھایا سب میدان میں جا کے داد شجاعت دے کے قربان ہو گئے۔ اب مولاؑ کے سامنے آئے۔ آقا

اب اجازت دیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے میرے یہ بھائی میدان میں جائیں، آپ جانتے ہیں کہ عباسؑ علمدار، چار بھائی میدان میں ہیں۔ ام البنین کے چار شیر جو میدان میں ہیں۔ عباسؑ نے پہلے چھوٹے بھائی کو بھیجا۔ جب وہ راہِ خدا میں قربان ہو گیا تو دوسرے بھائی کو بھیجا۔ وہ راہِ خدا میں قربان ہو گیا تو تیسرے بھائی کو بھیجا، وہ بھی راہِ خدا میں قربان ہو گیا۔ اب اس کے بعد خود مولاؑ کے سامنے آئے۔ میں نہ سمجھا یہ حوصلہ کی کون سی قسم ہے۔ مصائب کی منزل میں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ سبھی کو مرنا ہے تو آدمی چاہتا ہے پہلے ہم مر جائیں تاکہ بعد کا منظر نہ دیکھیں۔ نہیں عزادارو! سوچو میں نے کیا کہا؟ آدمی سوچتا ہے پہلے ہم قربان ہو جائیں تاکہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو خون میں تڑپتا ہوا نہ دیکھیں۔ یہ عباسؑ نے پہلے بھائیوں کو کیوں بھیج دیا؟ اگر اب تک نہ سوچا تو آج سوچو۔ علمدارؑ یہ جانتا ہے کہ مولاؑ لاشے اٹھاتے ہیں اگر میں پہلے قربان ہو گیا تو مولاؑ کی کمر ٹوٹ جائے گی ان لاشوں کو کیسے اٹھایا جائے گا، لہٰذا ایک ایک کو بھیجا، ایک ایک کے جنازے کو لے کے آئے، اور جب اپنی باری آئی تو کہا آقا! میرے لاشہ کو خیمہ میں نہ لے جائیے گا۔

"اجرکم علی اللہ" خدا آپ کو کسی غم میں نہ رُلائے، سوائے غمِ آلِ محمدؐ کے۔ اور اس غم میں آنسو بہانے کی توفیق دے اور ان حقیر آنسوؤں کو رومالِ فاطمہؑ میں جگہ دے۔

یہ قربانیاں، اولادِ علیؑ بھی راہِ خدا میں قربان ہو گئی۔ اولادِ حسن مجتبیٰؑ میں قاسمؑ بھی سامنے آ کے کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی قربان ہونا چاہتے ہیں۔ مولاؑ نے اُنھیں بھی رخصت کر دیا۔ وہ بھی میدان میں کام آ گئے، اُن کا لاشہ بھی اٹھایا گیا۔

لیکن اب حسینؑ کے سامنے دو تین مرحلے بہت سخت رہ گئے، اتنی قربانیاں، ہر مرحلہ، ہر قربانی، حسینؑ کے دل پر کیا گذر رہی تھی یہ مولاؑ کا دل جانتا ہے۔ مگر اس کے بعد اب چند مرحلے اتنے سخت آگئے ہیں جن سے کوئی انسان گذر نہیں سکتا ایک اپنے کڑیل جوانؑ کی قربانی۔ ایک قوت بازو کی قربانی۔ اور آخر میں ایک چھ مہینے کے بچہ کی قربانی۔ یہ تین انتہائی سخت مرحلے ہیں جن سے حسینؑ ابن علیؑ کو گذرنا ہے۔ مگر آج وہ دن ہے کہ حسینؑ ان سارے مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں۔ جب کڑیل جوان بیٹے کا وقت آیا اسے بھی رخصت کر رہے ہیں۔ جاؤ جا کے خیمہ سے رخصت ہو کے آؤ۔ علی اکبرؑ خیمہ میں گئے، سیدانیوں سے رخصت ہو کے آئے۔ حسینؑ نے سجایا، اپنے ہاتھوں سے گھوڑے پر بٹھایا۔ کہا جاؤ میرے لال۔ جا کے جہاد کرو۔ راہِ خدا میں قربانی کا حق ادا کرو۔ علی اکبرؑ میدان میں آئے، جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ خون میں نہا گئے۔ مگر پلٹ کے آئے۔ بس چند مرحلے باقی رہ گئے اور مجلس اپنی آخری منزل تک آرہی ہے۔ مگر اکبر میدان سے پلٹ کر آئے۔ ابھی تک جو میدان میں گیا سوائے ایک وہب کے جو اپنی ماں کے پاس پلٹ کے آئے تھے باقی ابھی تک کوئی میدان سے واپس نہیں آیا۔ مگر علی اکبرؑ میدان سے پلٹ کر آئے۔ یہ علی اکبرؑ کیوں پلٹ کے آئے؟ کیسے پلٹ کے آئے؟ اس لئے کہ جوان بیٹا میدان میں۔ پالنے والی نے کہا فضہؑ! درِ خیمہ پر کھڑی ہو جاؤ اور آقاؑ کے چہرہ کو دیکھنا جوان بیٹے کا معاملہ ہے۔ اگر میرے لال پر کوئی سخت وقت پڑے گا تو یقیناً میرے مولاؑ کے چہرہ کا رنگ بدل جائے گا۔ ایک مرتبہ دوڑ کے فضہؑ آئیں کہا بی بی مولاؑ کے چہرہ کا رنگ بدل رہا

ہے۔ کہا آقا کو ذرا زحمت تو دو۔ مولاؑ خیمہ کے اندر آئے۔ گذارش کی آقا یہ آپ کے چہرہ کا رنگ کیوں بدل گیا؟ کہا کیا کروں میرے لال کے مقابلہ میں ایک بڑا نامی پہلوان آگیا ہے وہ سیر و سیراب ہو کے آیا ہے۔ میرا بچہ تین دن کا بھوکا پیاسا ہے۔ مولاؑ میں کیا کروں؟ آقا میں کیا کروں؟ کہا دعا کرو دعا۔ ماں کی دعا ہے اولاد کے حق میں قبول ہوگی۔ بس یہ سننا تھا کہ ماں نے کہا بی بیو! حلقہ بناؤ حلقہ۔ مجھ غریب پر ایک وقت پڑا ہے میں دعا کروں تم آمین کہنا۔ سیدانیوں نے حلقہ بنایا، لیلیٰ درمیان میں کھڑی ہوئیں۔ "اِلٰهِیْ بِغُرْبَةِ الْحُسَیْنِؑ" پروردگار! تجھے حسینؑ کی بیکسی کا واسطہ۔ اے یوسفؑ کو یعقوبؑ تک پلٹانے والے، میرے لال کو پلٹا دے۔ ماں کی دعا تمام ہوئی۔ ایک مرتبہ اکبرؑ میدان سے پلٹ کے آگئے، مگر کیسے آئے باپ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ بابا پیاس مارے ڈال رہی ہے۔ حسینؑ نے کہا بیٹا! تمھیں تو معلوم ہے کہ خیمہ میں کوئی قطرۂ آب نہیں ہے، اپنی زبان میرے دہن میں دے دو شاید تسکین ہو جائے۔ اکبرؑ نے زبان دہن میں رکھی اور کھینچ لی۔ بیٹا یہ کیا کیا؟ کہا بابا آپ کی زبان میں تو کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ کہا اچھا میرے لال یہ انگوٹھی لو، جاؤ اب تمھارے جد تمھیں کوثر سے سیراب کریں گے، جامِ کوثر سے سیراب کریں گے۔ حسینؑ نے کڑیل جوان بیٹے کو بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اکبرؑ نے آخری سلام کیا تو گرتے پڑتے مقتل میں آئے۔ مگر جیسے ہی بیٹے کے سرہانے پہونچے، علی اکبرؑ نے کہا بابا آپ پریشان نہ ہوں دادا جان آبِ کوثر لے کے آگئے۔

امام حسینؑ جوان بیٹے کے سرہانے بیٹھے۔ چند لمحہ نہ گذرنے پائے تھے کہ

جوان بیٹے نے دم توڑ دیا۔ حسینؑ نے مرثیہ شروع کیا "عَلَی الدُّنیَا بَعدَكَ العَفَا"
اے بیٹا تیرے بعد زندگانی دنیا پر خاک۔ میں اپنی لفظوں میں کچھ نہیں کہوں گا۔
مولاؑ کا مرثیہ مولاؑ کی زبان سے سنئے:

علی اکبرؑ! تیرے بعد زندگانی دنیا پر خاک۔ اے مرے لال "اِستَرَحتَ
مِن هَمِّ الدُّنیَا وَ غَمِّهَا" بیٹا تم نے تو دنیا کے رنج و غم سے نجات پالی۔ بیٹا
تمہارا ہم و غم تو ختم ہو گیا۔ مرے لال ذرا باپ کو دیکھ لو زغۂ اعداء میں اکیلا ہے۔
"بَقِیَ اَبُوكَ وَحِیدًا فَرِیدًا بَینَ الاَعدَاءِ"۔ یہ سخت مرحلہ تھا جسے حسینؑ نے سر کیا۔
دوسرا سخت مرحلہ جو حسینؑ کے سامنے آیا وہ ۳۴ سال کے جوان بھائی کی
قربانی کا تھا جس کو حسینؑ نے رخصت کیا۔ میدان سے واپس آ رہا ہے۔ مگر جب
تیر ستم مشک سکینہؑ پر لگا۔ عباس سر جھکا کے بیٹھ گئے۔ سر پر گرز آہنی لگا خاک کربلا
کی طرف چلے۔ مولاؑ کو آخری سلام کیا۔ مولاؑ آئے، اپنے جوان کے سرہانے آئے،
بھائی، قوت بازو۔ (اب تفصیلات کا وقت نہیں ہے جلدی جلدی دو دو جملے سن
لیجئے۔ میں خالی مولاؑ کی زبان سے مولاؑ کا مرثیہ سناؤں گا)۔ جب اکبرؑ کے سرہانے
آئے تو وہ مرثیہ پڑھا۔ جب عباسؑ کے سرہانے آئے تو تین فقرے آ کے کہے
"اَلآنَ اِنکَسَرَ ظَهرِی" اے عباس اب کمر ٹوٹ گئی۔ اے بھیّا اب کمر ٹوٹ
گئی" "وَقَلَّت حِیلَتِی" اے بھیّا اب کوئی تدبیر سامنے نہیں ہے۔ آخری جملہ
سنو گے؟ "اَلآنَ شَمِتَ بِی عَدُوِّی" اے عباسؑ دشمن طعنے دے رہے ہیں
علمدار کہاں ہے؟ بتاؤ حسینؑ کیا جواب دے۔ عجب نہیں کہ لاشہ تڑپ گیا۔ مگر
چونکہ وصیت ہے کہ میرے لاشہ کو نہر کے کنارے رہنے دیجئے خیمہ گاہ میں نہ لیجائیے گا۔

لاشہ کو چھوڑا۔ پلٹ کے آئے۔

اب آخری مرحلہ رہ گیا اتمامِ حُجّت کا۔ صدائے استغاثہ بلند کی۔ اب کوئی نہیں ہے، فقط خیمہ میں گہوارے میں ایک بچہ رہ گیا ہے۔ جیسے ہی آواز بلند ہوئی، خیمہ میں کہرام برپا ہوا۔ آئے درِ خیمہ پر، بہن خیر تو ہے۔ کہا بھیّا آپ کی آواز کو سُن کے اصغرؑ نے اپنے کو جھولے سے گرا دیا۔ کہا لاؤ بہن مرے لال کو لاؤ۔ کہا بھیّا اصغرؑ کسی کی گودی میں نہیں آئے۔ حسینؑ گہوارے کے پاس آئے۔ کچھ اشارہ کیا۔ بچہ ہمک کے باپ کی گودی میں آگیا۔ حسینؑ لے کے میدان میں آئے۔ آکے حُجّت تمام کی۔ مگر نتیجہ کیا ہوا کہ تیرِ ستم علی اصغرؑ کے گلے پر لگا۔ بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔ حسینؑ نے پُشت خیمہ گاہ پر ایک ننھی سی قبر بنائی۔ علی اصغرؑ کو سپردِ خاک کیا۔ صبح سے لے کر اب تک اکہتّر قربانیاں راہِ خدا میں پیش ہو چکیں۔ حسینؑ اپنے دل پر اتنے داغ اٹھا چکے ہیں جسم کے داغوں کو کون گنے گا؟ جسم کے زخموں کو کون شمار کرے گا؟

جب کوئی نہ رہ گیا تو درِ خیمہ پر آئے۔ آکے آواز دی زینبؑ! میرا آخری سلام۔ بس عزادارو! یہ سارا تذکرہ اسی لئے میں نے کیا کہ اس منزل پر پہونچنا ہے۔ دس منٹ اور مجلس تمام۔ لیکن اب یہ منزل انتہائی سخت ہے، وہ مرحلہ ہے جس کا کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ درِ خیمہ سے آواز آرہی ہے زینبؑ! میرا آخری سلام۔ ام کلثوم! میرا آخری سلام۔ سکینہ، رقیّہ، فضّہ! "عَلَیکُنَّ مِنّی السَّلَامُ" یہ میرا آخری سلام لے لو۔ جیسے ہی یہ آواز درِ خیمہ سے خیمہ میں آئی ایک مرتبہ بہن دوڑ کے آئی۔ بھیّا! یہ آخری سلام کا کیا مطلب ہے؟ کہا بہن زینبؑ، کوئی

نہ رہ گیا اب مجھے رخصت کرو۔ بہن اب حسینؑ کو رخصت کرو۔ اب کوئی باقی نہیں سب راہِ خدا میں قربان ہو گئے۔ بس یہ سننا تھا کہ ثانی زہراؑ نے کہا بھیّا! "أَاسْتَسْلَمْتَ لِلْمَوْتِ" کیا آپ بھی مرنے کے لئے تیار ہو گئے؟ فرمایا "کَیْفَ لَا یَسْتَسْلِمُ لِلْمَوْتِ مَنْ لَا مُعِیْنَ لَهٗ وَلَا نَاصِرَ" اے زینبؑ! وہ کیسے مرنے کے لئے تیار نہ ہو جائے جس کا کوئی مددگار نہ رہ جائے۔ (سن لو جلدی جلدی مجلس تمام ہو رہی ہے)۔ اب میرا کوئی نہیں رہ گیا۔ کہا بھیّا جب تک زینبؑ زندہ ہے یہ نہ کہیے گا۔ یہ نہ کہیے گا کوئی مددگار نہ رہ گیا۔ ابھی تو زینبؑ زندہ ہے۔ کہا، تو اچھا بہن مجھے بیمار کے سرہانے لے چلو۔ بھائی کا بازو تھاما، لائیں اور لا کے بیمار بھتیجے کے پاس بٹھایا۔ بھتیجے کا شانہ ہلایا۔ عابد بیمار چونکو، بیٹا آنکھیں کھولو۔ بیمار نے آنکھیں کھولیں۔ پھوپھی اماں، خیر تو ہے؟ کہا باپ رخصت ہونے کے لئے آیا ہے۔ میں نے روایت میں یہ فقرہ دیکھا افسوس کہ اس کی ترجمانی نہ کر سکوں گا۔ جیسے ہی شہزادی نے کہا بیٹا آنکھ کھولو باپ رخصت کے لئے آیا ہے۔ ایک مرتبہ بیمار نے آنکھ کھولی، کہا بابا کہاں ہیں پھوپھی اماں، بابا کہاں ہیں؟ یہ سُننا تھا حسینؑ نے کلیجہ سے لگا لیا۔ کہا بیٹا مجھے اب نہ پہچانو گے۔ جس کے جسم پر انیس سو اکیاون (۱۹۵۱) زخم ہوں، جس کا سارا خون بہہ گیا ہو۔ ارے بابا آپ اس عالم میں آئے۔ اے پھوپھی اماں ذرا مجھے اٹھائیے۔ میرا باپ اکیلا رہ گیا۔ کہا بیٹا ٹھہرو تیرے جہاد کا میدان کربلا نہیں ہے شام و کوفہ کے بازار۔

میرے لال صبر کرنا صبر۔ یہ کہہ کے بیمار کو رخصت کیا۔ حسینؑ چلے درِ خیمہ تک آئے سب کو رخصت کیا۔ (اب تفصیل نہیں عرض کروں گا، بس آخری فقرے ہیں)

ب کو رخصت کیا۔ اب خیمہ سے نکلنا چاہتے ہیں نہ جانے کیا خیال آیا۔ فضہ ماںجائے
کو واپس بلاؤ۔ فضہ بھیّا کو واپس بلاؤ۔ فضہ دوڑ کے آئیں۔ آقا چلئے، بہن نے پھر
یاد کیا ہے۔ پلٹ کے آئے۔ زینبؑ تم نے تو رخصت کر دیا تھا اب دوبارہ کیوں
بلایا؟ کہا بھیّا جب آپ جا رہے تھے اب میں سمجھی کہ وقت آخر آگیا ہے۔ اب
وقت آگیا ہے کہ میں بابا کی وصیّت پر عمل کروں۔ زینبؑ یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کہا
وقت آخر تھا جب میں پہلو میں بیٹھی تھی تو مجھ سے فرمایا تھا زینبؑ! جب حسینؑ
رخصت آخر کے لئے آئے تو میری طرف سے حسینؑ کے گلے کے بوسے لے لینا۔
بھیّا ذرا بند قبا تو کھولئے۔ حسینؑ نے بند قبا کھولے۔ زینبؑ نے بھائی کے گلے
کے بوسے لئے۔ سنو گے غیرت دارو! زینبؑ نے بھائی کے گلے کے بوسے لئے۔
حسینؑ نے کہا زینبؑ ذرا شانوں سے ردا تو ہٹاؤ۔ اور یہ کہہ کے بہن کے بازوؤں
کو چومنا شروع کیا۔ اے بھیّا یہ کیا؟ کہا بہن اس گلے پر خنجر چلے گا، ان بازوؤں
میں رسن بندھے گی۔ زینبؑ صبر کرنا صبر۔ بہن بڑا سخت مرحلہ ہوگا۔ بہن صبر سے
اس مرحلہ کو سر کرنا ہوگا۔

بس عزیزو! مجلس تمام ہو گئی۔ آخری مرحلہ۔ رخصت ہو کے چلے۔ خیمہ کا
پردہ اٹھایا۔ درِ خیمہ پر آئے۔ میدان کو دیکھا۔ چاہنے والوں کی لاشوں کو دیکھا۔
اپنے فرض آخر پر نگاہ کی۔ اپنی ناتوانی کو دیکھا۔ ۲۸ رجب کی داستان آج تمام
ہو رہی ہے۔ جو سلسلہ مصائب کا ۲۸ رجب کو شروع ہوا تھا وہ عصر کے ہنگام
تمام ہو رہا ہے۔ سمجھے آپ میں نے کیا عرض کیا؟ میں نے اس دن عرض کیا
تھا کہ جب ۲۸ رجب کو حسینؑ کا قافلہ چلا اور ساری بی بیاں محملوں میں سوار ہو گئیں

تو حسینؑ نے کہا بھیّا عباس اب میرا گھوڑا لاؤ، اب رہوار لاؤ تاکہ میں بھی سوار ہو جاؤں۔ مگر آج جب وقت آیا ہے اب حسینؑ کسے بلائیں۔ میدان کو دیکھا لاشے دکھائی دیئے۔ خون میں تڑپتے ہوئے جسم نظر آئے، مگر حسینؑ کسے بلائیں، آواز دی "یَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَیَا فُرْسَانَ الْھَیْجَاءِ" اے میرے شیر والے میرے شہسوارو! ارے میں بلا رہا ہوں کوئی آواز نہیں دیتا۔ تمہارا امام پکار رہا ہے پھر کوئی میری آواز پر لبّیک کیوں نہیں کہتا۔ ارے مجھے معلوم ہے کہ موت درمیان میں حائل ہو گئی ہے مگر ایک آخری کام باقی رہ گیا ہے۔ بس آخری جملہ شاید دو منٹ میں مجلس تمام ہو جائے۔

سُن لو عزیزو! اس فقرہ کو اور مجلس تمام۔ آپ جب بھی تصور کریں گے بہت روئیں گے، دل بے قرار ہو جائے گا۔

اے میرے شیرو! آخری مرحلہ رہ گیا۔ اب حسینؑ مقتل میں جانا چاہتا ہے مگر کیسے جائے؟ "اَیُّکُمْ یُقَدِّمُ جَوَادِیْ" ارے کوئی ہے جو گھوڑے کو لا کے مجھے سوار کرا دے۔ ہائے ناتوانی کا وہ عالم ہے کہ حسین گھوڑے پر سوار بھی نہیں ہو سکتے۔ مرے شیرو! مرے جانبازو! کوئی آ کے مجھے سوار کرا دو۔

اے رونے والو! مقتل سے تو کوئی نہ آیا۔ ایک مرتبہ خیمہ کا پردہ اُٹھا۔ حسینؑ نے مڑ کے دیکھا۔ بہن نے کہا بھیّا گھبرائیے گا نہیں، میں آ گئی۔ سن لو، سن لو آخری جملہ۔ یہ کہہ کے زینبؑ آگے بڑھی۔ بھائی کا بازو تھاما گھوڑے پر سوار کرایا۔ کہا بھیّا جاؤ خدا کے حوالہ کیا۔ لو زینبؑ نے رخصت

کر دیا۔ اے چاہنے والو! آپ سب کی طرف سے شہزادی سے ہاتھ جوڑ کے
کہنا چاہتا ہوں، بی بی! شہزادی! جب بھائی کے سوار ہونے کا وقت آیا
تو آپ نے سوار کرا دیا، جب گھوڑے سے گرنے کا وقت آئے گا تو کون
سہارا دے گا۔ عجب نہیں زینبؑ یہ آواز دیں میرا کام ختم ہو گیا اب مقتل
میں اماں آئیں گی، اے میرے لال، اے میرے حسینؑ، آ میری گود میں آجا۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

مجلس ۱۴

مجلس عصر عاشور

(حیات علامہ جوادی طاب ثراہ کا آخری بیان)

أَفَاطِمُ لَوْ خِلْتِ الْحُسَيْنَ مُجَدَّلاً　　إِذًا لَلَطَمْتِ الْخَدَّ فَاطِمُ عِنْدَهُ
وَقَدْ مَاتَ عَطْشَانًا بِشَطِّ فُرَاتٍ　　وَأَجْرَيْتِ دَمْعَ الْعَيْنِ فِي الْوَجَنَاتِ
أَفَاطِمُ قُومِي يَابْنَةَ الْخَيْرِ وَانْدُبِي
نُجُومَ سَمَاوَاتٍ بِأَرْضِ فَلَاتٍ

عصر کا ہنگام، حسین علیہ السّلام رخصت آخر کے بعد خیمے سے برآمد ہوئے۔ کوئی چاہنے والا باقی نہ رہ گیا۔ صورت حال یہ ہے کہ:

حسینؑ جب کہ چلے بعد دوپہر رن کو
نہ تھا کوئی کہ جو تھامے رکاب طوسن کو
حسینؑ چپکے کھڑے تھے جھکائے گردن کو
سکینہ جھاڑ رہی تھی عبا کے دامن کو
نہ آسرا تھا کوئی شاہِ کربلائی کو
فقط بہن نے کیا تھا سوار بھائی کو

"یَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَیَا فُرْسَانَ الْهَیْجَاءِ" اے میرے شہسوارو! اے میرے جانبازو! میں پکار رہا ہوں کوئی آواز نہیں دیتا۔ حبیب آؤ، زہیر اٹھو، مسلم کہاں چلے گئے؟

ایک ایک کو فاطمہ کے لال نے آواز دی مگر سب گلے کٹائے سو رہے ہیں۔ بہن خیمے سے برآمد ہوئی، بھیا کا بازو تھاما، گھوڑے پر سوار کیا۔ حسینؑ نے مقتل کا رُخ کیا۔ روایت کہتی ہے ایسے وقت میں جب جسم زخموں سے چور، سارا بدن خون میں ڈوبا ہوا، مگر زہرا سلام اللہ علیہا کے لال نے اتمامِ حجّت کے لئے تین حملے کئے۔

پہلا حملہ کیا، فوجوں کو اتنی دور ہٹایا کہ فوجیں قادسیہ کی دیواروں سے ٹکراگئیں۔

دوسرا حملہ کیا، حسین علیہ السّلام کا رُخ فرات کی طرف تھا۔ فوجوں کو ہٹاتے ہوئے جب فرات کے کنارے پہونچے تو دل نے آواز دی عباسؑ! میرے شیر! میرے بھیّا آؤ، ۳۴ سال کے جوان کی جنگ میں نے دیکھی ہے، ۵۷ سال کے بوڑھے کا جہاد تم دیکھو۔ پلٹ کے آگئے۔

تیسرا حملہ کیا، ابھی حسین علیہ السّلام ایک لمحہ کے لئے ٹھہرے کہ ذرا دم لے کے آگے بڑھیں کہ ایک مرتبہ آواز آئی "یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" اے نفسِ مطمئن اب اپنے رب کی بارگاہ میں پلٹ آ۔ حسینؑ نے واپسی کا ارادہ کیا، تلوار کو نیام میں رکھا۔ عابد بیمار کہتے ہیں کہ جیسے ہی بابا نے تلوار کو نیام میں رکھا چاروں طرف سے اشقیاء بڑھے۔ کوئی نیزہ چبھوتا ہے۔ اِدھر سے تیر برس رہے

ہیں، اُدھر سے پتھر آرہے ہیں اور درمیان میں زہرؑا کا لال ۱۹۵۱ زخم کھا کے اب
جو گھوڑے سے گرا تو فاطمہؑ کی آواز رَن میں گونجی:

انیس ۱۹ سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینبؑ نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

زینبؑ نے چادر کو سنبھالا خیمہ سے باہر آگئیں۔ داہنے دیکھا، بائیں دیکھا مانجایا
نظر نہیں آیا، ایک ہی آواز فضا میں گونج رہی تھی "یا حسینؑ، یا حسینؑ، یا حسینؑ۔ اے مرے حسینؑ!
اے مرے بھیّا! کوئی نظر نہیں آیا۔ اب جو بلندی پر آئیں تو دیکھا بھائی سجدہ میں اور قاتل
خنجر لئے سرھانے۔ اب کس کو پکاریں آواز دی پسر سعد! میرا بھیّا ذبح ہو رہا ہے، میرا مانجایا
ذبح ہو رہا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے۔ حسینؑ کے کانوں میں بہن کی آواز آئی، چاہا کہ
اٹھیں بہن کو خیمہ میں واپس کریں۔ طاقت نے ساتھ نہ دیا گر پڑے۔ پھر دوبارہ اُٹھنا
چاہا پھر خاک کربلا پر گر پڑے۔ جب نہ اُٹھ سکے تو اشارہ کیا زینبؑ! ابھی میں زندہ
ہوں، بہن! ابھی میں زندہ ہوں، خیمے سے باہر نہ آؤ پلٹ جاؤ۔ اب جو زینبؑ پلٹ
کے چلیں، خیمہ میں قدم رکھا۔ زمین کربلا ہلنے لگی۔ سیاہ آندھیاں چلیں، آفتاب کو
گہن لگا۔ فضا میں آواز گونجی "اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُؑ، اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُؑ"۔ تڑپ کے آئیں
عابد بیمار، بیٹا یہ میں کیا سُن رہی ہوں؟ کہا پھوپھی اماں خیمہ کا پردہ اٹھائیے۔ اب
جو پردہ اٹھا دیکھا نیزۂ طویل پر باپ کا سر، آواز دی "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ"
بابا! یتیم بیٹے کا سلام لے لیں۔ بابا! میں زندہ رہ گیا آپ شہید ہو گئے۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

TANZEEMUL MAKATIB

GOLAGANJ, LUCKNOW. 226018 UP (INDIA)

Phone/Teli Fax : 91 522 2615115, 2228923, 2618194

Email : makatib.makatib@gmail.com

makatib@makatib.net

Visit us on : www.makatib.net